WWW.PAKSOCIETY.COM
ماہنامہ
خوفناک ڈائجسٹ
جون 2015
WWW.PAKSOCIETY.COM
خونی چڑیل نمبر
RS:70
CPL NO-219
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

CPL No.219

ماہنامہ

خوفناک ڈائجسٹ

لاہور

جلد نمبر 19۔ شمارہ نمبر 1
ماہ جون 2015
قیمت۔ 70 روپے

خونی چڑیل نمبر

خوفناک ڈائجسٹ پوسٹ بکس نمبر 3202 غالب مارکیٹ گلبرگ III لاہور

ماہنامہ خوفناک ڈائجسٹ ماہ جون 2015 کے شمارے خونی چڑیل نمبر کی جھلکیاں

محبت کی جیت
ثمن شہزادی۔6

تلاش عشق
ریاض احمد لاہور۔14

پرچھائی کا راز
نعیم بخاری آکاش۔34

ہوشیار
فلک زاہد لاہور۔50

کوئی چاند رکھ میری شام پہ
[illegible]۔54

قاتل روحیں
امتیاز احمد کراچی۔100

ڈر کے آگے جیت
نمرہ ریحان۔134

خونی چڑیل
شاہد رفیق سہو۔152

ماہنامہ خوفناک ڈائجسٹ ماہ جون 2015 کے شمارے خونی چڑیل نمبر کی جھلکیاں

خوشبو

احسان سحر۔ 161

خونی چڑیل نمبر

جون 2015

غزلیں نظمیں

مجھے یہ شعر پسند

آپ کے خطوط

اسلامی صفحہ

"شب برات"

شعبان المعظم کی پندرھویں رات کو شب برات کہا جاتا ہے برات کا مطلب "نجات کی رات" ہے اس رات کی خصوصیت یہ ہے کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو اپنی خصوصی رحمت سے نوازتا ہے اس رات ہر امر کا فیصلہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ مخلوق میں تقسیم رزق فرماتا ہے پورے سال میں ان سے سرزد ہونے والے اعمال اور پیش آنے والے واقعات سے اپنے فرشتوں کو باخبر کرتا ہے۔

سید ابو بکر صدیق سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اٹھو شعبان مہینہ کی پندرھویں رات کو اس لیے کہ بالیقین رات مبارک ہے فرماتا ہے اللہ تعالیٰ اس رات کو کہ ہے کوئی ایسا جو بخشش چاہتا ہو مجھ سے تاکہ میں بخش دوں اور تندرستی مانگے دوں اور ہے کوئی محتاج کہ آسودہ حالی چاہتا ہو تاکہ اس کو آسودہ کردوں چنانچہ صبح تک یہی ارشاد ہوتا ہے۔ حضرت علی سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نصف شعبان کی رات میں اللہ تعالیٰ قریب ترین آسمان کی طرف نزول فرماتا ہے اور شرک دل میں کینہ رکھنے والے اور رشتہ داریوں کو منقطع کرنے والے اور بدکار عورت کے سوا تمام لوگوں کو بخش دیتا ہے (غنیتہ الطالبین)

ابو نصر نے سند سے روایت کی کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ایک رات میں نے رسول اللہ صلی اللہ وآلہ وسلم کو بستر پر نہیں پایا میں آپ کی تلاش میں گھر سے نکل پڑی دیکھا کہ آپ بقیع کے قبرستان میں موجود ہیں اور آپ کا سر آسمان کی جانب اٹھا ہوا ہے۔ حضور ﷺ نے مجھے دیکھ کر فرمایا کیا تمہیں اس بات کا اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول تمہاری حق تلفی کریں گے حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی رات میں دنیا کے آسمان پر جلوہ فرما ہوتا ہے اور بنی کلب کی بکریوں کے بالوں کے شمار سے زیادہ لوگوں کی بخشش فرما دیتا ہے۔

شیخ ابو نصر نے باسناد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ حضور نے مجھ سے فرمایا! عائشہ یہ کونسی رات ہے؟ انہوں نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول ہی بخوبی واقف ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ نصف شعبان کی رات ہے اس رات میں دنیا کے اعمال بندوں کے اعمال اوپر اٹھائے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ اس رات بنی کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد میں لوگوں کو دوزخ سے آزاد کرتا ہے تو کیا تم آج کی رات مجھے عبادت کی آزادی دیتی ہو؟ میں نے عرض کیا ضرور! پھر آپ نے نماز پڑھی اور قیام میں تخفیف کی سورۃ فاتحہ اور ایک چھوٹی سورت پڑھی پھر آدھی رات تک آپ سجدے میں رہے پھر اٹھے اور دوسری رکعت پہلی رکعت کی طرح پڑھی اور سجدے میں چلے گئے یہ سجدہ فجر تک جاری رہا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی روح مبارک قبض فرمالی ہے پھر جب میرا انتظار طویل ہوا تو میں آپ کے قریب پہنچی اور میں نے حضور ﷺ کے تلووں کو چھوا تو حضور ﷺ نے حرکت فرمائی میں نے خود سنا کہ حضور سجدے کی حالت میں یہ الفاظ ادا فرما رہے تھے "الٰہی میں تیرے عذاب سے تیری عفو اور بخشش کی پناہ میں آتا ہوں تیرے قہر سے تیری رضا کی پناہ میں آتا ہوں تجھ سے تیری پناہ چاہتا ہوں تیری ذات بزرگ ہے میں تیری شایاں شان ثنا نہیں کر سکتا تو ہی آپ اپنی ثنا کر سکتا ہے اور کوئی نہیں۔"

صبح کو میں نے عرض کیا کہ آپ سجدے میں ایسے کلمات ادا فرما رہے تھے کہ ویسے کلمات میں نے آپ کو کہتے کبھی نہیں سنا۔ حضور ﷺ نے فرمایا خود بھی یاد کرلو اور دوسروں کو بھی سکھاؤ کیونکہ جبرئیل نے مجھے سجدے میں ان کلمات کو ۔۔۔ ۔۔۔ دیا تھا۔ (قاضی احمد عتیق سرہنٹ تارنگ منڈی)

اسلامی صفحہ

ماں کی یاد میں

تیری ہر خوشی پہ قربان میری جاں۔ ماں تو سلامت رہے میری ماں
خون دے کے پالے ہیں یہ پودے گلشن کے۔ اس چمن پہ رہتی ہے تو سدا مہرباں
ماں تو سلامت رہے میری ماں
محتاج ہوں میں تیری اک اک دعا کی۔ رہے میرے سر پہ سدا تیری چھاں
ماں تو سلامت رہے میری ماں

میری پیاری ماں تو پیار کا ایک بہت ہی گہرا سمندر ہے تیری گہرائی کو کوئی نہیں جانتا اس اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ ماں تیرے پیار کی گہرائی بہت زیادہ ہے جس کا کوئی ناپ تول نہیں ہے میں تیری بیٹی ہوں اور تیری ہی گود میں پلی ہوں ماں میں تو تیرے ہر دکھ کو جانتی ہوں تیری تکلیف کو سمجھتی ہوں ماں کتنے پیارے وہ دن تھے جب تو مجھے اپنے پاس بیٹھا کر کھانا کھلاتی تھی بلکہ ماں تو تو بس کہ جب تک اولاد کھانہ لے تجھے بھوک ہی نہیں لگتی ماں تیرے پیار کا اندازہ میں کیسے لگاؤں کہ ایک طرف ڈانٹنا اور دوسری طرف گود میں بیٹھا کر پیار کرتی ہو ماں مجھ سے کبھی بھی ناراض نہ ہونا ماں میں تیرا بیٹا نہیں ہوں جو اپنی بیوی کے لئے اپنی ماں کو دھکے دے کر نکال دوں گا جو اپنی بیوی کو شاندار گھر میں اور تجھے اندھیری کوٹھری میں رکھوں گا جو بیوی کو طرح طرح کے کھانے اور تجھے اپنے بچوں کا بچا کچا کھلاؤں گا جو اپنی بیوی کے پرانے کپڑے تجھے پہناؤں گا میں تو تیری بیٹی ہوں تیرا چہرا دیکھ کر سوتی ہوں تیری پیاری صورت اٹھتے ہی دیکھ کر صبح کا آغاز کرتی ہوں ماں تو مجھے نظر نہ آئے تو تجھے ڈھونڈنا شروع کر دیتی ہوں ماں تیرے بن تو گھر میں اندھیرا سا ہو جاتا ہے ماں میری ہر تمنا میں تو تیری وجہ سے پوری ہوئی ہوتی ہیں ہر خوشی تو تجھے دیکھ کر ملتی ہے پھر میں ان خوشیوں کی تمنا کیوں کروں جن میں تو شامل نہیں ہوتی ماں تیری گود میں نرمی تو میں کبھی نہیں بھول پاتی ہوں ماں کسی نے سچ کہا ہے کہ جب ماں یا باپ مر جائیں تو بیٹا بار بار گھڑی دیکھتا ہے کہتا ہے جلدی دفنائیں میت کا ٹائم ہونے والا ہے میت کو دفنانے کے بعد کھانا کھلانا ہے مگر ماں بیٹیاں تو اپنی ماں باپ کا چہرہ دیکھ دیکھ کر روتی رہتی ہے ہائے میری امی کو مت لے کر جاؤ میری امی کے بغیر میرے سے یہ دروازے بند ہو جائیں گے میری امی کو میرے پاس ہی رہنے دو مگر ماں کوئی بھی اس وقت بیٹی کی نہیں سنتا ماں میں تو بیٹی ہوں تجھ سے دور نہیں۔ وہ سگی ماں میں بیٹا نہیں ہوں جو تجھے بیمار کو چھوڑ کر کسی دوسرے ملک چلا جاؤں گا اور وہاں جا کر کہوں گا ماں میں بہت پیسا کما رہا ہوں تیری بیماری کی بھول گئی ہے مگر وہ بیمار ہوتی ہے اٹھنے کی ہمت نہیں ہوتی بیٹے کی بات سن کر کہتی ہے بیٹا اللہ تجھے بہت دے میری دعا ہے کہ اللہ تجھے تیری سوچ سے بھی زیادہ دے اور اپنے بیٹے کی آواز سن کر آنکھیں بھر آتی ہیں دیکھ نہیں سکتی آواز کے ساتھ آنکھوں میں آنسو اور ہونٹوں پہ پھر مسکراہٹ سی آتی ہے جب آواز بند ہوتی ہے تو تو رو کر کہتی ہے بیٹا تو جہاں رہے خوش۔

کشور کرن۔ پتوکی۔

محبت کی جیت

تحریر۔ ثمن شہزادی۔ فتح جنگ۔

سجاول نے ضرورت کی اشیاء خریدیں اور اپنے گاؤں کی سمت ہو لیا گھر آ کے اس نے تمام چیزوں کو اپنی اپنی جگہ پر رکھا اور کچھ سامان بکھرا پڑا تھا سے سیٹ کیا جاتے ہوئے اس کے کمرے کی کھڑکی کھلی رہ گئی تھی، جس کی اس سے ہوا کی بدولت اس کے ٹیبل پر پڑے سارے کاغذ کمرے میں بکھرے ہوئے تھے اس نے ان کو اکٹھا کیا اور ٹیبل پر رکھا پھر سے فریش ہو کر کھانا کھا جب وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا تو ساڑھے پانچ ہو چکے تھے وہ جلدی سے گھر سے نکا گھر کو تالا لگایا اور جنگل کی طرف چل دیا وہ جنگل کے اسی حصے میں گیا جہاں اس نے کل وہ لڑکی دیکھی تھی اسے تلاش کرنے لگا آخر اس کی تلاش رنگ لائی جوں ہی اس نے شمال کی سمت دیکھا تو کل والی حالت میں کوئی لڑکی چلی آ رہی تھی اس نے اس کا پیچھا کیا بہت وقت چلنے کے بعد اس نے دوڑنا شروع کر دیا اس نے سوچا کہ اس لڑکی کا راستہ تو ختم ہی نہیں ہو رہا ایسے کرتا ہوں اس کو مخاطب کر کے اس سے دریافت کرتا ہوں کہ وہ اس وقت ادھر کیا کر رہی ہو اس نے اس کو پیچھے سے آواز دی۔

اس نے سجاول کی دوسری آواز پر پلٹ کر دیکھا وہ انتہائی خوبصورت لڑکی تھی ایسے لگتا تھا جیسے برسوں سے اس کے ہونٹوں پر سرخی نہ لگی ہو آنکھوں کی چمک بھی بہت افسردہ تھی چہرے پر سے بھی خوش معلوم نہیں ہوتی تھی یوں لگتا تھا کہ برسوں سے مایوسی چھائی ہوئی ہو مگر اس سب کے باوجود وہ خوبصورت لگ رہی تھی اس سے پہلے کہ وہ اسے یہ بتاتا کہ رکو وہ غائب ہو گئی اس نے ادھر ادھر تلاش کیا مگر آج پھر سے ناکام ہی واپس لوٹنا پڑا مگر آج اس نے پختہ ارادہ کر لیا کہ وہ اس لڑکی کا سراغ ضرور لگائے گا۔ ایک سنسنی خیز اور دلچسپ کہانی۔

ایک طوفان کی شام تھی ہوا کے زور کی وجہ سے درخت جھول رہے تھے جس کے باعث شاخوں کی آوازیں آ رہی تھی وہ جنگل میں چلتا جا رہا تھا کیونکہ جب کبھی بھی وہ تھک جاتا تو جنگل میں نکل جاتا کیونکہ خاموشی اور تنہائی اسے جنون کی حد تک اچھی لگتی تھی وہ ادھر ادھر بے مقصد گھوم رہا تھا کہ اسے عجیب محسوس ہوا جیسے اس کے علاوہ کوئی اور بھی وہاں پر موجود تھا ڈر نہیں لگتا تھا اسے لیکن تجسس ہمیشہ رہتا تھا اس لیے اس نے نظریں گھما کر ادھر ادھر دیکھا مگر اسے کچھ نظر نہیں آیا وہ تھوڑی دیر خاموش رہا تو اسے پیروں کی آہٹوں کی آوازیں آنا واضح سنائی دی ایک لمحہ اس نے یہ جاننے میں صرف کیا کہ یہ آواز کس طرف سے آ رہی ہے کچھ سوچ کر وہ دائیں طرف کو چل دیا تھوڑا سا آگے جانے کے بعد

جب اس نے رخ سیدھا کیا تو وہ ٹھٹھک کر رک گیا۔

سفید لباس ملبوس جو کے نیچے لگ رہا تھا اس کے بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے قد قامت میں بھی اچھی تھی اس نے دماغ میں خیال کیا کہ یہ کون لڑکی ہے جو اس وقت جنگل میں ہے اور کدھر جا رہی ہے یہ تو آگے بڑھتی چلی جا رہی ہے کیا اس نے گھر واپس نہیں جانا یہ سوچتے ہی اس نے ارادہ کیا کہ اس دوشیزہ کا پیچھا کیا جائے کیا معلوم یہ راستہ بھٹک گئی ہو مگر یہ کیا وہ تو غائب ہو چکی تھی وہ جلدی جلدی قدم اٹھاتا آگے بڑھ گیا مگر اس کی گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کی تلاش کے باوجود وہ اس کا سراغ نہ پا سکا تو وہ واپس ہو لیا۔

رات کا اندھیرا آسمانوں کو پوری طرح اپنی آغوش میں لے چکا تھا وہ اس لڑکی کے بارے میں سوچتے سوچتے آخر کار گھنٹے کی مسافت کے بعد اپنے گھر میں داخل ہو گیا ہر طرف گہری خاموشی تھی گلیاں ویران تھی ایک دو جگہ قمقمے روشن تھے وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اپنے گھر میں داخل ہو گیا پورے گھر میں سناٹے کا راج تھا ظاہر سی بات ہے کہ گھر میں خاموشی ہی ہونی تھی نا۔ کیونکہ اس گھر میں اس کے سوا کوئی اور نہیں تھا اس نے آگے بڑھ کر لائٹ آن کی پھر ہاتھ دھوئے اور لباس تبدیل کر کے کچن میں داخل ہو گیا وہاں جو اسے پسند آیا وہ کھا پی کر اپنے بیڈ روم کی طرف آرام کرنے چل دیا کیونکہ وہ تھک چکا تھا آج اس نے اپنی میز کی ٹیبل پر بکھرے کاغذوں کو بھی نہیں چھیڑا تھا کیونکہ اس کا دماغ اس لڑکی کے بارے میں اب تک تانے بانے بن رہا تھا اس کی سوچوں میں وہ غرق تھا وہ بیڈ پر ٹیک لگائے بیٹھا تھا اور وہی سو گیا تھا۔

اس کا نام سجاول تھا اور یہ خوش قامت اور خوش شکل تھا اور ہر وقت لاتعلقی کے اظہار کا حلیہ اپنائے رکھتا تھا علاوہ اس کے وہ خوش لباس بھی تھا مگر کبھی اس نے خود پہ خاطر خواہ توجہ نہیں دی ناول لکھتا تھا اور شاعری اس کا دوسرا کام تھا وہ کرتا تھا یوں مست ملنگ زندگی بسر کر رہا تھا صبح اس کی آنکھ کھلی تو نو بج چکے تھے وہ جلدی سے بستر سے اترا پہلے شاور لیا اور پھر ناشتہ کر کے گھر کو تالا لگا کر وہ شہر کی سمت ہو لیا اس کے ہاتھ میں ایک بیگ بھی تھا جس میں لکھے ہوئے کاغذ رکھے تھے شاید اس کا ناول مکمل ہو چکا تھا وہ بازار اور لوگوں کی بھیڑ میں ہوتا ہوا ایک تنگ گلی میں داخل ہوا اور تھوڑا آگے جا کر ایک دروازہ کھول کر اندر چلا گیا وہاں کچھ سمجھانے اور بتانے کے بعد اسے ایڈیٹر کے کمرے میں جانے کی اجازت مل گئی یہ کسی پبلشنگ کمپنی کا آفس تھا جہاں وہ اپنا ناول لے کر آیا تھا وہ ایڈیٹر کے کمرے میں داخل ہوا اسے سلام کرنے کے بعد اس کی ہدایت پر ایک کرسی پہ بیٹھ گیا ایڈیٹر نے فون پر نوکر کو چائے و بسکٹ لانے کی ہدایت کی اور ریسور رکھ دیا سجاول نے ہاتھ میں پکڑا ہوا لفافہ ایڈیٹر کے ٹیبل پر رکھ دیا۔ امجد صاحب نے وہ لفافہ کھول کر اس میں سے چند کاغذ نکالے اور ان کا مطالعہ کرنے لگے ان تحریروں پہ نظر دوڑانے کے بعد بولے۔

بہت اچھا ہے ناول تو تمہارا یہ کہتے!

ہوئے سجاول سے مخاطب ہوئے اتنے میں نوکر چائے لے کر آیا اندر داخل ہوا اور چائے امجد صاحب اور سجاول کو پیش کر کے کمرے سے باہر چلا گیا۔

میرا خیال ہے اب باقی باتیں طے کر لینی چاہئے یہ کہتے ہوئے امجد صاحب نے فون پر فیچنگ ٹرینیو اپنے کمرے میں مدعو کیا اور ریسور رکھ دیا۔

آپ لیں نا چائے امجد صاحب نے سجاول سے کہا اور خود بھی اپنے ہاتھ میں چائے کا کپ پکڑ لیا تین سے پانچ منٹ کے انتظار کے بعد نعمان جو کہ مینجنگ تھے وہ اندر داخل ہوئے امجد صاحب نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اس کے بعد ناول کی جلد اس کے باہر چھپنے والے پرنٹ اور ٹائٹل پہ گفتگو ہوئی ان چیزوں کے فائنل ہونے کے بعد سجاول کو معاوضہ دے کر رخصت کر دیا گیا۔

سجاول نے ضرورت کی اشیاء خریدیں اور اپنے گاؤں کی سمت ہو لیا گھر آ کے اس نے تمام چیزوں کو اپنی اپنی جگہ پر رکھا اور کچھ سامان بکھرا پڑا تھا سے سیٹ کیا جاتے ہوئے اس نے کمرے کی کھڑکی کھلی رہ گئی تھی جس کی اس سے ہوا کی بدولت میز کے ٹیبل پر پڑے سارے کاغذ کمرے میں بکھرے ہوئے تھے اس نے ان کو اٹھا کیا اور ٹیبل پر رکھا پھر سے فریش ہو کر کھانا کھا جب وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا تو ساڑھے پانچ ہو چکے تھے وہ جلدی سے گھر سے نکل کر تالا لگایا اور جنگل کی طرف چل دیا وہ جنگل کے اسی حصے میں گیا جہاں اس نے کل وہ لڑکی دیکھی تھی اسے تلاش کرنے لگا

آخر اس کی تلاش رنگ لائی جوں ہی اس نے شمال کی سمت دیکھا تو کل والی حالت میں کوئی لڑکی چلی آ رہی تھی اس نے اس کا پیچھا کیا بہت وقت چلنے کے بعد اس نے دوڑنا شروع کر دیا اس نے سوچا کہ اس لڑکی کا راستہ تو ختم ہی نہیں ہو رہا ایسا کرتا ہوں اس کو مخاطب کر کے اس سے دریافت کرتا ہوں کہ وہ اس وقت ادھر کیا کر رہی ہو اس نے اس کو پیچھے سے آواز دی۔

اس نے سجاول کی دوسری آواز پر پلٹ کر دیکھا وہ انتہائی خوبصورت لڑکی تھی ایسے لگتا تھا جیسے برسوں سے اس کے ہونٹوں پر سرخی نہ لگی ہو آنکھوں کی چمک بھی بہت افسردہ تھی چہرے پر بھی خوشی معلوم نہیں ہوتی تھی یوں لگتا تھا کہ برسوں سے مایوسی چھائی ہوئی ہو مگر اس سب کے باوجود وہ خوبصورت لگ رہی تھی اس سے پہلے کہ وہ اسے یہ بتاتا کہ رکو وہ غائب ہو گئی اس نے ادھر ادھر تلاش کیا مگر آج پھر اسے ناکام ہی واپس لوٹنا پڑا مگر آج اس نے پختہ ارادہ کر لیا کہ وہ اس لڑکی کا سراغ ضرور لگائے گا۔

اس نے چند چیزیں درست کر باقی گھر کی تمام اشیاء بدستور ویسے ہی بکھری پڑی تھیں اسے جو چیزیں ضرورت ہوتی وہ اٹھا لیتا باقی اس کی بیشتر اشیاؤں ہی بے ہنگم طریقے سے پڑی رہتی تھیں وہ ڈنر کر کے اپنے بیڈ روم میں آیا اور اس نے کاغذ اور پنسل پکڑ لی اور کچھ لکھنا شروع کیا۔ اصل میں وہ ایک غزل لکھ رہا تھا اس نے قریب ہی ایک دوران پبلشر کو شائع کرنے کے لیے دینا تھا وہ اس کے لیے شاعری کر رہا تھا وہ اس قسم کی شاعری دل جمعی سے کرتا تھا لیکن اس

اشعار میں جو تنہائی ذکر ہوتا تھا وہ کمال کا ہوتا تھا۔

ابھی وہ ایک غزل بھی مکمل نہیں کر پایا تھا کہ اس نے کاغذ قلم سائیڈ پر رکھے اور لیٹ گیا اس کا دماغ اس لڑکی کی کھوج میں چل رہا تھا اس سوچ میں اس کی آنکھ لگ گئی وہ صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو آٹھ بج رہے تھے وہ بستر پر سے اٹھا اور باتھ روم میں شاور لیا فریش ہو کر وہ کچن میں ناشتے کی غرض سے جا رہا تھا کہ اس کا فون بجا اس نے فون رسیو کیا۔

اسلام علیکم صاحب جی دوسری جانب سے کوئی بولا۔

ہاں حشمت بولو کیوں فون کیا ہے۔

وہ میں نے کہنا تھا کہ آپ کے کپڑے تیار ہیں آ کر لے جائیں۔

ٹھیک ہے میں آج آ کر لے جاؤں گا۔

ٹھیک ہے اللہ حافظ۔

اوکے جی خدا حافظ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کچن میں داخل ہو گیا اس نے سب سے پہلے فریج کھولی اور اس میں سے ایک انڈا دو ڈبل روٹیاں اور جیم نکالا اس نے ڈبل روٹی گرم کیں اور ان ایک پلیٹ میں رکھا اور پھر انڈا بنانے کی طرف متوجہ ہو گیا وہ جلدی میں انڈا بنا رہا تھا کہ اس کا ہاتھ جل گیا ہائے توبہ جوں ہی تجاؤں کی انگلی گرم فرائی پین کیساتھ لگی وہ جلدی سے ہاتھ پیچھے ہٹاتے ہوئے بولا اس نے انڈے والا فرائی پین چولہے پر سے اتار کر ایک سائیڈ پر رکھا اور واش روم میں گیا اور وہاں سے پیسٹ لے کر انگلی پر لگا کر واپس آیا۔

اس لیے تو کہتے ہیں جلدی کا کام شیطان ہوتا ہے وہ خود سے باتیں کر رہا تھا واپس آ کر ٹیبل پر بیٹھ گیا اور ناشتہ کرنے لگا ناشتے سے فارغ ہو کر اس نے لونڈری میں سے گندے کپڑے اکھٹے کیے اور انہیں ایک شاپر میں والا اور گھر کو تالا لگا کر وہ کپڑے لے کر دھوبی کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا اصل میں جو صبح اسے فون آیا تھا وہ اس کے دھوبی کا تھا جس نے اسے کپڑے لے جانے کے لیے کہا تھا وہ دھوبی سے کپڑے لے کر واپس آیا اور انہیں الماری میں لگانے لگا اس کے بعد اس نے اپنا لیپ ٹاپ کھولا اور اس پر آئے ہوئے ای میلز اور دیگر میسجز چیک کرنے لگا۔

اس نے دو دن پہلے جو اپنی ایک غزل نیٹ پر اپ لوڈ کی تھی اس کے بارے میں بہت سے لوگوں کے کمنٹس تھے اس کے علاوہ جو اس کا دو ماہ قبل ناول تنہائی کے نام سے شائع ہوا تھا اس کے بارے میں بھی لوگوں کا کافی اچھا ریسپونس تھا وہ کافی دیر تک یونہی لیپ ٹاپ پر یہ سرچ کرتا رہا وقت گزار رہا تھا

جوں ہی پانچ بجے وہ سب کچھ آف کر کے گھر کو تالا لگا کر جنگل کی طرف روانہ ہو گیا اس کا مقصد اس لڑکی سے ملاقات کا تھا جنگل میں پہنچ کر چند منٹ کی تلاش کے بعد اس کے چہرے پر ایک کامیابی کی مسکراہٹ نمایاں ہوئی دراصل اس نے اس لڑکی کو دیکھ لیا تھا وہ اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا تھوڑی دیر بعد وہ اس کے بالکل قریب پہنچ گیا وہ ایک طرف سے ہو کر اس کے سامنے نمودار ہوئی۔

پلیز آج مت غائب ہونا۔

یہ وہ پہلے الفاظ تھے جو سجاول نے اس کو سامنے سے دیکھتے ہوئے ادا کیے وہ لڑکی وہی رک گئی۔۔

تم کون ہو اور مجھے کیوں تنگ کر رہے ہو لڑکی نے سجاول سے مخاطب ہو کر کہا۔

تم پلیز میری بات سن لو سجاول نے اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے پھر اپنی التجا اس کے سامنے گوش گزار دی وہ لڑکی قریبی درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔

تم کون ہو اور یہاں روزانہ کس لیے ہوتی ہو اور آگے کی طرف کہاں جاتی ہو سجاول نے ایک ہی سانس میں دو تین سوال کر ڈالے تھے۔۔

تم یہ کیوں جاننا چاہتے ہو۔ لڑکی نے پوچھا

میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں سجاول نے جواب دیا۔

تمہیں کیا لگتا ہے مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے لڑکی نے کہا۔

ہاں پتہ نہیں کیوں مجھے لگتا ہے کہ تم کسی کی تلاش میں ہو اور میں تمہیں تمہاری مدد ضرور کر سکتا ہوں تم مجھے بتاؤ تو سہی اپنے بارے میں سجاول نے کہا۔

میرا نام کرن ہے اور میری روح ہے مجھے تو کب کا کسی بے وفا نے دولت کے لالچ میں موت کی گھاٹ اتار دیا تھا جنگل میں آگے میرے خواب کی تعبیر ہے دن بھر کی تلاش کے بعد میں وہاں واپس جا رہی ہوتی ہوں جب تمہاری نظر مجھ پہ پڑتی ہے لڑکی نے آہ بھرتے ہوئے سرد لہجے میں کہا

ادھر جنگل میں آگے تمہارے خواب کی تعبیر ہے۔؟ سجاول نے مزید وضاحت چاہی

یہ جنگل مجھے بہت پسند تھا اس لیے میں نے یہاں ایک بنگلہ تعمیر کروایا تھا یہ جگہ میرا خواب تھی وہ تعبیر کرن نے اپنی بادشاہی کے زمانے کی یادوں سے شئیر کی۔

تمہیں قتل کس نے کیا تھا اور کیوں سجاول نے سوال کیا۔

اس دنیا کے بے وفاؤں میں سے ایک بے وفا سے مجھے محبت ہو گئی تھی اور اسے دولت کی ہوس تھی میری ماں میرے بچپن میں ہی فوت ہو گئی تھی صرف باپ ہی تھا اور اس نے میری ہر خواہش ہر خوشی پوری کی تھی جب انہوں نے مجھے زوہیب سے شادی کے لیے کہا تو میں انکار نہیں کر سکی بعد میں مجھے باپ کا فیصلہ اچھا لگنے لگا کیونکہ زوہیب اچھا تھا اور مجھے بھی اس سے محبت ہو گئی تھی مگر میرے باپ کی وفات کے بعد وہ بہت بدل گیا تھا اس کی حرکتیں مشکوک ہو گئی تھیں رات کو دیر سے گھر آتا تھا آفس میں بھی کم جاتا تھا ایک دو بار تو مجھے ایسا لگا کہ جیسے وہ نشے میں ہے جب میں نے سوال کیا تو اس نے جھگڑنا شروع کر دیا اور کہنے لگا کہ وہ میرے سوالوں کا جواب دینے کا پابند نہیں ہے۔

پھر ایک دن وہ میرے پاس آیا اس نے مجھے معافی مانگی اور یقین دلایا کہ وہ بدل چکا ہے میں بھی بہت خوش ہوئی کہ میرے گھر کی خوشیاں لوٹ آئیں ہیں اس نے میں تیار ہو جاؤں اور ہم جنگل والے بنگلے میں چلتے ہیں۔

ویسے بھی موسم اچھا تھا میں نہیں جانتی تھی

کہ اس کے دماغ میں کیا چل رہا ہے یہ سب ڈرامہ ہے جو کر رہا ہے ہم بنگلے میں آئے تھوڑا گھومنے پھرنے کے بعد ہم ایک جگہ بیٹھے تھے کہ مجھے پیاس محسوس ہوئی میں نے اس سے پانی کا کہا اس نے مجھے جوس دیا عجیب ذائقہ لگا تھا مجھے میں نے مشکل سے تین گھونٹ بھرے اور رکھ دیا مجھے ایسے لگا جیسے میرا گلہ بند ہو رہا ہے دل کام کرنا چھوڑ رہا ہو دومنٹ کی بات تھی کہ زہر نے اپنا کام کر دکھایا اس نے ایک صندوق میں میری لاش ڈال کر اس کو میرے اس خوابوں کے محل میں ایک کمرے میں رکھ دیا اور اپنے تمام ارادے مجھے سمجھا کر چلا گیا پہلے میں اس صدمے سے نہیں نکل سکی پھر میں نے اس سے بدلہ لینے کا فیصلہ کر لیا میں روز ہی اس کی تلاش میں جاتی ہوں ۔۔۔ کرن نے اپنی کہانی سنائی۔

واقعی ہی تمہارے ساتھ برا ہوا ہے خیر میں تمہیں تلاش کر کے دوں گا زوہیب تو ایسا ہوتا ہے لوگ ہوتے ہیں کچھ جنہیں رشتوں سے زیادہ دولت پیاری ہوتی ہے۔ سجاول نے نڈھال لہجے میں کہا۔

کیوں تمہارے ساتھ بھی کسی نے بے وفائی کی ہے۔ کرن نے سوال کیا۔

ہاں بس کچھ ایسا ہی ہوا ہے میرے ساتھ بھی لیکن خیر میں زوہیب کے بارے میں پتہ کر کے ہی کل تمہیں بتاؤں گا تم مجھے ادھر ہی ملنا۔

ٹھیک ہے۔

اللہ حافظ کہہ کر سجاول واپس آ گیا اور کرن آگے چل گئی اگلے دن صبح ہی سجاول شہر کی جانب روانہ ہو گیا زوہیب کا نام اس نے سنا ہوا تھا وہ جس ادارے کے ذریعے اپنے ناول پبلش کرواتا تھا وہ اس کے ایڈیٹر کا دوست تھا وہ امجد صاحب کے پاس گیا پہلے تو ان سے اپنے ناول پہ کچھ گفتگو کی پھر زوہیب کے بارے میں چند معلومات لے کر واپس آ گیا شام ہو رہی تھی کہ وہ جنگل میں گیا وہاں کرن اس کے انتظار میں پہلے سے ہی کھڑی تھی کچھ پتا چلا سجاول کے قریب آتے ہی کرن نے سوال کیا۔

ہاں پتا تو چل گیا ہے لیکن ایک بات ہے وہ سجاول نے کہا۔

کیا بات ہے کرن نے پوچھا

وہ آج شادی کر رہا ہے رات کو اس کا نکاح ہوگا سجاول نے کہا۔

کرن نے ایک سرد آہ بھری۔

تو تم اب کیا کرو گی سجاول نے سوال کیا

ظاہری بات ہے اسے اس کی بیوی سمیت ہی موت کے گھاٹ اتاروں گی ذلیل انسان ایسی سزا دوں گی کہ عبرت ہو جائے گی اس کی موت دوسروں کے لیے کرن نے غصے میں کہا۔

تم میری ایک بات مانو گی۔ سجاول نے کہا۔

کیوں نہیں کرن نے کہا۔ آخر تم نے میری اتنی مدد کی ہے۔

تم اس لڑکی کو کچھ مت کہنا جس سے اس کی شادی ہو رہی ہے سجاول نے کہا۔

کیوں۔ کرن نے سوال کیا۔

اس لیے کہ میں اس لڑکی سے محبت کرتا ہوں پلیز سجاول نے مختصر سے دو لفظوں

میں وجہ بیان کی۔

کرن نے کہا۔ ٹھیک ہے۔

یہ کہہ کر وہ نم آنکھوں کیساتھ واپس گھر کی طرف چل دیا۔ کرن اپنے مشن کو پورا کرنے کے عزم میں شہر کی طرف چل دی جنگل کے بائیں جانب ایک آبشار تھا وہ اس کے کنارے جا کر بیٹھ گیا اور پہاڑ سے گرتے ہوئے پانیوں کو گھورنے لگا اس نے دماغ میں اس کا ماضی آج پھر سے چل مچنے لگا تھا اس کے لاکھ کوشش کے باوجود بھی وہ ان ہواؤں کا رخ موڑنے میں ناکام رہا۔

کرن زوہیب کے گھر پہنچ چکی تھی زوہیب ایک امیر آدمی تھا لہذہ شادی کی تقریب بھی بہت ہی شہنائیاں تھیں تمام تیاریاں مکمل تھیں بس اب دلہن کی آمد کا انتظار تھا پھر نکاح خواں نے نکاح پڑھانا تھا زوہیب آنے والے مہمانوں کو خوش آمدید کر رہا تھا اور مبارک باد اور پھول وصول کر رہا تھا زوہیب اندر آیا اور عالیہ کو فون ملایا دوسری بیل پر دوسری طرف سے کال ریسیو ہو گئی زوہیب کال ریسیو ہونے کا بےچینی سے انتظار کر رہا تھا۔

ہاں عالیہ کدھر ہو یار اتنی دیر لگا دی سیلون میں فون ریسیو ہوتے ہی اپنا مدعا بیان کر دیا۔

آ رہی ہوں بس ہم پہنچنے والے ہیں۔۔

ڈرائیور تیز چلاؤ گاڑی دوسری طرف سے آواز آئی جو کہ عالیہ کی تھی جس سے کچھ دیر بعد زوہیب کی شادی ہونے والی تھی

زوہیب کال کر کے یونہی واپس باہر جانے لگا تب جسم بن کر وہی پر جم گیا اس کا جسم وہی مفلوج ہو گیا اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی نے اس کے جسم کو مضبوطی سے زمین سے جکڑ دیا ہو وہ ذرا برابر بھی حرکت نہیں کر رہا اور خوف اور حیرت کی وجہ سے اس کے جسم میں سنسنیاں سی دوڑنے لگی کیونکہ اسکے سامنے اس کی پہلی بیوی کھڑی تھی۔ کرن جس کو اس نے خود اپنے ہاتھوں سے زہر دیا تھا اور صندوق میں بند کر کے اس کے محل کے تہہ خانے میں رکھ کر تالا لگا دیا تھا اور وہ مرنے سے بچ بھی گئی تھی تو وہاں سے نکلی کیسے اور اس تک کیسے پہنچی

مگر اس سے پہلے وہ اپنے سوال اپنی زبان پر لاتا کرن چل کر اس کے قریب آئی اس یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس نے اپنی آنکھوں کو ملتے ہوئے اس کی طرف غور سے دیکھا مگر وہ بول رہی تھی۔

اب چاہے آپ اپنی انگلی کاٹیں یا آنکھیں ملیں یہ حقیقت ہی ہے کہ میں آپ کی سابقہ بیوی ہوں اب تو آپ نئی شادی کرنے جا رہے ہیں نا

کرن نے زوہیب سے مخاطب ہو کر طنزیہ لہجے میں کہا اور جا کر ایک طرف بیٹھ گئی

ت۔۔ت۔۔تم۔۔تم یہاں کیسے زوہیب نے بمشکل سے جملہ ادا کیا۔

میں تو نہیں آنا چاہتی تھی وہ بس تمہاری موت لے آئی ہے مجھے یہاں پر۔ یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے کرن کرسی سے اٹھ کر اس کے قریب آئی اور خنجر اس کی نظروں کے سامنے سے گزارا زوہیب کی آنکھیں خوف کے باعث سرخ ہو چکی تھیں اس سے پہلے کہ زوہیب مجھے مت مارنا مجھے معاف کر دو کی التجا کرتا کرن نے خنجر اس کے پیٹ میں گھونپ دیا

کیونکہ وہ اسے کسی التجا کا موقع دے دیتی تو اس کی محبت انگڑائی لے لیتی جو اس کی انتقام کی آگ کو کم کر سکتی تھی اس کا حوصلہ پست کر سکتی تھی اس کے ساتھ ہی زوہیب کے منہ سے ایک دل خراش آواز بلند ہوئی اور وہ زمین پر گر گیا لوگ متوجہ ہوئے اور بھاگ کر آواز کے تعاقب میں زوہیب کے کمرے میں داخل ہوئے تو آگے کا منظر دیکھ کر ہر شخص ہی حیرت کی دلدل میں دھنستا گیا

کمرے میں زوہیب کی خون سے لت پت لاش پڑی تھی۔ چونکہ اس کے علاوہ کمرے میں کوئی نہیں تھا کوئی شخص اندازہ نہیں لگا سکتا کہ یہ خودکشی ہے یا قتل اتنے میں عالیہ روتی چلاتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی اور اپنی قسمت پر ماتم کرنے لگی کیونکہ اس کے ایک امیر شخص کے ساتھ شادی اور ایک شاہانہ زندگی گزارنے کے تمام خواب زمین بوس ہو چکے تھے تمام لوگ کمرے سے چلے گئے اب کمرے میں صرف عالیہ تھی یا زوہیب کی لاش

کرن عالیہ کے سامنے آئی اور ایک ایسی لڑکی جو خوبصورت سفید لباس میں ملبوس اور شکل سے بھی قدرے حسین تھی جس کا کچھ پہلے وہاں پر نام و نشان بھی نہیں تھا وہ اچانک کمرے میں کہاں سے آ گئی عالیہ حیران ہو کر کھڑی ہوئی اس سے پہلے عالیہ کچھ کہتی کرن خود ہی بول پڑی۔

اچھا تو تم ہو جس کی وجہ سے اس مکار شخص نے مجھے چھوڑ، تمہارا حال بھی میں یہی کرتی جو اس کا کیا ہے اگر وہ سجاول تم سے پیار نہ کرتا ہوتا تمہیں نہ مارنے کی ریکویسٹ نہ کرتا ویسے تم بھی کتنی خودغرض ہو صرف آسائش کے لیے اور ایک ہائی کلاس کے لیے ایک مخلص محبت کرنے والے کو چھوڑ دیا اگر پیسہ سب کچھ ہوتا تو میری زندگی برباد نہ ہوتی لیکن جو میں نے سبق سیکھا ہے نا تو محبت ہوتی ہے سب کچھ اور یہ پیسہ امیری سب کھوکھلی چیزیں ہیں سجاول اب تمہیں کبھی لینے نہیں آئے گا مگر تمہارے انتظار میں اس کی آنکھیں اب بھی ہیں ہو سکے تو اسکا ہاتھ تھام لو شاید وہ تمہیں اتنی آسائش نہ دے سکے مگر کبھی دھوکہ نہیں دے گا

اس کے ساتھ ہی کرن وہاں سے غائب ہو گئی عالیہ وہاں سے اٹھی اور اپنے گھر کی طرف چل دی جاتے وقت کرن زوہیب کے کمرے میں ایک خط چھوڑ گئی تھی جس پر لکھا تھا کہ اس کا قتل اس نے خود کیا تھا پرانی دشمنی کی بنا پر اور اسے ڈھونڈنے کی بھی ضرورت نہیں اس کے زوہیب کے قتل کا زیادہ واشو نہیں بنا۔

تمام رات سجاول یونہی بیٹھا رہا وہ اپنے ماضی میں جاتا اور لگتا رہا جب سورج کی روشنی پھیلنے لگی تو اس نے ایک نئی صبح کا آغاز کیا اپنے آفس کی جانب روانہ ہو گیا اس کے گھر کا دروازہ کھلا تھا لیکن اس کا دھیان ہی نہیں گیا لیکن جب وہ کمرے میں داخل ہوا تو اسے کچھ عجیب سا محسوس ہوا ہر چیز درست طریقے سے پڑی تھی اور اس کے سامنے صوفے پر عالیہ بیٹھی تھی اس سے پہلے کہ سجاول کچھ کہتا عالیہ نے خود ہی بڑھ کر سجاول کا ہاتھ تھام لیا یہ واقعی سجاول کے لیے ایک نئی صبح تھی

حسن شہزادی فتح جنگ۔

لگتا ہے کچھ ہو گیا ہے۔ کچھ ایسا جو ہم نے کبھی امید نہ کی تھی۔

کیا مطلب۔ آمنہ نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

تم پانی میں اپنا منتر پڑھو۔ اور کچھ دیکھنے کی کوشش کرو۔ راج نے اس کو مشورہ دیا۔

ٹھیک ہے میں ابھی ایسا کرتی ہوں۔

آمنہ نے اٹھ کر ایک طرف جاتے ہوئے پانی کا ایک کٹورا لیا اور اس کو سامنے رکھ کر پڑھنے لگی اور پھر چند ہی لمحوں بعد پانی میں ایک بے ہوش چہرہ اس کو دکھائی دینے لگا۔ اس کی نظریں اس چہرے پر جم سی گئیں چہرہ آہستہ آہستہ واضح ہونے لگا۔ اور پھر جو کچھ اس نے دیکھا وہ چونک گئی۔ اس نے اپنا منتر روک دیا۔

راج۔۔ راج۔ وہ تقریباً چیختے ہوئے بولی۔ یہ دیکھو یہ تو ساحل ہے۔ جو ایک قبرستان میں بے ہوش پڑی ہوئی ہے۔ لگتا ہے کہ اس نے چلہ کرنے کی کوشش کی ہے اور اس میں وہ بری طرح ناکام رہی ہے۔ آمنہ نے راج کو جو جو محسوس کیا بتاتی چلی گئی۔ اور راج اس کی باتیں سنتا جا رہا تھا اس کو یقین نہیں ہو رہا تھا کہ ساحل کا چلہ ناکام ہو سکتا ہے وہ جانتا تھا کہ ساحل بہت بہادر لڑکی ہے اس نے بہت دنوں میں بہت کچھ دیکھ لیا تھا اسکے دل کو پڑھ لیا تھا اس کے جذبوں کو دیکھ لیا تھا

لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

ہاں راج میں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ ساحل کسی بہت بڑی مشکل میں پھنسنے والی ہے وہ بہادر ہے لیکن ایسے کاموں کے لیے بہت حوصلہ چاہیے ہوتا ہے کسی کی باتیں سن کر اس پر عمل کر لینا بہت حماقت والی ہوتی ہے میں جانتی ہوں کہ اس کے دل میں چلہ کرنے کے لیے جذبہ تھا وہ بھی چاہتی تھی کہ وہ بھی ہماری طرح بنے ہماری طرح جنات سے لڑے۔ لیکن ایسا نہ کر سکی ہمیں اس کی مدد کرنا ہوگی۔ ہمیں اس کو اس مصیبت سے نکالنا ہوگا ہمیں دیر نہیں کرنا چاہیے

ہاں۔ تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ ہمیں ساحل کی مدد کرنا چاہیے۔ یہ ایک مشکل کام تھا جو کرنا چاہ رہی تھی مجھے پتہ تھا کہ وہ اپنا چلہ میں کامیاب نہیں ہو سکے گی کیونکہ اس کام میں بہت کچھ سہنا پڑتا ہے بہت کچھ دیکھنا پڑتا ہے اور وہ ایسا کرنے کو بالکل تیار تھی۔ اس کے اندر ایک جنون تھا جسے وہ پورا کرنا چاہتی تھی۔ لیکن یہ سب کیسے ہو گیا ایسا کیا تھا کہ وہ بے ہوش ہو گئی ہے۔

ہاں راج میں اس کو اچھی طرح جانتی ہوں وہ کمزور لڑکی نہیں ہے بہت ہی بہادر ہے بہت ہی بہادر وہ بھی ہم جیسا بننا چاہتی ہے یہ اس کا جنون ہی نہیں بلکہ شوق ہے وہ چاہتی ہے کہ وہ بھی جنات پر قبضہ کرے۔ اور وہ ایسا کرنا چاہتی ہے اور ہم اس کے اس شوق کو ضرور پورا کریں گے آؤ اس کی مدد کو چلیں۔ آمنہ نے اٹھتے ہوئے کہا اور راج بھی اٹھ کھڑا ہوا اور پھر دونوں نے کچھ پڑھا اور ان دونوں کے پاؤں زمین سے اٹھنے لگے اور دونوں تیز ہوا میں اڑتے ہوئے اس قبرستان میں جا پہنچے جہاں ساحل بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ اور اس کے ساتھ ہی ایک قبر کھدی ہوئی تھی جس میں ایک کفن پوش مردہ موجود تھا۔ راج نے وہاں اترتے ہی تمام حالات کا جائزہ لیا آمنہ نے ساحل کو چیک کیا اس کی سانسیں چل رہی

تھیں دل کی دھڑکن تیزی سے چل رہی تھی۔ وہ تیزی سے اٹھی اور قبرستان میں ادھر ادھر گھومنے لگی تب اس کو ایک پانی کا نل دکھائی دیا اس نے وہاں سے پانی لیا اور ساحل کی طرف دوبارہ آئی وہ پانی اس نے اس کے چہرے پر پھینکا تو ساحل کا بے ہوش جسم حرکت میں آنے لگا۔ اس نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھول دیں۔

وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ مجھے مار دے گا۔ ساحل کی کانپتی ہوئی آواز قبرستان کے سناٹے میں گونجی۔

کوئی تم کو نہیں مارے گا ہم آگئے ہیں اور ہمارے ہوتے ہوئے کوئی بھی تم کو نقصان نہیں پہنچا سکتا لیکن بتاؤ کہ ہوا کیا تھا۔

ساحل نے ان کو تمام سٹوری سنا دی کہ کیسے اس قبر کا مردہ ان کی طرف سفید آنکھیں کھولے دیکھنے لگا تھا۔ یوں جیسے ابھی وہ قبر سے باہر نکلے گا اس کو مار ڈالے گا۔ چلہ میں نے مکمل کر لیا تھا بس اپنے اوپر پھونکنے والی تھی کہ یہ واقعہ رونما ہوا۔ چلہ کا مکمل ہونے کا سن کر ان دونوں کو سکون ملا ورنہ وہ سمجھ رہے تھے کہ کچھ بھی اس کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ انہوں نے اس کو تسلی دی اور کہا۔

اگر تمہارا چلہ پورا ہو گیا تھا تو پھر تم کو ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب تمہاری زندگی کو کوئی خطرہ نہیں ہے بس تم اپنے دل کو مضبوط رکھنا ایسے کاموں میں ایسی چیزیں سامنے آتی رہتی ہیں یہ کہتی کچھ بھی نہیں ہیں لیکن خوفزدہ کرتی ہیں اگر انسان ان کے خوف میں آ جاتا ہے تو تب یہ چھوڑتی نہیں ہیں اس کو مار کر دم لیتی ہیں۔ یہ دیکھو یہ قبر بھی بند ہے اور اس میں نظر آنے والا مردہ بھی مٹی میں دبا ہوا ہے۔ اس نے تم کو ڈرانے کی کوشش کی اور اس میں وہ کامیاب بھی ہوا لیکن یہ تمہارے لیے بہتری تھی کہ تم نے اپنا چلہ مکمل کر لیا تھا۔ ان کی باتیں سن کر ساحل نے ایک پرسکون سانس لی۔

تم دونوں بہت اچھے انسان ہو۔ تم لوگوں کو دیکھ کر ہی میں نے اپنے دل ایسے جذبوں کو پالا ہے میں بھی چاہتی ہوں کہ میں بھی تمہاری طرح بن جاؤں تمہاری طرح ہواؤں میں اڑوں اور جنات کا مقابلہ کروں ان سے لڑوں ان کا خاتمہ کروں۔ ساحل کی باتیں سن کر وہ دونوں ہنس پڑے۔

ہاں ساحل تم ایک نہ ایک دن کر لوگی ہم نے دیکھ لیا ہے کہ تمہارے اندر بہت جنون ہے اور جن کے دلوں میں جنون ہوتا ہے وہ ہر وہ کام کر گزرتے ہیں جو مشکل سے مشکل ہوتا ہے۔ تم اپنے چلے میں کامیاب ہو چکی ہو۔ اور اب ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے تم دیکھنا رات کو یہ مردہ تمہارا غلام بن کر تمہارے سامنے آئے گا۔

کیا کیا۔ آمنہ کی بات سن کر وہ خوشی سے چہک سی گئی۔

ہاں۔ وہ تمہیں مارنے کے لیے قبر سے باہر نہیں نکل رہا تھا بلکہ تمہیں کہنے والا تھا کہ اب میں تمہارا غلام ہوں جو کام کہو گی وہ میں کروں گا لیکن تم شاید ڈر گئی تھی۔

واقعی میں کامیاب ہو گئی ہوں اور یہ مردہ میرا غلام بن گیا ہے ساحل نے بے یقینی کی کیفیت میں کہا۔

ہاں۔ تم کامیاب ہو گئی ہے۔ اٹھو اب گھر چلو۔ آمنہ نے کہا اور وہ اٹھ گئی۔

آمنہ بہن۔ چلے کرنا بہت ہی مشکل کام ہے میں نے اپنے شوق کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کام کر تو لیا

ہے لیکن سوچتی ہوں کہ مجھے ایسا کام نہیں کرنا چاہیے تھا۔ مجھے ابھی تک اپنے زندہ ہونے کا یقین نہیں آ رہا ہے لیکن ہوں میں کیسے بچ گئی یہ بھی میرے لیے بہت اہم بات ہے یعنی مجھے دوبارہ زندگی ملی ہے میں نے موت کو بہت ہی قریب سے دیکھا ہے میں جانتی ہوں کہ میں نے خود کو کیسے سنبھالا تھا۔ ساحل کا جسم خوف سے ابھی تک برف بنا ہوا تھا اور دونوں اس کی طرف دیکھ بھی رہے تھے اور بس رہے تھے اس کی باتوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

ساحل بہن ایسے کاموں میں بہت سی مشکلات آتی ہیں جن کو سر کرنا پڑتا ہے اور تمہاری ہمت ہے کہ تم نے کامیابی حاصل کی۔ ورنہ ناکامی کی صورت میں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ آمنہ نے اس کی ہمت بندھاتے ہوئے کہا۔ میں نے بہت چھوٹی عمر میں یہ چلے والے کام کرنا شروع کیے تھے اس کے پیچھے میرا شوق بھی تھا اور مجبوری بھی تھی۔ اور یہ میں جانتی ہوں کہ میں کیسے اس میں کامیاب ہوئی تھی لیکن تم فکر نہ کرو تمہارے اندر بھی آج طاقتیں آ گئی ہیں تم نے بھی ایک کفن پوش مردہ کی طاقت اپنائی ہے اب تم کو ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس دیکھتی جاؤ اپنی کامیابی کو۔

ساحل کو ان کی باتیں سن کر یقین نہیں ہو رہا تھا کہ واقعی وہ کامیاب ہو گئی ہے لیکن یہ ایک حقیقت تھی وہ کامیاب ہوئی تھی اور ان کے ساتھ چل رہی تھی۔ پھر وہ چلتے چلتے قبرستان سے باہر نکل گئے۔

کمرے میں ایک بھیانک چیخ کی آواز سنائی دی یہ خوف میں ڈوبی ہوئی چیخ سحر کی تھی۔ اس کی چیخ کی آواز سن کر اس کے امی ابو جو اپنے کمرے میں آرام کی نیند سو رہے تھے کانپ اٹھے اور اٹھ کر اس کے کمرے کی طرف بھاگے اور اس کا دروازہ پیٹنے لگے۔ ان کے چہروں پر خوف تھا وہ جان گئے تھے کہ سحر ان کی بیٹی آج پھر ڈر گئی ہے۔ جب سے سحر سیر کر کے واپس گھر آئی تھی تب سے اس کو رات کو ڈراؤنے خواب دکھائی دے رہے تھے وہ ہر روز ہی ڈر جاتی تھی لیکن اس کے باوجود بھی وہ اپنے کمرے میں اکیلی ہی سوتی تھی لیکن آج جو چیخ اس کے کمرے سے گونجی تھی اس سے قبل ایسی آواز اس کے کمرے سے نہ گونجی تھی وہ ہر روز صرف اتنا بتاتی تھی کہ مجھے راتوں کو ڈر سے خوف آتا ہے لیکن آج تو ان کے منہ سے چیخ کی گونج سنائی دی تھی۔

بیٹی دروازہ کھولو بتاؤ کیا ہوا ہے تم کو تم کیوں چیخی ہو۔ ماں نے باہر سے ہی آواز دی۔ سحر نے جلدی سے بیڈ سے اٹھ کر دروازے کی بند کنڈی کو کھول دی اور اپنی ماما سے لپٹ گئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے وہ بلک بلک کر رونے لگی۔

کیا ہوا بیٹی۔ کیا ہوا ہے تم کو ماما نے سحر کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

ماما۔ وہ۔ وہ۔ وہ مجھے مار دے گا۔

کون۔ بیٹی کون تمہیں مار دے گا۔

وہ۔ ماما وہ۔۔ جو ہر روز میرے خوابوں میں آتا ہے میں نے اس کو دیکھا ہوا ہے وہ ظالم ویمپائر ہے۔ اس کی نظر اب مجھ پر لگ گئی ہے۔ وہ جس کسی کے پیچھے پڑ جاتا ہے اس کی جان لے کر ہی چھوڑتا

ہے مجھ سے پہلے اس نے میری دو تین ساتھیوں کو مار دیا ہے اور اب۔ اب وہ۔ ماما آج میں نے خواب نہیں دیکھا تھا اس کو حقیقت میں دیکھا تھا وہ میرے بیڈ کے پاس ہی کھڑا تھا اس کا حسین چہرہ بدلا ہوا تھا ایک سیاہ ہیولہ کا روپ دھارے وہ میرے بیڈ کے پاس کھڑا تھا۔ سحر باتیں کرتے کرتے رونے لگی۔ ماں بھی اس کی باتیں سن کر خوفزدہ ہو گئی۔ اسکو بھی کمرے سے خوف سا محسوس ہونے لگا وہ بار بار کمرے کی در و دیوار کو دیکھنے لگی۔ پھر سحر سے بولی۔

بیٹی تم کو میں نے کئی بار منع کیا تھا کہ تم اس جنگل میں نہ جاؤ لیکن تم نے میری ایک نہ سنی اب تم نے مجھے بھی پریشان کر دیا ہے۔ تم کچھ بھی نہیں جانتی ہو میں جانتی ہوں یہ جو آسیبی چیزیں ہوتی ہیں یہ کسی بھی حسین لڑکی کو دیکھ کر اس پر عاشق ہو جاتی ہیں اور پھر اس کو مار دیتی ہیں۔ تمہاری ضد کے آگے میں ہار گئی تھی کیونکہ تم بار بار ایک بات کی ضد کرتی جا رہی تھی کہ تمہاری دوستیں جا رہی ہیں اور تمہیں بھی جانا ہے میں نے روکنا چاہا لیکن روک نہ پائی۔ تمہارے جانے کے بعد میں تمہارے لیے دعا میں کرتی رہی کہ خدا تم کو خیریت سے گھر لائے لیکن شاید میری دعا قبول نہ ہو سکی تھی۔ پتہ نہیں وہ سایہ کس کس کو اپنے جال میں پھنسائے گا۔ پھر وہ اپنے خاوند سے مخاطب ہوئی۔

سحر کے پاپا صبح ہوتے ہی میری بچی کو کسی عامل کے پاس لے جانا میں اس کی حالت دیکھ کر کانپ جاتی ہوں کتنی پیاری ہوتی تھی اور جب سے یہ آئی ہے میں نے اس کے لبوں پر مسکراہٹ نہیں دیکھی ہے ڈری ڈری رہتی ہے ایسے لگتا ہے کہ جیسے کسی کا اس کو خوف ہے اور ایسا خوف جو اس کی جان نہیں چھوڑتا ہے۔

ٹھیک ہے میں صبح ہی اس کو کہیں لے کر جاؤں گا۔ اسی شہر میں ایک بہت پہنچے ہوئے بزرگ ہیں میں ان کے پاس لے کر جاؤں گا۔ اس کو کئی بار کہا ہے کہ ہمارے پاس ہی سویا کرے لیکن یہ اپنی ضد پر اڑی ہوئی ہے۔ تم اس کے پاس ہی سو جاؤ۔ باپ نے کہا۔

ماں کی بات سن کر سحر اپنی پہلی یا نئی زندگی کی داستان سامنے آ گئی۔ وہ سایہ اس پر بھی عاشق ہوا تھا اور پھر اس کے جو جو بیتی وہ بھی جانتی تھی اس کی وجہ سے ہی ہم سب پر ایک قیامت بیتی تھی کہ۔ سحر کانپ کر رہ گئی اور پھر ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔ اس کو کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے کیا نہ کرے۔ کیونکہ وہ جان چکی تھی کہ اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔

ماما۔ وہ یکدم کچھ سوچتے سوچتے بولی۔

ہاں بیٹی بولو۔

علی نہیں آیا ہے۔

صبح آنے کا۔ اس کی رات کو فون آیا تھا وہ بھی آج کل پریشان رہتا ہے۔ وہ بھی بتا رہا تھا کہ اس کے ساتھ بھی کچھ ایسے واقعات پیش رہے ہیں جو اس سے قبل کبھی نہیں بیتے تھے۔ لیکن بیٹی حیرت والی بات تو یہ ہے کہ تم کہہ رہی تھی کہ وہ آج تمہارے خواب میں نہیں آیا ہے حقیقت میں آیا ہے۔

ہاں ماما ایسا ہی ہوا ہے۔ میں نے اس کو اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ وہ میرے بیڈ کے پاس ہی

کھڑا تھا اس کے دو سیاہ ہاتھ میری گردن کی طرف بڑھ رہے تھے میری آنکھ کھلی تو وہ میرے سامنے تھا سحر نے ایک بار پھر ڈرے لہجے میں کہا۔

چل تو سو جا میں تیری حفاظت کرتی ہوں دیکھتی ہوں کہ وہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے اگر مجھے دکھائی دیا تو میں اس سے تیری زندگی کی بھیک مانگوں گی ماں نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ اور سحر بھی ماما کی بات سن کر پریشان سی ہو گئی لیکن چپ رہی اس نے زبان سے کچھ بھی نہ کہا۔ اور پھر باقی رات کا حصہ ایسے ہی بیت گیا اس کی ماں اس کے پاس ہی لیٹ گئی تھی اور پھر کب دونوں کو نیند آ گئی تھی دونوں ہی نہیں جانتی تھیں صبح سحر کی آنکھ اس وقت کھلی۔ جب کوئی دروازے کو زور زور سے پیٹ رہا تھا۔ وہ سمجھ گئی کہ علی ہی ہوگا کیونکہ ایسے دروازے کو وہ ہی پیٹتا تھا۔ وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکلی اور جا کر دروازہ کھول دیا سامنے علی ہی تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا نظریں چار ہوئیں لیکن علی کو سحر کی نظروں میں خوف دکھائی دیا۔

ارے پگلی تم کو کیا ہو گیا ہے تم اتنی خوفزدہ کیوں ہو۔ علی نے سحر کی حالت دیکھتے ہی پوچھا جو خوفزدہ کھڑی اس کو اور ادھر ادھر گھور رہی تھی۔

میں نے کچھ پوچھا ہے۔ علی نے اسے جیسے جھنجھوڑا۔

وہ۔ وہ کچھ نہیں۔ تم اندر آؤ اس نے دروازے سے ایک طرف ہٹتے ہوئے کہا۔

اندر تو میں آ جاؤں گا۔ لیکن بتاؤ تو سہی۔ ہوا کیا ہے تمہیں تمہارا چہرہ کیوں اترا ہوا ہے۔

علی۔ وہ خود کو سنبھالتے ہوئے بولی۔

ہاں ہاں بولو کیا ہوا ہے تمہیں اور تمہارا چہرہ بتاتا ہے کہ تم ابھی رو کر آئی ہوں۔

ہاں رو رہی ہوں اور بہت زیادہ رو رہی ہوں علی وہ مجھے مار دے گا۔

کون مار دے گا تم کو۔

وہ۔ وہ علی۔ تم بانیہ کی زندگی کے بارے میں جانتے ہی ہو ناں۔

ہاں۔ لیکن یہ تم نے بانیہ کا قصہ کیوں چھیڑ دیا ہے اپنے بارے میں بتاؤ۔

اپنے بارے میں ہی بتانے لگی ہوں لیکن بانیہ کا قصہ ضروری ہے۔ جس طرح وہ سایہ اس کے خوابوں میں آ کر اس کو پریشان کرتا تھا پھر وہ حقیقت میں اس کے سامنے آنے لگا تھا بالکل اسی طرح وہ کئی دنوں سے میرے خوابوں میں آ رہا ہے۔ اور آج وہ خواب میں نہیں آیا تھا حقیقت میں آیا تھا میں نے اس کو اپنے کمرے میں اپنے بیڈ کے پاس دیکھا ہے۔

کیا کیا۔ علی اس کی بات سن کر پریشان ہو گیا۔ اتنی دیر اس کی ماما بھی آ گئی۔

آنٹی سنا آپ نے یہ کیا کہہ رہی ہے۔

کیا کہہ رہی ہے۔ ماں نے پریشان ہو کر کہا۔ کیونکہ وہ سمجھ رہی تھی کہ ہو سکتا ہے کہ سحر نے کوئی ایسی بات علی کو بتا دی ہو جو اس نے مجھے نہ بتائی ہو۔

آنٹی وہ سایہ اس کے خوابوں سے نکل کر حقیقت میں اسے دکھائی دینے لگا ہے۔

ہاں۔ ماں نے ایک گہری سانس لی۔ ہاں مجھے بھی اس نے یہی کچھ بتایا ہے۔ میں خود اس کی وجہ سے فکرمند ہوں اس کے پاپا کو کہا ہے وہ آج جائیں گے کسی بزرگ کے پاس۔

آنٹی ان وقت جانے کی ضرورت نہیں ہے ہم ایک بزرگ کو جانتے ہیں وہ بہت ہی پہنچے ہوئے بزرگ ہیں انہوں نے پہلے بھی ہماری مدد کی تھی۔ آپ فکر نہ کریں میں اسے ٹھیک کر دوں گا۔ حمی نے آنٹی کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

ٹھیک ہے بیٹا اس کے پاپا سے بات کر لو جیسے وہ کہیں ویسا ہی کر لینا۔

ٹھیک ہے۔ پھر وہ اس کے پاپا سے ملا تو اس بزرگ کے بارے میں بتایا اور کہا کہ میں خود اس کو لے کر جاتا ہوں۔ وہ مان گئے اور یوں وہ بزرگ کے پاس جانے کے لیے تیار ہو گئے۔

تم کیا سمجھتی ہو کہ تم میرے ہاتھوں سے بچ جاؤ گی۔ سحر کو اپنے کمرے میں اسی سائے کی آواز سنائی دی اس نے اپنی آنکھیں کھول لیں۔ اور سامنے کا منظر دیکھ کر وہ کانپ کر رہ گئی وہ سایہ اس کے بیڈ کے پاس ہی کھڑا تھا، وہ چیخنا چاہتی تھی لیکن خوف کی وجہ سے چیخ نہ پائی۔ اس کی سانس جیسے حلق میں ہی پھنس کر رہ گئی۔ اگر تم بزرگ سے تعویذ لے آتی تو شاید تم کو مارنے کے لیے مجھے کتنے دنوں تک انتظار کرنا پڑتا۔ یہ تو اچھا ہوا ہے کہ وہ بزرگ تم کو ملے نہیں۔ مجھے ایک خون کی ضرورت ہے کئی دنوں سے مجھے کسی کا خون پینے کو نہیں ملا ہے۔ اور میری نظر میں تم پر ہے کیونکہ مجھے میرے چیلے سے پتہ چلا تھا کہ تمہارا خون ہی میرے لیے اہم ہے۔

نہیں نہیں تم مجھے مار نہیں سکتے ہو۔ سحر نے ڈرے ہوئے انداز میں کانپتے ہوئے کہا۔

ہاہاہا۔ ہاہاہا۔ اس کے منہ سے ایک بھیانک قہقہہ بلند ہوا تمہیں ہی تو مارنا ہے مجھے۔ تیرا ہی خون تو مجھے چاہیے۔ بھلا تم مجھ سے کیسے بچ سکتی ہو۔ اتنا کہہ کر وہ سحر کے قریب ہونے لگا سحر نے اٹھ کر بھاگنا چاہا لیکن ناکام رہی۔ اس نے اس کی گردن سے مضبوطی سے پکڑ لیا تھا اور پھر اس نے اپنے زہریلے دانت اس کی گردن میں رکھ دیئے۔ سحر پوری طرح تڑپی اور پھر دھیرے دھیرے وہ اس کے ہاتھوں میں ٹھنڈی ہوتی چلی گئی۔

رانی۔ آمنہ نے یکدم کانپتے ہوئے کہا۔

کیا ہوا کیا ہوا۔ رانی آمنہ کی بات سن کر ایک دم اٹھ بیٹھا۔

وہ دیکھو اس آندھی چل رہی ہے۔ پورا آسمان لال ہو گیا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ جیسے کسی بے گناہ کا قتل ہو گیا ہے۔ آمنہ نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ رانی نے بھی آسمان کی طرف دیکھا تو وہ بھی دیکھتی ہی رہ گیا۔ اتنے میں وہ لال آندھی جو آسمان پر چھائی ہوئی تھی اور چاروں طرف اپنے ساتھ گرد لیے آ رہی تھی ان کے پاس پہنچ گئی۔ اور اس میں ایک ہیولہ ان کو دکھائی دیا یہ ہیولہ اسی کا تھا۔ ہاں ان کے دشمن کا ہیولہ۔ اس کے کندھے پر ایک لٹکا ہوا ایک مردہ جسم تھا جس کی گردن کٹی ہوئی

تھی اس کے کپڑے خون سے تر ہو رہے تھے۔ اس کے بازو جھول رہے تھے۔ بال نیچے کو لٹک رہے تھے وہ دونوں اس ہیولے کو دیکھ کر ڈر گئے۔

ہاہاہا۔ ہاہاہا۔ تم نے ٹھیک اندازہ لگایا ہے کہ کس بے گناہ کا قتل ہوا ہے اور وہ میں نے کیا ہے تمہاری ایک ساتھی کو میں نے قتل کر دیا ہے اس کو خون پی گر آیا ہوں اور اس کا گوشت کھاؤں گا اس نے سحر کے مردہ جسم کو ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ اب مجھ سے کوئی بھی نہیں بچ سکے گا تم لوگوں کی وجہ سے میں نے کئی ماہ بہت کرب میں گزارے ہیں تم لوگ اپنی طاقتیں بڑھاتے رہے ہو تو میں بھی اپنی طاقتیں بڑھاتا رہا ہوں اب دیکھتا ہوں کہ جیت کس کی ہوتی ہے۔ ایک ایک کر کے میں تم سب کو مار ڈالوں گا کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا جس طرح سحر کا حال کیا ہے اسی طرح تم سب کا بھی کروں گا۔ یہ دیکھو یہ بھی کل تو تمہاری طرح زندہ تھی لیکن آج۔ ہاہاہا۔ ہاہاہا۔ اس کا خون میری رگوں میں اتر چکا ہے اور اب اس کا گوشت بھی میرے پیٹ میں جائے گا بس اس کے بعد اس کا نام ونشان ختم ہو جائے گا کہ کبھی آپ کی سحر بھی دنیا میں آئی تھی اور ایسا ہی حال آپ لوگوں کا کروں گا۔ اب تمہارا کوئی بھی عمل کوئی بھی چلہ مجھے کچھ بھی نہ کہہ سکے گا کیونکہ جو چلہ میں کر چکا ہوں وہ تمہارے تمام چلوں پر بھاری ہے۔ یقین نہیں آتا تو ایک جھلک دکھاتا ہوں اتنا کہہ کر اس ہیولہ نے منہ میں کچھ پڑھ کر آمنہ پر پھونک ماری تو آمنہ کو ایک جھٹکا سا لگا اور وہ مدہوشی کے عالم میں ایسے اس کی طرف جانے لگی جیسے وہ اس کی فرمانبردار ہو۔ جیسے وہ اس کے اشارے کی محتاج ہو۔ راج یہ سب دیکھ کر حیرت میں ڈوبتا چلا گیا۔ وہ اٹھا اور تیزی سے آمنہ کی طرف بھاگا اور اس کو چھوا آمنہ یہ کیا کر رہی ہو۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اس کا ہاتھ راج کے منہ پر اپنے گہرے نشان چھوڑ گیا۔ وہ اپنی گال پر ہاتھ اس کو دیکھتا رہ گیا۔

ہاہاہا۔ ہاہاہا۔ دیکھ لیا۔ ہاں دیکھ لیا تم نے کہ کتنی طاقت ہے مجھ میں ایک لمحہ میں میں اس کو اٹھا کر کہیں بھی لے جا سکتا ہوں لیکن میں ایسا کروں گا نہیں۔ کیونکہ آج کی خوراک میں نے حاصل کر لی ہے۔ اس کی باری بھی آ جائے گی اور تمہاری بھی آ جائے گی۔ اتنا کہہ کر اس نے سحر کی لاش کو اٹھایا اور ایک طرف چلنے لگا اور چلتے چلتے وہ اندھیرے میں ہی کہیں غائب ہو گیا۔ آمنہ تو اس کے سحر میں ڈوب چکی تھی اس کے جاتے ہی وہ دوبارہ ہوش میں آ گئی اور راج کی طرف بھاگی۔

راج راج یہ مجھے کیا ہو گیا تھا مجھے نہیں پتہ کہ میں کیا کر رہی ہوں میرے ہوش قائم تھے میں محسوس کر رہی تھی کہ میں اس کی طرف بڑھ رہی ہوں اور میرا ہاتھ تم پر بھی اٹھ گیا تھا یہ میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا تھا بس مجھ سے انجانے میں ہو گیا تھا۔

وہ بولتی جا رہی تھی جبکہ راج سنتا جا رہا تھا اس کو اپنے لگے ہوئے تھپڑ سے غرض نہ تھی وہ سوچ رہا تھا کہ وہ ہیولہ اپنے ساتھ کیسی طاقت کو لایا ہے جو لمحوں منٹوں میں ہی اتنا کچھ کر گیا ہے ایک لمحہ میں اس نے آمنہ کو اپنی طرف مائل کر لیا۔ اس کو مدہوش کر کے نہ مجھ سے دور کر دیا بلکہ میرا دشمن بنا دیا۔ کئی سوال اس کے دل میں اپنے گہرے اثرات چھوڑ چکے تھے۔

ہاہاہا۔ میں بھی کتنی پاگل ہوں اپنی حاصل کی ہوئی طاقت ہی میں ڈر گئی تھی۔ اور اپنے ہوش کھوگئی تھی۔ ساحل اکیلی بیٹھی ہوئی اپنی حماقت پر مسکرا رہی تھی اس کو یقین نہیں ہو رہا تھا کہ وہ کامیاب ہوگئی ہے اور اس نے وہ طاقت اپنالی ہے جو اس نے چاہی تھی۔ پھر بھی میں ڈر گئی۔ ہاہاہا۔ وہ ایک بار پھر ہنس دی۔ اور پھر خود ہی بولی آج میں قبرستان جاؤں گی۔ اس مردے کے پاس اس کو حکم دوں گی کہ وہ مجھے ہوا میں اڑائے۔ جو جو میں نے خواب دیکھے ہیں وہ پورے کرنے ہیں میرا خواب ہواؤں میں اڑنا ہے اور وہ میں کروں گی اب وقت آگیا ہے کہ میں لوگوں کی نظروں سے روپوش ہوسکوں ہوا میں اڑوں اور میرے اشارے پر ہر کام ہو جائے بس۔ ساحل اپنے دل کے تمام پلان سوچ سوچ کر خوش ہو رہی تھی۔ اسے رات ہونے کا انتظار تھا اور ابھی کافی وقت پڑا تھا رات ہونے میں یہ وقت اس کے لیے اذیت بنتا جا رہا تھا۔ ایک ایک لمحہ اس کو صدیوں کے برابر معلوم ہو رہا تھا لیکن وقت کا کام گزرنا ہوتا ہے وہ گزرتا جا رہا تھا اور پھر شام سے رات ہوگئی وہ کالی چادر اوڑھے گھر سے باہر نکل گئی اس کا رخ قبرستان کی طرف تھا۔ اسی قبرستان کی طرف جہاں اس نے چلہ کیا تھا۔ اپنے چاروں طرف دیکھتی ہوئی وہ تیزی کے ساتھ قبرستان کی جانب بڑھتی جا رہی تھی۔ اور پھر وہ اپنی مخصوص قبر کے پاس جا پہنچی اس نے ایک نظر قبر پر ڈالی قبرستان کی خاموشی نے اس کے دل کو خوفزدہ تو کیا لیکن پھر وہ سنبھل گئی۔ اس کی تمام توجہ قبر پر تھی۔ جس میں ایک سفید کفن پوش مردہ لیٹا ہوا تھا۔ وہ اس قبر کو گہری نظروں سے دیکھ رہی تھی پھر اس نے اپنا ورد پڑھنا شروع کر دیا۔ اور کچھ ہی دیر میں قبر کی مٹی ہلنے لگی اس کی نظریں اس قبر پر ٹکی ہوئی تھیں۔ پہلے آہستہ آہستہ پھر مٹی اڑنے کا عمل تیزی سے شروع ہو گیا مٹی ایسے اڑنے لگی جیسے کوئی تیز آندھی چلنے لگی تھی وہ حیران ہو رہی تھی کہ یہ کیا ماجرا ہو گیا ہے اتنا تیز طوفان لیکن یہ طوفان صرف قبر کی حد تک تھا اس کی اڑتی ہوئی مٹی ایک طوفان کا روپ اپنائے ہوئی تھی۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے قبر خالی ہوگئی اس میں سفید کفن اس کو واضح دکھائی دینے لگا دل اچھلنے لگا وہ کوشش کرنے لگی خوف کی نئی پرچھائیاں اس کے جسم کو چھوتے ہوئے گزرنے جانے لگیں لیکن آج اس نے ثابت قدم رہنے کی ٹھان لی تھی۔ اس نے دل میں پختہ فیصلہ کر رکھا تھا کہ کچھ بھی ہو جائے اس نے آج اس مردے کو اپنا غلام بنانا ہے اور اس سے ہر وہ کام کروانا ہے جو اس کے دل میں ہے۔ اس کی تمام توجہ اس سفید کفن پر تھیں اور کفن بھی تیز ہواؤں کے دوش اڑنے لگا اس میں موجود مردے کا وجود پھڑ پھڑانے لگا کفن اس کے منہ سے ہٹ گیا وہ سفید آنکھیں ہاں چمکتی ہوئی سفید آنکھیں بے نور آنکھیں اس کو تکتی ہوئی دکھائی دینے لگیں اس کے خوف کے تمام بندھن ٹوٹ گئے برداشت ختم ہوگئی وہی خوف اس کے سر پر سوار ہو گیا اور وہ چمکتی ہوئی سفید آنکھوں کو نہ دیکھ پائی اس سے قبل کہ وہ بے ہوش ہو جاتی۔ اس کو آواز سنائی دی بیٹی ہمت سے کام لو کل کی طرح آج بھی موقع ہاتھ سے نہ جانے دو یہ تم کو کچھ بھی نہیں کہے گا بلکہ تمہارے حکم کا پابند ہوگا خود کو سنبھالو یہ اب عام مردہ نہیں رہا ہے اس میں تمہارے ورد کی طاقت آچکی ہے یہ دوسرے مردوں سے ہٹ کر ہو چکا ہے۔ بس ثابت قدم رہو

آواز اسی بزرگ کی تھی جس نے اس کو ورد پڑھنے کے لیے دیا تھا۔ آواز سنتے ہی وہ سنبھل گئی اور پھر مردے کی چمکتی ہوئی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے لگی اور مردے کے ہاتھ حرکت کرنے لگے اس کا جسم کانپتے ہوئے ہلنے لگا۔ وہ ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھ کر بیٹھ گیا اور اپنی سفید آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا۔ کافی دیر تک وہ ایسے ہی اس کو دیکھتا رہا۔ ساحل نے اپنی آنکھوں کو کچھ دیر کے لیے بند کر لیا ڈر اس کے دل میں ایک بار پھر ابھر آیا تھا وہ ثابت قدم رہنا چاہتی تھی۔ جس میں وہ کامیاب ہو گئی۔ مردہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

آپ نے مجھے کیوں نیند سے بیدار کیا ہے۔ مردے کے لب ہلے اور اس میں سے اڑتے ہوئے الفاظ ساحل کے کانوں سے ٹکرائے۔

مجھے آپ سے کچھ کام تھا۔ ساحل گویا ہوئی۔

ہاں بولو کیا کام ہے۔

میں چاہتی ہوں کہ تم وہی کچھ کرو جو میں کہوں۔

ٹھیک ہے۔ میں ایسا ہی کروں گا۔ اور کچھ۔

ساحل یہ سن کر خوش ہوئی اور بولی۔ مجھے ہواؤں میں اڑنے کا بہت شوق ہے میں چاہتی ہوں کہ میرا یہ شوق پورا کیا جائے۔

جیسے آپ کا حکم مردے نے کہا اور پھر ایک جھٹکا اس کو لگا اسے اپنے پاؤں زمین سے اٹھتے ہوئے محسوس ہوئے پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ ہواؤں میں اڑنے لگی اور لمحوں میں وہ اس جگہ جا پہنچی جہاں راج اور آمنہ موجود تھے۔ مردے نے اس کو وہاں جا اتارا۔ ساحل کو ہوا میں اڑتا ہوا دیکھ کر راج اور آمنہ دھنگ سے رہ گئے۔ کیونکہ اس کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا وہ اکیلی تھی۔ لیکن یہ ساحل جانتی تھی کہ وہ اکیلی نہیں ہے بلکہ وہ سفید پوش کفن والا اس کو اٹھائے ہوئے اڑاتا لایا ہے۔ ساحل ان کو دیکھ کر مسکرا دی اور بولی۔

آمنہ۔ اور راج بھائی دیکھو میں نے اپنی منزل پالی ہے۔ میں نے جو چاہا حاصل کر لیا ہے۔ میں بھی آپ لوگوں کی طرح ہو گئی ہوں۔ وہ فخر سے بتاتی جا رہی تھی لیکن ان کے چہرے مرجھائے ہوئے تھے ان کی آنکھیں خوف سے پھیلی ہوئی تھیں وہ ان کی یہ حالت دیکھ کر ان کے پاس ہی بیٹھ گئی اور مردے سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ آپ جاؤ میں جب بلاؤں تو آ جانا۔ مردہ اس کی بات سن کر غائب ہو گیا تب وہ ان سے بولی۔ کیوں خیریت تو ہے آپ کو میری کامیابی پر خوشی نہیں ہوئی ہے۔ اس کی بات سن کر راج اور آمنہ نے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔

خوشی۔۔ ہاں بہت خوشی ہوئی ہے۔ لیکن شاید آپ کو یہ منزل اور ہمیں یہ خوشی زیادہ دن راس نہ آئے۔ اور جلد ہی وہ کچھ ہو جائے جو ہم نے کبھی سوچا بھی نہ ہو۔

کیا مطلب ہے آپ کا۔ ساحل نے دعا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

مطلب یہ ہے کہ سحر کا قتل ہو گیا ہے اور اس سانپ نے اس کو مارا ہے جو ہم سب کا دشمن ہے اس

نے اس کا خون چوس لیا ہے اور اس کی لاش کا گوشت کھانا چاہتا ہے شاید کھا چکا ہوگا۔ اس نے بہت بڑی طاقت اپنائی ہے۔ میں نے اپنے حساب میں اس کی طاقتوں کو جاننے کی کوشش کی ہے بہت بڑی طاقت اس کے پاس موجود ہے اس کے سامنے ہم کچھ بھی نہیں ہیں۔

ساحل ان کی باتیں سن کر رو دی تھی سحر اس کی نظروں سامنے آگئی تھی اس کو یقین نہیں آرہا تھا کہ اس کی دوست اس کی سہیلی اس دنیا کو چھوڑ چکی ہے اتنی جلدی یہ سب ہوگیا۔ اور اس کو پتہ بھی نہ چلا۔ کافی دیر تک وہ روتی رہی۔ پھر بولی۔

کیا واقعی سحر مرگئی ہے مجھے یقین نہیں آرہا ہے۔

ہاں وہ مرگئی ہے ہم میں نہیں رہی ہے۔ وہ پھر رودی۔

وہ تو مرگئی اس ظالم نے اس کو مار ہی دیا اب ہمیں اپنی فکر کرنا چاہیے۔ اس نے صاف کہہ دیا ہے کہ اب ہماری باری ہے مجھے موت سے ڈر نہیں لگ رہا ہے بلکہ اس بات سے ڈر لگ رہا ہے کہ ہمارے بعد نجانے وہ کتنے انسانوں کا خون کرے گا کس کس کے خواب میں آکر اس کی زندگی کو نگل لے گا۔ وہ خونی ہے انسانی خون کا پیاسا ہے۔

آمنہ کی بات سن کر راج نے ایک گہری سانس لی اور بولا۔ غلطی ہماری ہے ہم نے اپنی طاقتوں پر ذرا بھی دھیان نہیں دیا تھا ہم سمجھ رہے تھے کہ ہمارے پاس بہت بڑی طاقتیں ہیں کوئی ہمیں مار نہیں سکتا ہے لیکن اس نے چپکے سے وہ کچھ حاصل کرلیا جو شاید ہم نے سوچا بھی نہیں تھا۔

راج۔ آمنہ راج کی بات سننے کے بعد بولی۔ ہمیں باباجی کے پاس چلنا چاہیے ان کو تمام حقیقت بتانا چاہیے ہوسکتا ہے کہ وہ کچھ کرسکیں۔ میں نہیں چاہتی کہ ہمارے مرنے کے بعد وہ اور لڑکیوں کی زندگیوں سے کھیلے۔ ہمیں کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا کوئی ایسا کام جس سے آنے والی نسلیں محفوظ رہ سکیں۔

آمنہ کی بات سن کر راج کے دل کو ایک جھٹکا سا لگا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

ہاں آمنہ تم نے یہ بات ٹھیک کہی ہے ہمیں فوری طور پر کچھ کرنا چاہیے ورنہ وہ کچھ بھی کرسکتا ہے آؤ ابھی ان بزرگ کے پاس چلتے ہیں۔

ہاں آؤ۔ آمنہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اور ساتھ ہی ساحل بھی اٹھ گئی۔ اور پھر وہ تینوں ہی ہوا میں اڑنے لگے لمحوں میں وہ ایک ویرانے سے انجان شہر میں آگئے اور ان کا رخ بزرگ بابا کا ڈیرہ تھا۔ جہاں وہ جلد ہی جا پہنچے۔ بزرگ سوئے نہیں تھے وہ اپنی عبادت میں مگن تھے۔ وہ تینوں ہی ایک دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ جب تک وہ اپنی عبادات میں مگن رہے یہ خاموشی سے بیٹھے رہے وہ پوری تسلی کے ساتھ جب فارغ ہوئے تو ان کی نظر ان پر پڑی۔ ان کے افسردہ چہروں کو دیکھ کر وہ سب کچھ سمجھ گئے لیکن اس کے باوجود بھی انہوں نے پوچھ لیا۔

لگتا ہے کوئی بہت بڑی پریشانی ہے تم لوگوں کو۔

جی باباجی بہت بڑی مشکل میں پڑے ہوئے ہیں اور پھر انہوں نے اپنی تمام کہانی ان کو سنادی۔ اس میں سحر کی موت کا ذکر بھی کیا اور جو کچھ اس نے انہیں کہا سب کچھ کہہ دیا۔ باباجی نے غور سے

ان کی باتیں سنیں اور بولے۔
ہاں اس نے واقعی بہت بڑی طاقت اپنالی ہے لیکن اتنی بھی بڑی نہیں کہ وہ ہم پر اپنا وار چلا سکے تم لوگ بے فکر رہو میں جب تک زندہ ہوں وہ کچھ بھی نہیں کر سکے گا رہی بات سحر کی وہ اس تک کیسے پہنچا یہ میں نے دیکھ نہیں تھا کیونکہ سحر میرے پاس دوبارہ آئی نہ تھی اگر وہ آجاتی تو میں اس کا بھی کوئی حل نکال لیتا۔ بحرحال تم لوگ بے فکر رہو میں آج رات کو ایک رات کا چلہ کرتا ہوں اور پھر معلوم کرتا ہوں کہ اس کو کیسے قابو میں کیا جا سکتا ہے۔
ٹھیک ہے بابا جی۔ راج نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔ ہم کل پھر آپ کے پاس آئیں گے۔
ہاں جاؤ۔ اب رات کافی ہو رہی ہے مجھے ابھی سے چلہ شروع کرنا ہے۔ اتنا کہہ کر بابا جی نے ان تینوں کو الوداع کیا اور خود جائے نماز پر بیٹھ گئے۔ وہ تینوں حجرے سے باہر نکل آئے ایک بار پھر وہ اڑنے لگے اب کی بار وہ اس جگہ پر نہ گئے تھے جہاں سے آئے تھے بلکہ شہر کے قریبی قبرستان میں چلے گئے جہاں ساحل نے چلہ کیا تھا۔ وہ اس قبرستان میں جا اترے اور ساحل ان کو اسی قبر پر لے گئی جہاں اس نے چلہ کر کے اس مردے کو اپنے قبضے میں کیا تھا۔ اس نے اس مردے سے متعلق بتایا کہ وہ نہ تو جوان ہے اور نہ ہی بوڑھا ہے بلکہ ادھیڑ عمر کا ہے۔ سر کے آدھے بال کانوں پر سفید ہیں اور باقی سب کالے ہیں۔ چہرے پر ہلکی سی داڑھی ہے۔ دیکھنے میں کسی اچھے خاندان کا ہے۔ کیونکہ اس کی رنگت سفید ہے۔ وہ دونوں اس کی باتیں سنتے رہے۔ لیکن ان کا دھیان اس کی باتوں کی طرف نہ تھا بلکہ بزرگ کے بارے میں تھا کہ نجانے وہ بزرگ کل کو کیا جواب دیتے ہیں لیکن انہوں نے تسلی تو بہت دی ہے کہ وہ اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں اس کے پاس جتنی مرضی طاقت ہو ان سے بڑی نہیں ہے۔ اس کے پاس شیطانی طاقت ہوں جبکہ بزرگ کے پاس نورانی طاقت ہے۔ اور ہمیشہ نورانی طاقتوں کا شیطانی طاقتوں پر غلبہ ہوتا ہے۔ اور انشاء اللہ بابا جی کامیاب ہوں گے۔
کیا سوچ رہے ہو راج۔ آمنہ نے راج کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔
کچھ نہیں بس بابا جی کی باتوں کا سوچ رہا تھا۔
جو بھی ہوگا اچھا ہوگا زیادہ نہ سوچو۔ ہمیں بھی اب کوئی نہ کوئی چلہ کرنا چاہیے۔ ہم تو جہاں تھے وہاں ہی رکے ہوئے ہیں۔
ہاں آمنہ تم ٹھیک کہتی ہو۔ ہم نے کبھی بھی آگے بڑھنے کا سوچا تک نہیں ہے کیوں ناں میں بھی آج سے چلہ شروع کر دوں۔
ہاں ہاں یہ بات ٹھیک ہے آپ نے آپ کو ایسا ہی کرنا چاہیے آپ کے پاس کافی ورد ہیں جو آپ نے ابھی تک نہیں کیے ہیں۔ آپ کریں میں اس کام میں آپ کا ساتھ دیتی ہوں آپ کی حفاظت کروں گی رات بھر آپ کے لیے پہرہ دوں گی۔ آمنہ نے راج کی طرف گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ تو راج مسکرا دیا اور بولا۔
ٹھیک ہے میں ابھی سے شروع کر دیتا ہوں۔ تم دونوں گپ شپ لگاؤ۔ اتنا کہہ کر وہ قبرستان میں

ٹلتے ہوئے ایک نلکے سے وضو کرنے چلا گیا اور یہ دونوں آپس میں باتیں کرنے لگیں۔

آمنہ ایک بات پوچھوں مائنڈ تو نہیں کرو گی۔

نہیں نہیں کرو بات جو بھی کرنا چاہتی ہو۔ آمنہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میں نے آج تمہاری آنکھوں میں راج کے لیے بہت کچھ دیکھا ہے۔

کیا۔۔ کیا مطلب ہے آپ کا۔ آمنہ چونکتے ہوئے بولی۔

ساحل مسکرا دی اور بولی۔ مطلب تم سمجھ گئی ہو گی۔

کھل کر بات کرو یار آمنہ نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

آمنہ میں نے محسوس کیا ہے جیسے تم راج کو چاہتی ہو۔

آمنہ نے ایک گہری سانس لی اور بولی۔ ہاں ساحل چاہتی ہوں بہت زیادہ چاہتی ہوں میں ان کی عاشق ہوں۔ یہ میں جانتی ہوں کہ یہ میرے لیے کیا چیز ہیں۔ چند سال پہلے کی بات ہے کہ مجھے ان کے بارے میں معلوم ہوا تھا مجھے پتہ چلا تھا کہ ایک حسین نوجوان ہمارے گاؤں میں آیا ہوا ہے اس کے پاس بہت طاقتیں ہیں وہ ہواؤں میں اڑنے کا فن جانتا ہے۔ اور ان کے پاس جن بھوت بھی ہیں مجھے شروع سے ہی ایسی باتیں اچھی لگتی تھیں میں کہانیاں پڑھ پڑھ کر خود بھی جنونی ہوئی تھی کہ میں بھی ایک بہت بڑی عامل بن جاؤں میرے پاس بھی طاقتیں ہوں میرے پاس بھی جن ہوں میرے پاس بھی دلوں کا حال جاننے کے لیے فن ہو۔ بس میں رات کے اندھیرے میں کسی کو بتائے بغیر ان کو ملنے کے لیے چل دی لیکن کئی جگہوں پر ان کو تلاش کیا پر مجھے کہیں نہ ملے۔ پھر دوسرے دن بھی میں ان کی تلاش میں نکل پڑی لیکن یہ پھر مجھے نہ ملے۔ میرے دل میں ان کو دیکھنے کی چاہ بڑھتی چلی گئی اور میری حالت ایسی ہوئی کہ میں ان کو دیکھنے کے لیے پاگل سی ہو گئی۔ اور پھر ایک دن رات کو یہ مجھے دکھائی دیئے میں ان کو دیکھ کر حیران سی رہ گئی یہ چلہ میں مصروف تھے۔ یہ اپنا چلہ کرتے رہے اور میں ان کو تکتی رہی نجانے ان میں ایسی کیا بات تھی کہ میں بس ان کی ہو کر رہ گئی۔ ان کو ذرا بھی معلوم نہ تھا کہ کوئی ان کو دیکھ رہا ہے وہ اپنے چلہ میں مست تھے اور میں ان کو دیکھنے میں مست تھی بس اس کے بعد میں ہر روز انکو دیکھنے کے لیے ان کے پاس چلی جاتی ان کے قریب نہ جاتی تھی نجانے کیوں مجھ میں ہمت نہ ہوتی تھی ان کے پاس جانے کی۔ میں سمجھ رہی تھی کہ ان کو پتہ نہیں ہے کہ کوئی ان کو دیکھ رہا ہے یہ میرا گمان غلط ثابت ہوا یہ ہر روز مجھے دیکھتے تھے آج شاید میں وقت سے پہلے پہنچ گئی تھی یا پھر یہ دیر سے چلہ شروع کرنے والے تھے یہ اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے جبکہ میں اپنی مخصوص جگہ پر جا کر کھڑی ہوئی تب یہ یکدم اپنی جگہ سے اٹھ کر میری طرف چلنے لگے ان کو اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر میں سر سے پاؤں تک کانپ کر رہ گئی۔ جی چاہا کہ بھاگ جاؤں لیکن انہوں نے مجھے بھاگنے کا کوئی بھی موقع نہ دیا مجھے میرے نام سے انہوں نے پکارا میں ان کی زبانی اپنا نام سن کر چونک کر رہ گئی اور ان کو گہری نظروں سے دیکھنے لگی اور سوچنے لگی کہ ان کو میں نے تو اپنا نام آج تک نہیں بتایا پھر ان کو کیسے پتہ چلا میرا نام انہوں نے میری سوچ کو بھی پڑھ لیا اور بولے۔

آمنہ میں کئی دنوں سے تم کو یہاں کھڑے دیکھ رہا ہوں۔ تمہارے یہاں آنے کا مقصد کیا ہے۔

ان کی بات نے مجھے لاجواب کر دیا تھا میرے پاس ان کی اس بات کا کوئی بھی جواب نہ تھا میں خاموش کھڑی رہی تب یہ خود ہی بولے۔ دیکھو آمنہ میں تیرے دل کو سمجھتا ہوں لیکن یہ جان لو کہ میں ایک مسافر ہوں میں یہاں کسی کے کہنے پر آیا ہوں یہاں کوئی بھوت کسی لڑکی کو تنگ کر رہا تھا میں اس کو اس بھوت سے چھٹکارا دلانے آیا ہوں جب میرا کام ختم ہو جائے گا میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ ان کی بات سن کر میں بجھ سی گئی اور پھر اپنے اندر ہمت پیدا کی۔ اور کہا۔

ہاں میں جانتی ہوں کہ آپ اجنبی ہیں کیونکہ آج سے قبل میں نے آپ کو یہاں کبھی نہیں دیکھا ہے۔ اور میں یہاں کیوں کھڑی ہوتی ہوں یہ میں خود بھی نہیں جانتی ہوں بس اتنا جانتی ہوں کہ جب اندھیرا چھانے لگتا تو میرے دل میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے گھر میں گھٹن ہونے لگتی ہے اور آپ کا چہرہ میری نظروں کے سامنے گھومنے لگ جاتا ہے پھر میں اپنا کنٹرول کھو جاتی ہوں اور سب سے نظریں بچا کر یہاں آجاتی ہوں میری بات سن کر انہوں نے گہری سانس لی اور بولے۔

ہاں میں جانتا ہوں سب کچھ جانتا ہوں۔ اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ بھی تم جان لو کہ میں ایک مسافر ہوں اور مسافروں کا کوئی بھی ٹھکانہ نہیں ہوتا ہے۔ آج یہاں کل کہیں اور ہوتے ہیں۔ بہتر ہے کہ تم اپنے اوپر کنٹرول رکھو۔

بہت روکتی ہوں دن سکون سے بیت جاتے ہیں لیکن شام ہوتے ہی۔ مجھے نہیں پتہ مجھے کیا ہو جاتا ہے۔ میں نے دل کی بات کہہ دی۔ اور اگر نہ بھی کہتی تو یہ سمجھ چکے تھے انہوں نے ایک گہری نظر مجھ پر ڈالی اور بولے۔ لگتا ہے کہ تم کو عشق ہو گیا ہے۔ ان کی بات سن کر میں چونک گئی میں نے یہ تو سوچا ہی نہیں تھا کہ مجھے عشق ہو گیا ہے میں تو بس ایسے ہی کھنچی چلی آتی تھی لیکن انہوں نے کچھ بھی غلط نہیں کہا تھا مجھے واقعی ان سے عشق ہو گیا تھا۔ اور یہ عشق مجھے بہت مہنگا پڑا تھا ایک رات یہ چپکے سے چلے گئے اور میں ان کی راہیں دیکھتی رہ گئی۔ لیکن کہتے ہیں کہ عشق سب کچھ کروا دیتا ہے ان تک پہنچنے کے لیے مجھے بھی ان جیسا بننا تھا اور میں نے فیصلہ کر لیا۔ میں بھی ایسا علم حاصل کروں گی جو مجھے ان تک پہنچا دے میرا اور کوئی بھی مقصد نہ تھا۔ صرف ان کو پانا تھا۔ سو میں نے گاؤں کی مسجد کے امام سے رابطہ کیا اور ان سے جھوٹ بولا کہ ایک چڑیل مجھے راتوں کو تنگ کرتی ہے وہ مجھ سے کوئی چلہ کروانا چاہتی ہے۔ یہ بات میں نے جان بوجھ کر کی تھی امام صاحب میرے اس جھوٹ کو سچ سمجھ بیٹھے اور انہوں نے مجھے ایک چلہ کرنے کے لیے ورد دے دیا جو اب مجھے کرنا تھا اور یہ ویرانے میں کرنا تھا سو میں نے وہی جگہ منتخب کی جو انہوں نے اپنے چلے کے لیے کی ہوئی تھی میں بھی راتوں کو اس جگہ پر جا کر حاضر ہو جاتی۔ مجھے کیا پتہ تھا کہ چلے میں چڑیلیں اور بھوت مجھے دکھائی دیں گے جب میں نے چڑیلوں اور بھوتوں کو دیکھا تو کانپ کر رہ گئی۔ میرا پورا جسم پسینہ میں بھیگ گیا میں چلہ چھوڑ کر بھاگنا چاہتی تھی لیکن ہمت نہ ہو رہی تھی کہ بھاگ سکوں سو میں اپنے حصار میں ہی قید ہو کر رہ گئی جب چڑیلیں اپنا آپ دکھا کر غائب ہو گئی تب میں نے ہمت کر کے چلہ شروع کر دیا۔ اور یوں میرا اول

دن بدن مضبوط ہوتا چلا گیا مجھے ایسے لگنے لگا کہ میں بہت جلد کامیاب ہو جاؤں گی۔ اور ایسا ہی ہوا کہ ایک چلے نے ہی میری مشکل حل کر دی۔ جب میرا چلہ پورا ہوا تو مجھے نہ تو کوئی چڑیل قبضے میں آئی نہ ہی کوئی جن لیکن ایک ایسا علم میرے ہاتھ لگ گیا کہ جس نے مجھے حیران کر دیا کہ میں ایک روز بالٹی میں پانی بھر رہی تھی۔ کہ یکدم مجھے اس میں ان کا عکس دکھائی دیا میں عکس کو دیکھ کر نہ صرف خوش ہوئی بلکہ حیران بھی ہوئی یہ عکس پانی پر تیر رہا تھا یہ ہوا میں اڑ رہے تھے۔ ان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی یوں لگتا تھا کہ جیسے انہوں نے کوئی بہت بڑا معرکہ سر کر لیا ہے۔ میں ان کے عکس میں ڈوب گئی۔ یہ میرے لیے کامیابی تھی بہت بڑی کامیابی۔ عکس کافی دیر تک میرے سامنے رہا اور پھر پانی کی لہروں میں ہی کہیں غائب ہو گیا بس کیا تھا میں ہر وقت ان کا عکس پانی میں دیکھنے لگی اور مجھے پتہ چل جاتا کہ یہ کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں میں انکو آوازیں دیتی لیکن میری آواز ان تک پہنچ نہ پاتی۔ میں نے ان کو حاصل تو کر لیا تھا لیکن اپنے طور پر ان کو خبر نہ تھی کہ میں ان کو ہر پل دیکھتی رہتی ہوں یہ اپنے کام میں مگن رہتے تھے اور میں ان کو دیکھنے میں مگن۔ بتی یہ میرا جنون تھا یا میرا عشق کہ میں ان کی دیوانی ہوتی چلی گئی۔ میں نے دنیا کو بھلانا شروع کر دیا اور ہر وقت یہ سوچ رکھنے لگی کہ میں بھی اب ان جیسی ہوں گی اور وہ کچھ کروں گی جو یہ کرتے ہیں سو میں نے ایک بار پھر امام مسجد سے رابطہ کیا اور کہا چڑیلیں اب پختہ ہو گئی ہیں لیکن اب ایک چڑیل میرا پیچھا نہیں چھوڑتی تو میں ان کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہتی ہوں مجھے کوئی ایسا ورد بتا دیں کہ میں نہ صرف ان چڑیل پر قبضہ کر سکوں بلکہ اس کو مار بھی سکوں میری بات سن کر وہ مسکرا دیئے شاید ان کو پتہ چل گیا تھا کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں لیکن انہوں نے مجھ پہ یہ بات ظاہر نہ کی اور کہا یہ مشکل کام ہے لیکن مجھے پتہ ہے کہ تم یہ کام کر سکو گی کیونکہ تم نے جو گیارہ دن کا چلہ کیا ہے اس میں تم نے بہت کچھ حاصل کر لیا ہے تم کو پتہ چل گیا ہے کہ چلہ کے دوران کیا کچھ ہوتا ہے اور تم مقابلہ کر سکتی ہو میں تم کو ایسا ورد دیتا ہوں کہ تم لوگوں کی نظروں سے اوجھل بھی ہو سکو گی اور ہوا میں بھی اڑ سکو گی۔ ان کے یہ الفاظ میرے لیے زندگی بن گئے کیونکہ جو میں نے چاہا وہ انہوں نے مجھے بتا دیا۔ آج میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی تھی میرے پاس ایسا ورد آ گیا تھا جو ان کے پاس تھا جو جو یہ کرتے تھے میں بھی ایسا کر سکتی تھی بس مجھے اکیس دن تک یہ چلہ کرنا تھا میں نے ان والی کا انتخاب پھر سے کیا کیونکہ یہ جگہ میرے گھر سے زیادہ دور نہ تھی اور پھر میں نے اپنے چلے کا آغاز کر دیا۔ اور روز بروز کامیابی حاصل کرتی رہی مجھے ہر طرح سے ڈرایا گیا ہر روز مجھے جان سے مارنے کی دھمکیاں دی جاتی رہیں لیکن میں نے ہمت نہ ہاری۔ ہاں ہمت اس وقت ہاری جب چلے کے دوران یہ اڑتے ہوئے میرے سامنے آ گئے ان کے لبوں پر وہی مسکراہٹ تھی چہرے پر وہی چمک تھی یہ میرے بالکل سامنے آ گئے میں ان کو دیکھ کر اپنا چلہ کرنا بھول ہی گئی اور ان کو دیکھنے لگی ان کے لبوں پر مسکراہٹ ابھی تک موجود تھی اور مجھے ایسے دیکھ رہے تھے کہ جیسے ان کو میری ہی تلاش ہو جیسے یہ میرے لیے ہی بنے ہوں۔

آمنہ۔ ان کے منہ سے آواز گونجی۔ مان گیا ہوں تم کو تم نے مجھے حاصل کرنے کے لیے بہت

محنت کی ہے نہ تم نے دن دیکھا اور نہ رات بس مجھے حاصل کرنے کے لیے اپنے کام پر لگی رہی ہو اور دیکھو میں آگیا ہوں۔ تم نے جو چاہا ویسا ہی ہوا تم یہ چاہتی تھی کہ میں خود تیرے پاس آؤں سو آ گیا آؤ چلیں کسی ایسی جگہ جہاں تیرے اور میرے علاوہ کوئی بھی نہ ہو۔ اتنا کہہ کر انہوں نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا لیکن جونہی ان کا ہاتھ میرے بنائے ہوئے حصار سے ٹکرایا تو ان کے ہاتھ کو آگ لگ گئی ان کو ایک جھٹکا سا لگا یہ بری طرح کانپے اور ساتھ ہی ان کا چہرہ بدلنے لگا یہ خوبصورت انسان سے ایک خوفناک بھوت بن گئے میں ان کی یہ حالت دیکھ کر کانپ کر رہ گئی یہ تو شکر تھا کہ میں حصار سے خود نہ نکلی تھی ورنہ ان کی شکل میں آنے والا بھوت میری جان لے لیتا۔ میری نظروں کے سامنے ہی ان کو سراونا جسم دھواں بننے لگا اور پھر وہ میری نظروں کے سامنے سے غائب ہو گیا۔ میں کئی لمحات تک ان کے بارے میں سوچتی رہی۔ خدا نے مجھے بہت بڑی مصیبت سے بچا لیا تھا شیطان کو جیسے پتہ چل گیا تھا کہ میں ان کو پسند کرتی ہوں جو کچھ کر رہی ہوں ان کے لیے کر رہی ہوں اسی وجہ سے وہ ان کی شکل کا روپ دھارے میرے سامنے آ گیا تھا اور میں بھی ان کے ساتھ چلنے کو تیار ہو گئی تھی لیکن۔ جو ہوا وہ میرے لیے بہتر تھا۔ باقی کے دن میں نے محتاط رہ کر چلہ کیا کیونکہ میں نہیں چاہتی تھی کہ میں پھر شیطان کی ایسی چال میں پھنس جاؤں جو بس میری نظروں کا دھوکہ ہو۔ آج میرا چلہ مکمل ہو گیا تھا اور میں نے کامیابی حاصل کر لی تھی میں نے چلہ پورا ہوتے ہی ہوا سے کہا مجھے اوپر اٹھا لے ہوا نے ایسے ہی کیا میرے پاؤں زمین سے اٹھنے لگے میں ہوا میں سیر کرنے لگی یہ کامیابی میرے لیے خوشی کا باعث ثابت ہوئی لیکن شاید گھر والوں کے بدنامی کا باعث بن گئی تھی میں نے گھر والوں کو بدنام کر لیا لوگوں کو پتہ چل گیا تھا کہ میں کسی مرد سے عشق کرنے لگی ہوں اور اس کے لیے ہر وہ کام کر سکتی ہوں جو وہ نہیں۔ گھر والوں نے مجھے روکنے کی کوشش کی لیکن میں کہاں رکنے والی تھی میری منزل تو بس یہ تھے اور اپنی منزل کو پالینے کے لیے بعد بھلا میں پیچھے کیسے ہٹتی۔ بس پھر ایک دن سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر میں ان کو تلاش کرتے ہوئے ان تک پہنچ گئی۔ ان کو تلاش کرنا میرے لیے کوئی بھی مشکل کام نہ تھا میں پانی میں ان کا عکس دیکھتی تھی کہ یہ کہاں ہیں کس جگہ پر ہیں اور جہاں یہ مجھے دکھائی دیتے میں اسی طرف اڑنا شروع کر دیتی۔ اور آج میں ان کے پاس ہوں لیکن ان کو میرے جنون کا علم نہیں ہے۔ یہ میرے دل کو اچھی طرح جان نہیں پائے ہیں اور نہ ہی مجھ میں اتنی ہمت ہے کہ میں ان کو دل کا حال بتا سکوں کیونکہ ابھی منزل مجھے حاصل کرنا نہیں ہے بلکہ وہ کچھ ہے جو دنیا کی بھلائی کے لیے ہو سو ان کو دیکھ کر میں بھی انسانوں کی بھلائی کا کام کرنے لگی اس زیولے کے بارے میں پتہ چلا کہ یہ لڑکیوں کو خوابوں میں اپنا دیوانہ بنا کر ان کو اپنے ساتھ لے جاتا ہے اور ان کا خون پیتا ہے اور ان کے جسموں کا گوشت کھاتا ہے ایک روز ہم اس سائے تک پہنچ گئے یہ اسی جنگل میں ہمیں ملا جہاں تم لوگ موجود تھے اور تم میں ایک لڑکی انیلا اس کے عشق میں گرفتار ہو گئی تھی۔

آمنہ کہانی سنانے جا رہی تھی اور ساحل پوری لگن سے اسکی کہانی سنتی جا رہی تھی اس کو اب معلوم ہوا کہ تلاش عشق کیا چیز ہے ایک لڑکی ہو کر اس نے اپنے محبوب کے لیے کیا کچھ کیا گھر بار سب کچھ

چھوڑ دیا۔ اور ان کو حاصل کرنے کے لیے دن رات ان کا پیچھا کرتی رہی۔
میں تمہارے دل کی بات راج تک پہنچاتی ہوں جو بات تم کئی سالوں سے ان سے نہ کر پائی میں کر پاتی ہوں۔ ساحل نے مسکراتے ہوئے کہا۔
نہیں ساحل نہیں اب ایسا کرنے کا کوئی بھی فائدہ نہیں ہے کیونکہ اب میں دیکھ رہی ہوں کہ ہماری زندگی ختم ہونے والی ہے۔ ہم ایک چھوڑ کر ہزاروں چلے کرلیں لیکن ہم اب بچنے والے نہیں ہیں میں اس لیے نہیں کہہ رہی کہ اس سائے نے بہت بڑی طاقت اپنائی ہے بلکہ اس لیے کہہ رہی ہوں کہ میں نے اپنے علم سے معلوم کرلیا ہے کہ ہماری زندگی کسی بھی وقت ختم ہوسکتی ہے۔ اور شاید تم بھی اس سے بچ نہ سکو۔
کیا کیا۔ ساحل بری طرح چیخی۔
ہاں ساحل میں نے بہت کچھ دیکھ لیا ہے لیکن اس کے باوجود راج کا دل نہیں توڑنا چاہتی انکے دل میں آس ہے کہ یہ اس ہیولے کو مار سکنے میں کامیاب ہوسکتے ہیں لیکن یہ میں جانتی ہوں کہ ایسا نہیں ہوسکتا لیکن باباجی نے جو تسلی دی ہوئی ہے ہوسکتا ہے کہ کامیابی ہمارا مقدر بن جائے لیکن میرا علم جو کہتا ہے وہ یہی ہے کہ ہماری زندگی بہت کم ہے۔ ابھی آمنہ ایسی بات کر رہی تھی کہ انکو قبرستان میں ایک بھیانک چیخ سنائی دی۔ یہ چیخ کسی اور کی نہ تھی بلکہ راج کی تھی۔ ہاں راج کی جو وضو کرنے کے لیے پانی کی تلاش میں قبرستان کی ایک طرف نل کے پاس گیا تھا۔ اس کی چیخ کی آواز سن کر یہ دونوں پاگلوں کی طرح اس طرف بھاگیں۔ اور پھر سامنے کا منظر دیکھ کر دونوں پر جیسے سکتہ طاری ہوگیا۔ سامنے وہی ہیولہ کھڑا تھا اس کے ہاتھ میں راج کا کٹا ہوا سر تھا اور اس کا وجود نیچے زمین پر پڑا تڑپ رہا تھا۔ اس ظالم نے راج کی گردن کاٹ دی تھی۔ آمنہ پر بے ہوشی طاری ہوگئی اور ساحل کی جیسے سانس رک گئی ہو۔
ہاہاہا۔ ہاہاہا۔ میں ایک ایک کرکے تم سب کو ختم کردوں گا تم لوگوں کی وجہ سے مجھے بہت نقصان پہنچا ہے۔ اب میں مزید برداشت نہیں کرسکتا ہوں۔ اس انسان نے مجھے بہت دکھ دیئے ہیں یہ میرے راستے کی دیوار بن رہا تھا لیکن آج میں نے اس کا خاتمہ کردیا ہے اب میں پرسکون ہوں۔ کل میں پھر آؤں گا اور تم دونوں میں سے ایک کو اٹھا کر لے جاؤں گا اور اس کا بھی وہی حال کروں گا جو میں نے اس کا کیا ہے۔ اتنا کہہ کر اس نے زمین پر پڑے ہوئے راج کا جسم اٹھایا اور دور نکل گیا اور چلتے چلتے ہی وہ اندھیرے میں کہیں غائب ہوگیا۔ ساحل نے ہمت کر کے آمنہ کو ہوش دلایا۔
کہاں گئے وہ۔ آمنہ نے پاگلوں کی طرح ساحل کو جھنجھوڑ دیا۔
وہ۔ وہ۔ اسے اٹھا کر لے گیا ہے۔ ساحل نے کانپتی ہوئی زبان سے کہا پھر کیا تھا کہ آمنہ پاگلوں کی طرح اس طرف بھاگی جہاں وہ اس کو لے کر گیا تھا اور اسی کی طرح ہی وہ بھی اندھیرے میں کہیں غائب ہوگئی۔ ساحل پسینے میں شرابور بھاگتی ہوئی گھر آگئی۔ لیکن اب تو معلوم ہوگیا تھا کہ اس کی زندگی کے دن بہت ہی کم ہیں زیادہ سے زیادہ دو دن۔ اس کی سوچ بہت ٹھیک نکلی تھی دوسرے دن

اس نے دیکھ لیا تھا کہ وہی ہیولہ آمنہ کی گردن کو کاٹ کے اس کا خون پی رہا تھا اور آمنہ کا جسم بالکل ٹھنڈا زمین پر پڑا ہوا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر وہ کانپ کر رہ گئی اب اس کو یقین ہو گیا تھا کہ اب اس کی باری ہے کیونکہ اس کے گروپ سے صرف دو انسان باقی بچے ہیں ایک وہ تھی اور دوسرا علی تھا جو سحر کا عاشق تھا۔ باقی اس کے علاوہ وہ سب کو مار چکا تھا۔ اس نے اس گروپ کو مارنا تھا کیونکہ اس گروپ کی وجہ سے ہی اس کو کافی نقصان ہوا تھا۔ ساحل اپنی زندگی کے بچاؤ کے لیے پلان تیار کرنے لگی۔ لیکن اس کا کوئی بھی پلان کامیاب نہ ہوا تھا رات ہونے کو تھی اور اس کا دل کانپ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں اس ہیولہ کو تلاش کر رہی تھی جو اس کی موت بنے اس تک کسی بھی وقت پہنچ سکتا تھا۔ پوری رات بیت گئی اس کو ڈرتے ہوئے لیکن وہ نہ آیا دوسرے دن بھی وہ نہ آیا لیکن تیسرے دن وہ اس کے سامنے تھا۔ اس کے ہونٹ خون سے سرخ ہو رہے تھے آنکھوں میں وحشت تھی وہ کسی کا خون کر کے آیا تھا کس کا اس نے خون کیا تھا یہ ساحل نہیں جانتی تھی۔

بس میرے پیچھے پیچھے چلتی آؤ۔ اس ہیولے نے کہا تو ساحل پر یکدم مدہوشی چھانے لگی یہ دنیا کو بھول کر اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ رات کے اندھیرے میں کئی ویرانوں سے وہ گزرتی چلی گئی اسے خود خبر نہ تھی کہ وہ ایسا کیوں کر رہی ہے کیونکہ اس کے پیچھے چل رہی ہے وہ کچھ بھی نہیں جانتی تھی بس مدہوش ہونے کے ساتھ چلتی جا رہی تھی۔ ایک جگہ پر جا کر وہ سایہ رک گیا یہ کوئی کھنڈر تھا۔ ساحل نے یہ کھنڈر پہلی بار دیکھا تھا۔ جو نجانے دنیا کے کس کونے میں بنایا گیا تھا۔ وہاں ان دونوں کے علاوہ کوئی بھی نہ تھا۔ ہاں اگر کوئی چیز تھی وہ انسانی ہڈیاں تھیں جن کا ایک ڈھیر لگا ہوا تھا۔ اف ساحل ان ہڈیوں کو دیکھ کر کانپ کر رہ گئی۔ لیکن وہ کچھ بھی نہ کر پائی تھی اس کو پورا یقین ہو گیا تھا کہ اب اس کی زندگی کا آخری دن آ گیا ہے وہ دن جس کے بارے میں اس سحر نے کہا تھا کہ وہ ہم میں سے کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑے گا ایک ایک کو ختم کر دے گا۔ یہ سب باتیں اس کا دماغ سوچ رہا تھا جو دھیرے دھیرے ہوش میں آتی جا رہی تھی۔ اور یہ سب منظر دیکھ کر وہ مسلسل کانپ رہی تھی وہ سایہ دھیرے دھیرے اس کی طرف بڑھنے لگا اور پھر اس کی گردن پر ہاتھوں کا بوجھ محسوس ہوا اور وہ مدہوشی کی کیفیت میں موت کی طرف بڑھنے لگی۔ اس کے بعد کیا ہوا یہ سب جاننے کے لیے تلاش عشق کی آخری قسط پڑھنا مت بھولیے گا۔

غزل

میری زندگی کو ایک نئی زندگی دی آپ نے
مجھے ہر پل خوشی دی آپ نے
میری سوچوں میں تھے بہت سارے پہرے
میری سوچوں کو ختم کر کے ایک بندگی دی آپ نے
برستی رہے سدا پیار کی یہ رم جھم
چھیڑی ہے جو محبت کی جھڑی آپ نے
جو کرنے نہ تھے زندگی میں کام
وہ کرائے کام سبھی آپ نے
خدا کرے تیری سبھی چاہتیں ہوں پوری
پوری ہو ہر دعا جو کی آپ نے
ہے میں دیکھوں کسی اور کو راشد
مجھ پہ ایسی نظریں لگا رکھی آپ نے
(راشد لطیف صبرے والا، ملتان)

پرچھائی کا راز

تحریر: نعیم بخاری آکاش۔ اوکاڑہ

ظہیر میرا پیارا دوست تھا وہ اتنے سالوں تک پرچھائی بن کر میرے سر پر مسلط رہا وہ مجھے ہر رات ڈراتا رہا مگر اس نے کبھی مجھے مارنے کی کوشش نہیں کی حالانکہ اس پرچھائی کی وجہ سے میں پاگل ہونے کی آخری اسٹیج پر پہنچ جاتا تبھی وہ پرچھائی چند دنوں کے لیے غائب ہو جاتی اس واقعے کے بعد مجھے کبھی چین میسر نہیں آیا ہر وقت ہر لمحہ جو ظلم میں نے ظہیر پر کیا تھا اسکا پچھتاوا کسی زہریلے سانپ کی طرح مجھے ڈستا رہا حالانکہ اگر ظہیر کی پرچھائی چاہتی تو مجھے مار سکتی تھی مگر اس نے ایسا نہیں کیا مجھے پتہ تھا کہ اس کی روح بھٹک رہی ہے وہ مجھے اپنی موجودگی کا احساس دلاتا رہا شاید ظہیر نے مجھے اس لیے نہیں مارا کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ جو خون میرے ہاتھوں پر لگا ہے وہ میرے ہی اعتراف جرم سے دھلے اسی لیے اس نے اتنے سال انتظار کیا اور قدرت کو بھی میری روح ابھی قبض کرنا منظور نہیں تھا ورنہ میں اتنی لمبی زندگی کا حقدار نہیں تھا۔ ہاں یقیناً میں حقدار نہیں تھا لمبی زندگی کا انسپکٹر میں اپنے جرم کا اعتراف کرتا ہوں میں نے ہی ظہیر کا قتل کیا ہے دولت نے میری آنکھیں چندھیا دی تھیں میری آنکھوں پر لالچ کی سیاہ پٹی بندھ گئی تھی چوری کرنے والی رات ہی جب ظہیر سو رہا تھا میں نے اس کے سر میں چھرا گھونپ دیا اس نے تڑپ تڑپ کر جان دے دی اس کی آنکھوں میں ایک ہی سوال تھا کیوں آخر کیوں میں نے دوستی جیسے لازوال رشتے کو دغا دے دیا انسپکٹر صاحب مجھے تختہ دار پر لٹکا دیں کیونکہ اس سے فرار کا مطلب ظہیر کے ساتھ ناانصافی ہوگا۔ لیکن ایک بات کی مجھے سمجھ نہیں آرہی ہے کہ آپ لوگ مجھ تک پہنچے کیسے ہو یہ تو صدیوں پرانی بات ہے اور اس بات کا ثبوت کوئی نہیں ہے صرف ایک پرچھائی ہے جس کو صرف میں ہی جانتا ہوں۔ منور اپنی بات مکمل کرنے کے بعد بلک بلک کر رونے لگا تھا جبکہ انسپکٹر نے ستائشی نظروں سے افسر علی کی طرف دیکھا وہ خوش تھا کہ افسر علی نے ایک مجرم کو پچیس سال بعد کیفر کردار تک پہنچایا۔ ایک سنسنی خیز اور دلچسپ اور ڈراؤنی کہانی جو آپ مدتوں یاد رکھیں گے۔

آئینا نے دہکتے سورج کو دیکھنے کی کوشش کی مگر سورج کی حدت کی بدولت اس کی آنکھیں چندھیا گئیں اس نے فوراً اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اور چہرہ جھکا لیا۔ چند ثانیے توقف کے بعد اس نے آنکھیں کھولیں وہ اپنے پیروں کو گھور رہی تھی مگر اس کی آنکھیں ابھی تک دیکھنے کے قابل نہ ہوئی تھیں اس کی آنکھوں میں ابھی تک سورج کا سرخ عکس بسا ہوا تھا۔ گرمی کی وجہ سے اسے لگ رہا تھا جیسے کسی نے اس کے پیروں میں دہکتے کوئلے بھر دیئے ہوں اس کے پیر سے سر تک پسینے سے شرابور ہو چکی تھی چند منٹ پہلے تک وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ کمرے میں سوئی ہوئی تھی مگر لائٹ چلے جانے کے بعد گرمی اور حبس کا احساس اتنا بڑھ گیا کہ وہ بے تاب ہو کر صحن میں آ گئی۔

اس امید کے ساتھ کہ ان کے گھر میں موجود واحد سایہ کا ذریعہ نیم کا درخت اسے کسی حد تک سکون مہیا کرے گا اور نیم کی ٹھنڈی چھاؤں سے لطف اندوز ہونے کی غرض سے وہ باہر آئی تھی مگر یہاں کا سماں تو مزید کوفت بھرا تھا باہر ہوا کا نام ونشان تک نہیں تھا اور سورج عین سر کے اوپر چمک رہا تھا جبکہ نیم کا درخت ساکت وجامد کھڑا آینا کا منہ چڑھا رہا تھا آینا نے کوفت بھری نظروں سے برآمدے میں لگے پنکھے کی طرف دیکھا مگر وہ نیوز بند تھا آینا برآمدے سے نکل کر نیم کے درخت کی طرف بڑی چند قدموں کا فاصلہ اس کی نازک اور نرم وسفید جلد کو جھلسا گیا تھا نیم کی چھاؤں تلے کھڑے ہو کر اس نے اپنے سر پر ہاتھ لگایا تو اس کا سر کسی توے کی طرح تپ رہا تھا اس نے ناگواری سے ٹھنڈا سانس لے کر آنکھیں بند کیں اور کھڑے کھڑے درخت کے مضبوط تنے سے ٹیک لگا لی۔ اچانک اسے احساس ہوا جیسے کوئی برآمدے سے نکل کر اس کی طرف بڑھا ہو اسے پیروں کی واضح آواز سنائی دے رہی تھی اس کے من میں خیال ابھرا کہ یقیناً امی یا ابو باہر آئے ہوں گے اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا مگر وہ دنگ رہ گئی صحن میں کوئی بھی نہیں تھا اس نے حیرت سے چاروں اطراف نظر دوڑائی مگر صحن خالی تھا وہ حیرانگی سے برآمدے کی طرف دیکھنے لگی یک لخت آینا کو اپنی پشت کی جانب کسی کی موجودگی کا

احساس ہوا اس نے تیزی سے پلٹ کر دیکھا تو اس کے حلق سے دلخراش چیخ بلند ہوئی اس کے سامنے ایک سیاہ پرچھائی کھڑی ہوئی تھی اس کے چہرے کی چمڑی ادھڑی ہوئی تھی اور باقی جسم ایسے تھا جیسے کسی انسان کا سایہ ہو اس پرچھائی کو دیکھ کر

آینا کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی۔

اس کی خوف سے بھری چیخ سن کر افسر علی اور اس کی بیوی ہانیہ کی آنکھ کھل گئی حالانکہ لائٹ جانے کی وجہ سے ان کی نیند تو خراب ہو گئی تھی مگر ان پر ابھی بھی غنودگی کا غلبہ طاری تھا وہ دونوں بھاگ کر صحن میں پہنچ گئے اور آینا کو درخت کے پاس گرے ہوئے دیکھ کر ہانیہ کی آنکھوں سے آنسو امڈ آئے اس نے لرزتی ہوئی آواز میں آینا کو پکارا۔ آینا۔ آینا۔ کیا ہوا میری بچی آنکھیں کھولو میری جان قریب پہنچ کر ہانیہ نے آینا کا سر اپنی گود میں رکھ لیا جبکہ افسر علی اس کے ہاتھ پاؤں مسلنے لگا مگر بے سود آینا ہوش میں آنے کا نام نہیں لے رہی تھی حالت کو سنگین ہوتا دیکھ کر افسر علی نے آینا کو گاڑی میں ڈالا اور ہانیہ اپنی بچی کو سنبھال کر بیٹھ گئی جبکہ افسر علی نے گاڑی ہسپتال کی طرف بڑھا دی۔

آینا کو چیک کرنے کے بعد جب ڈاکٹر زمان اپنے آفس میں پہنچا تو ہانیہ اور افسر علی بے صبری سے ڈاکٹر کا انتظار کر رہے تھے ڈاکٹر جیسے ہی آفس میں داخل ہوا ہانیہ اور افسر علی کھڑے ہو گئے ہانیہ نے گلوگیر لہجے میں کہا۔

ڈاکٹر صاحب کیا ہوا تھا میری بچی کو وہ اب ٹھیک تو ہے ناں۔

ڈاکٹر نے مایوسی سے ہانیہ کی طرف دیکھا اور اپنی کرسی پر بیٹھ گیا اور وہ چند ثانیے خاموش بیٹھا رہا۔ افسر علی اور ہانیہ کو گھورتا رہا اس کا انداز ایسا تھا جیسے جو بات وہ کرنا چاہتا ہے وہ ہانیہ کے سامنے کہنا مناسب نہ ہو اس نے گلا کھنکارتے

ہوئے کہا۔

مسز بانیہ آپ کی بیٹی کو تھوڑی دیر بعد ہوش آ جائے گا اور اس حالت میں آپ کا وہاں رہنا بہتر ہوگا باقی معاملہ میں افسر علی صاحب سے ڈسکس کر لیتا ہوں بانیہ نے افسر علی کی طرف دیکھا اس کی آنکھوں میں تشویش کے سائے منڈلانے لگے تھے افسر علی نے محبت سے اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

تم جاؤ میں جلد ہی آ جاؤں گا افسر علی نے سوالیہ نظروں سے ڈاکٹر کی طرف دیکھا ڈاکٹر نے افسر علی کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ تو ڈاکٹر نے کہا۔

دیکھیے افسر علی صاحب میرا اور آپ کا تعلق صرف ڈاکٹر اور مریض کا ہی نہیں ہے بلکہ آپ میرے پرانے شناسا بھی ہیں مگر مجھے افسوس کے ساتھ آپکو یہ بتانا پڑ رہا ہے کہ آپ کی بیٹی ایک خطرناک بیماری کا شکار ہو چکی ہے افسر علی کے چہرے پر غم اور دکھ کے سائے منڈلانے لگے تھے ڈاکٹر نے چند لمحے توقف کے بعد دوبارہ کہنا شروع کیا۔

آپ کی بیٹی کے دماغ میں بڑین سیلز بری طرح سے متاثر ہوئے ہیں یہ سیلز آپ کے کان سے ذرا اوپر ہوتے ہیں ڈاکٹر نے اپنے سر میں بائیں کان سے ذرا اوپر اپنی انگلی لگاتے ہوئے نشاندہی کی ان سیلز کے متاثر ہونے کی بڑی وجہ کوئی ایسا حادثہ ہوتا ہے جو انسان کے اوسان خطا کر دے۔ بحرحال ڈاکٹر نے ٹھنڈا سانس لیتے ہوئے پھر کہا۔

اگر بات صرف سیلز متاثر ہونے کی ہوتی تو کوئی اتنا بڑا ایشو نہیں تھا۔ مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ آپ کی بیٹی ملٹی پل پرسنالٹی کا شکار ہو چکی ہے ڈاکٹر زمان نے اپنی بات ختم کی تو افسر علی نے دکھ بھرے میں انداز میں کہا۔

ڈاکٹر صاحب اب اس کیس کو آپ کس طرح سے ہینڈل کریں گے مجھے بس اپنی بیٹی کی فکر ہے۔ ڈاکٹر زمان نے کہا۔

علاج تو ضرور ہے اور کچھ میرے تعلقات بھی ہیں اور میرے اثر ورسوخ کی نسبت سے آپ کی بیٹی کا اچھا ٹریٹ منٹ ہو سکتا ہے لیکن اس کے لیے مجھے آپ کی بیٹی کو مینٹل ہاسپٹل میں منتقل کرنا ہوگا۔

کیا مینٹل ہاسپٹل میں۔ افسر علی ہکا بکا رہ گیا یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں میری بیٹی کوئی پاگل نہیں ہے وہ ایک نارمل لڑکی ہے وہ تو کبھی بھی بہت زیادہ بیمار بھی نہیں ہوئی پھر آپ اتنی سنگین بیماری کا کیسے کہہ سکتے ہیں اور بس ایک دورہ پڑا اور وہ سیدھا پاگل ہوگئی میں یہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں بات کرنے کے دوران افسر علی کا لہجہ تیکھا ہو گیا تھا وہ بیٹی کی تکلیف سے رنجیدہ ہو کر نجانے کیا کیا بول رہا تھا۔

افسر علی آپ میرے عزیزوں کی جگہ۔ ابھی ڈاکٹر زمان بات مکمل بھی نہ کر پایا تھا کہ ٹیبل پر رکھے فون کی بیل بج اٹھی۔۔ ڈاکٹر نے ایکسکیوز کرتے ہوئے فون اٹھایا اور دوسری طرف سے کسی کی بات سن کر فورا کھڑا ہو گیا اس کی پیشانی پر فکرمندی کی لکیریں نمودار ہو گئی تھیں دونوں آفس سے باہر نکلے اور بھاگتے ہوئے کوریڈور میں موجود ایک کمرے میں داخل ہو گئے۔ جہاں کا منظر دیکھ کر افسر علی کے اوسان خطا ہو گئے بانیہ ایک طرف فرش پر گری ہوئی تھی اس کے ماتھے

سے خون رس رہا تھا وہ اپنے سر پر ہاتھ رکھے کراہ
رہی تھی یقیناً نیچے گرتے وقت اس کا ماتھا زور سے
فرش کے ساتھ ٹکرایا ہوگا جبکہ چار وارڈ بوائے آینا
کو بیڈ پر قابو کرنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن اس
کا جسم بیڈ سے ایک فٹ اوپر اچھلتا تھا اور پھر
دھڑام سے بیڈ پر گرتا تھا تب اس کے وجود کا ہر
حصہ تنا ہوا ہوتا تھا یوں لگتا تھا کہ جیسے کوئی ماورائی
قوت اس کو بیڈ پر اچھال رہی ہو۔ اس کے بال
بکھرے ہوئے تھے اور وہ عجیب سی زبان میں
اونچا اونچا بول رہی تھی۔ یوں لگتا تھا گویا کئی مرد مل
کر اس کے اندر سے بول رہے ہوں وہ کہہ رہی
تھی مغارض ہم سب آیف اس وہ چیک کر ان
حروف کا ورد کر رہی تھی اور اپنے سر کو زور سے جھٹکے
دے رہی تھی اس کی آنکھیں انگارہ ہو رہی تھیں
یقیناً آینا کی وجہ سے ہی بانیہ گر کر زخمی ہوئی تھی
افسر علی کو اینا کی حالت دیکھ کر ڈر لگنے لگا پھر
اچانک یہ سلسلہ رک گیا۔ جو نازک وجود چار
مضبوط جسامت کے مالک لوگوں سے قابو نہیں
آ رہا تھا وہ خود ہی بیڈ پر گر گئی مگر اس کا وجود
اکڑ چکا تھا ہاتھ پاؤں پیچھے کی جانب مڑنے لگے
تھے ڈاکٹر زمان نے جلدی سے ایک انجکشن اینا کو
لگایا تو وہ آہستہ آہستہ نارمل ہونے لگی اس کا
اکڑا ہوا جسم ڈھیلا پڑنے لگا۔ افسر علی ڈرتے
ہوئے آگے بڑھا اس نے بیڈ پر بیٹھ کر اینا کے
چہرے پر بکھرے بال ہٹائے تو اینا نے نظریں اٹھا
کر اپنے باپ کی طرف دیکھا اس کی آنکھوں سے
آنسو بہہ رہے تھے اس کے چہرے پر تکلیف کے
آثار نمایاں تھے اینا نے بمشکل لب کھولے۔

بابا مجھے بچالیں وہ مجھے مار دے گا اینا کی
آواز اب نارمل ہو چکی تھی افسر علی نے اس کے
ماتھے پر بوسہ دیا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں
لے کر بولا۔

تمہیں کچھ نہیں ہوگا میری جان بابا سنبھال
لیں گے اینا سے۔ چہرے پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ
پھیل گئی مگر دوسرے ہی لمحے اس نے چلانا شروع
کر دیا۔ پاپا۔ پاپا۔ وہ پرچھائی پھر آ گئی ہے وہ مجھے
مار دے گا پاپا وہ دیکھیں وہ چھت سے چمٹا ہوا ہے
مجھے گھور رہا ہے۔ مجھے بچالیں پاپا اینا چلاتے
ہوئے غنودگی کی کیفیت میں جانے لگی اس پر نشے
کا انجکشن اثر انداز ہو رہا تھا افسر علی نے ڈاکٹر کی
طرف دیکھ کر اثبات میں سر ہلایا تو ڈاکٹر سمجھ گیا کہ
افسر علی اپنی بیٹی کو مینٹل ہاسپٹل میں منتقل کروانا
چاہتا ہے۔

تین دن قبل اینا مینٹل ہاسپٹل میں منتقل
ہو چکی تھی جبکہ بانیہ کے ماتھے کی چوٹ اب ٹھیک
ہو چکی تھی افسر علی روزانہ دفتر جاتے ہوئے اینا کو
دیکھنا جاتا تھا مگر ہاسپٹل والے اسے ملنے نہیں
دے رہے تھے افسر علی بھی بحث کیے بغیر دل پر
پتھر رکھ کر گھر آ جاتا تھا اور بانیہ کو جھوٹی تسلی دیتا
تھا کہ اب اینا ٹھیک ہو رہی ہے بانیہ نے ساتھ
جانے کی ضد کی تھی مگر افسر علی نے اسے روک دیا
افسر علی گھر میں بیٹھا اینا کے متعلق ہی سوچ رہا تھا
کہ اسے ہاسپٹل سے کال موصول ہوئی کہ وہ
ہاسپٹل پہنچے افسر علی نے مفاہمت کے تحت بانیہ کو
بتانے سے دریغ کیا اور خود ہوسپٹل آ گیا جب وہ
ڈاکٹر شان کے دفتر میں پہنچا تو وہاں پر پہلے ہی
سے چند افراد بیٹھے ہوئے تھے جب ڈاکٹر شان
نے انہیں رخصت کیا تو پھر افسر علی کی طرف متوجہ
ہوا افسر علی صاحب میں معذرت چاہتا ہوں کہ

آپ کو اچانک بلوانا پڑا۔

پلیز ڈاکٹر شرمندہ نہ کریں میں تو خود آپ سے ملنا چاہتا ہوں مگر جب سے اینا کو ایڈمٹ کروایا ہے کسی نے ہمیں کچھ نہیں بتایا میں اور میری مسز بہت پریشان ہیں۔

افسر علی کے لہجے میں فکر مندی عیاں تھیں ڈاکٹر شان نے گھمبیر لہجے میں کہا۔

آپ کی پریشانی بجا ہے وہ آپ کی اکلوتی بیٹی ہے دراصل میں آپ کی بیٹی کا کیس اسٹڈی کیا ہے اور آپ میرا یقین کریں میں نے مکمل یکسوئی سے آپ کی بیٹی کی بیماری کو پرکھنے کی کوشش کی ہے مگر قابل ذکر امر یہ ہے کہ آپ کی بیٹی ملٹی پل پرسنالٹی ڈس آرڈر جیسی کسی بیماری کا شکار ہے ہی نہیں ڈاکٹر شان نے افسر علی کی حیرانگی میں اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ اور اب جو میں آپ کو بتانے جا رہا ہوں شاید آپ کو اس پر یقین نہ آئے ڈاکٹر شان خاموش ہوا اور افسر علی کے چہرے کا جائزہ لیا پھر بولا۔

یہ بات سچ ہے کہ آپ کی بیٹی کے ہیئر یانی سلیز متاثر ہوئے ہیں مگر ان کی حالت ایسی نہیں ہے کہ ملٹی پل پرسنالٹی کا شکار ہو جائیں اور جس طرح کی وہ حرکتیں کر رہی ہیں بالکل ایسا ہی ایک کیس آج سے دس سال پہلے میں ہینڈل کر چکا ہوں مگر افسوس ناک بات یہ ہے کہ میں اپنی سوچ کی وجہ سے اس مریض کو بچا نہ سکا کیونکہ اس سے پہلے میں ماورائی قوتوں بد روحوں اور پرچھائی جیسی کسی بات کو ماننے پر تیار نہیں تھا مگر اس بچی کی دردناک موت میری سوچ کے زاویوں کو بدل گئی۔۔ ڈاکٹر خاموش ہوا تو افسر علی بولا۔

آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔ کھل کر بات کریں

اس کے لہجے میں چھپا ہوا ڈر جھانک رہا تھا ڈاکٹر شان نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

آپ کی بیٹی پر کسی بھوت پریت کا سایہ ہے

وہاٹ۔۔ افسر علی ایسے دھاڑا جیسے اسے بجلی کا شدید جھٹکا لگا ہو یہ کیا بکواس ہے ڈاکٹر صاحب میں نہیں مانتا ان بے ہودہ باتوں کو اور پھر آپ تو ڈاکٹر ہیں اور سائنس ان مافوق الفطرت اور دقیانوسی باتوں کو خاطر خواہ نہیں لاتی افسر علی تیز لہجے میں بول گیا تھا ڈاکٹر شان افسر علی کی بات سن کر اپنی کرسی سے اٹھ گیا اور تیز لہجے میں بولا۔

آپ کی بیٹی کے پاس زیادہ سے زیادہ سات یا آٹھ دن بچے ہیں کیونکہ دس سال پہلے بھی میں ان دقیانوسی باتوں کو تسلیم نہیں کرتا تھا۔ مگر جب وہ لڑکی ٹھیک۔ دن بعد دردناک موت مر گئی تب میں سمجھا اور میں نہیں چاہتا کہ اس دفعہ بھی میرے تمام سائنسی اوزار دھرے کے دھرے رہ جائیں اور پھر ایک معصوم زندگی ضائع ہو جائے۔

دیکھیے ڈاکٹر میری بیٹی پر بھوت پریت کا سایہ ہونا ناممکن سی بات ہے افسر علی نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھ کھڑا ہوا ڈاکٹر اسے ایک کمرے میں لے گیا جہاں پر بہت سارے ٹی وی رکھے ہوئے تھے اور ان میں ہاسپٹل کے مختلف کمروں کے مناظر دکھائی دے رہے تھے یقیناً ہاسپٹل انتظامیہ مسلسل اپنے مریضوں پر نظر رکھتی تھی ڈاکٹر نے کمرے میں موجود آپریٹر کو مخاطب کیا سیل نمبر تیرہ کی دو دن پہلے والی ویڈیو فلم دکھائیں۔ آپریٹر نے لمحہ ضائع کیے بغیر چابک دستی سے اپنے سامنے رکھے کی بورڈ پر انگلیاں چلائیں تو ایل سی ڈی پر اینا کے سیل کی ویڈیو دکھائی دینے لگی اینا اپنے بیڈ پر بیٹھی گھٹنوں میں سر دیئے آگے پیچھے جھول کر

عجیب سی زبان میں کچھ بول رہی تھی وہ ایک ہی فقرہ بار بار بول رہی تھی اس کی آواز مردانہ تھی عجیب سی بھدی سی آواز تھی۔۔ ڈاکٹر نے افسر علی سے کہا۔

آپ کی بیٹی بار بار ایک ہی عمل دہراتی ہے اور ایک ہی فقرہ ہزاروں مرتبہ بولتی ہے ڈاکٹر کا اور پھر اس نے کی بورڈ پر ایک بٹن پریس کیا تو فلم فارورڈ ہونے لگی تھوڑی فلم فارورڈ کرنے کے بعد ڈاکٹر نے پلے کا بٹن دبا دیا اور افسر علی سے کہا۔ ذرا اب دیکھئے گا۔ اس نے افسعلی کی توجہ ایل سی ڈی کی طرف مبذول کرواتے ہوئے کہا تھا فلم چل رہی تھی اینا بولتے ہوئے اچانک رک گئی پھر اسکے وجود کو ایک جھٹکا لگا تو وہ نارمل ہو گئی اور ساتھ ہی بیڈ کے کونے میں دبک کر بیٹھ گئی۔ وہ چور نظروں سے دائیں بائیں دیکھ رہی تھی جیسے کسی کو تلاش کر رہی ہو مگر کمرہ خالی نظر آ رہا تھا پھر ڈاکٹر شان نے بٹن پریس کر کے فلم روکتے ہوئے کہا افسر علی صاحب ذرا یہاں غور کریں اس کونے میں آپ کی بیٹی کی پشت کی جانب کمرے کا یہ کونا غور سے دیکھئے گا یہاں پر فی الحال کچھ بھی نہیں ہے ڈاکٹر نے بات ختم کرتے ہی بٹن پریس کیا تو فلم چلنے لگی افسر علی غور سے اسی کونے کو دیکھ رہا تھا جس کی نشاندہی ڈاکٹر نے کی تھی اور پھر افسر علی کے رونگٹے کھڑے ہو گئے خوف کی وجہ سے اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے ٹمٹمانے لگے کیونکہ اس کونے میں اچانک ہی ایک سایہ نمودار ہونے لگا تھا وہاں پر یوں لگتا تھا جیسے کسی انسان کی پرچھائی ہو پھر اس سائے کا حجم آہستہ آہستہ بڑھنے لگا اور چھت کے ساتھ مل گیا۔

اب آپ کا کیا کہنا ہے اس سائے کے بارے میں۔ ڈاکٹر شان نے سرگوشی کی تو افسر علی چونک گیا وہ بہت ہی انہماک سے سائے کو دیکھ رہا تھا افسر علی نے شکستہ لہجے میں جواب دیا۔

ڈاکٹر شان یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ کوئی الیکٹرانک پرابلم ہو میرا مطلب ہے ویڈیو کیمرے یا پھر لائٹ وغیرہ کی خرابی ہو۔

ڈاکٹر شان خاموشی سے افسر علی کے سپاٹ چہرے کو گھور رہا تھا۔ پھر اس نے سر کھجاتے ہوئے کہا ٹھیک ہے میں آپ کی بات سے اتفاق کر لیتا ہوں مگر دس سال پہلے والی ویڈیو بھی ایک بار دیکھ لیں شاید آپ کی تسلی ہو جائے۔

افسر علی کا دل ڈوب رہا تھا وہ یہ سب ماننے پر آمادہ نہیں تھا مگر اس کے دل میں شک کی دراڑ پڑ چکی تھی۔ جس کی بھرپائی بھی توجہ طلب تھی اس نے اثبات میں گردن کو جنبش دی تو ڈاکٹر نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

پرانی ویڈیو فلم کو ہم ہاسپٹل سے ملحقہ سٹور روم میں رکھتے ہیں اور سٹور روم ہاسپٹل کے عقبی حصہ میں ہے ہمیں وہیں جانا ہوگا۔

افسر علی خاموشی کے ساتھ ڈاکٹر کے پیچھے پیچھے چلنے لگا وہ لوگ کوریڈور کو کراس کرتے ہوئے لابی میں پہنچے اور پھر عقبی دروازے سے نکل کر عمارت کے عقبی حصہ میں آ گئے یہاں پر چھوٹا سا صحن تھا اور برگد کے درخت کے سائے میں ایک چھوٹا سا کمرہ بنا ہوا تھا جس کے باہر ایک بوڑھا چوکیدار کرسی پر ہ اجمان ڈائجسٹ پڑھنے میں مصروف تھا ان دونوں کو اپنی طرف بڑھتا ہوا دیکھ کر چوکیدار کھڑا ہو گیا افسر علی نے حیرانگی سے درخت کو دیکھا یہ پت جھڑ کا موسم نہیں تھا پھر بھی اس کے پتے جھڑ رہے تھے صحن کی گھاس پر زرد پتوں کی

بھنات تھی قریب آنے پر چوکیدار نے انہیں سلام کیا ان دونوں نے سلام کو جواب دیا تو ڈاکٹر شان نے چوکیدار سے کہا۔

عثمان دروازہ کھولو۔ اس نے جلدی سے حکم کی تعمیل کی اور جیب سے چابی نکالی اور لاک کھول کر اس نے ایک ہاتھ سے دھکا دے کر دروازہ کھولنا چاہا مگر دروازہ ٹس سے مس نہ ہوا گویا اندر سے ہی بند ہو چکا تھا۔ چوکیدار نے حیرانگی سے دروازے کی سمت دیکھا اور منہ میں بڑبڑایا اسے کیا ہو گیا ہے یہ تو ٹھیک ٹھاک تھا۔ پھر اس نے اپنا کندھا دروازے سے ٹکایا اور پاؤں زمین پر جما کر پوری قوت سے دروازے پر صرف کر دی پھر کہیں جا کے دروازہ فرش کے ساتھ گھستا ہوا کھلتا چلا گیا وہ دونوں اندر داخل ہو گئے۔ ڈاکٹر شان نے بٹن دبا کے بلب آن کیا تو بلب ہچکولے کھاتا ہوا روشن ہو گیا۔ اس کمرے میں تین ریک رکھے ہوئے تھے جن کے خانوں میں گتے کے ڈبے ترتیب سے رکھے ہوئے تھے جو گرد سے اٹے ہوئے تھے۔ اس کمرے میں دروازے کے ساتھ ہی کمپیوٹر رکھا ہوا تھا جس کو کپڑے سے ڈھانپ رکھا تھا ڈاکٹر نے دھول سے اٹا ہوا کپڑا اتار کے ایک طرف پھینک دیا اور پھر کمپیوٹر کو آن کیا جیسے ہی کمپیوٹر آن ہوا تو ڈاکٹر ایک ریک کی جانب بڑھا ریک میں ایک سے ڈبے کو اٹھا کر تھوڑی دیر تک ان کی ڈیٹ اور نام دیکھتا رہا۔ مختصر سی تگ و دو کے بعد ڈاکٹر کو مطلوبہ ڈبہ مل گیا ڈاکٹر نے پھونک ماری تو ڈبے کے اوپر سے گرد کا معمول سا غبار ہوا میں بلند ہو کر ہوا میں ہی معلق ہو گیا ڈاکٹر شان نے ڈبے میں سے ڈسک نکال کر کمپیوٹر کی جانب بڑھا تو افسر علی کی نظر اس کمرے کے کونے میں

پڑی جہاں پر چوکیدار ریک سے ٹیک لگائے مسکرا رہا تھا اس کی نظروں کا محور افسر علی ہی تھا افسر علی نے اس کی مسکراہٹ کو نظر انداز کرتے ہوئے چہرہ موڑ لیا پھر اچانک ہی کمرے کے باہر سے چوکیدار نے اندر جھانکا اور بولا۔

صاحب چائے لاؤں آپ کے لیے اس کے الفاظ بم بن کر افسر علی پر گرے افسر علی کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ لڑکھڑا گیا اس نے گرتے ہوئے ایک ریک کی سلاخوں کو مضبوطی سے تھام لیا اس نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا جہاں پر چند لمحے پہلے چوکیدار کھڑا مسکرا رہا تھا مگر کمرہ خالی تھا اس میں صرف ڈاکٹر شان اور افسر علی ہی موجود تھے افسر علی کے حلق سے گھٹی گھٹی سی آواز نکلی یہ چوکیدار چند لمحے پہلے اندر تھا۔ اس نے چوکیدار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ مگر یہ اتنی جلدی نظر میں آئے بغیر باہر کیسے چلا گیا ڈاکٹر شان نے جلدی سے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھی اور افسر علی کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا جبکہ چوکیدار آنکھیں پھاڑے افسر علی کو دیکھ رہا تھا اس کی آنکھوں میں بے یقینی اور حیرت کا ملا جلا تاثر پنہاں تھا افسر علی سیدھا ہو کر کھڑا ہو گیا اس نے ایک دفعہ پھر کمرے کا طائرانہ جائزہ لیا مگر کمرے میں ان دونوں کے علاوہ کوئی نہیں تھا ڈاکٹر شان نے ایک فلم پلے کی ایک پندرہ یا سولہ سترہ سالہ لڑکی فرش پر بیٹھی اپنے ناخنوں سے دیوار کھرچ رہی تھی اس کے ناخن ٹوٹ رہے تھے اور اس کی انگلیاں خون آلود ہو چکی تھیں مگر وہ اس درد سے بے نیاز دیوار کا پلستر کھرچنے میں مصروف تھی اور ساتھ ہی وہ ایک بھاری مبہم آواز میں ان الفاظ کا ورد کر رہی تھی جاذلاش یمنی ازنیم۔ پھر اچانک ہی وہ نارمل ہو گئی

اور اس نے سسک کر رونا شروع کر دیا۔ اور اپنے زخمی ہاتھ کو دبانے لگی اسے اب تکلیف کا احساس ہو رہا تھا اس نے روتے ہوئے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

مجھے چھوڑ دو۔۔خدا کے لیے مجھے چھوڑ دو پھر اس لڑکی نے دردناک چیخ مارتے ہوئے چھت پر لگے پنکھے کی طرف اشارہ کیا اور چلائی کوئی ہے خدا کے لیے کوئی تو مجھے اس پرچھائی سے بچاؤ وہ سامنے ہے پنکھے سے چمٹی ہوئی ہے پلیز خدا کے لیے مجھے یہاں سے نکالو۔

جیسے ہی لڑکی نے اپنی بات مکمل کی ڈاکٹر شان نے ویڈیو روک دی اور افسر علی کی توجہ پنکھے کی جانب کرواتے ہوئے بولا اب آپ اس پنکھے کو غور سے دیکھنے کہ شاید آپ کو یقین آ جائے پھر ڈاکٹر نے فلم پلے کر دی اور ساتھ ہی پنکھے پر سیاہ سایہ نظر آنے لگا۔ اس پرچھائی کے واضح ہوتے ہی پنکھا معمولی سی جنبش کرنے لگا تھا پھر وہ پرچھائی غائب ہوگئی اور اس لڑکی کی درد بھری چیخیں گونجنے لگیں تھیں ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ پرچھائی نادیدہ طور پر اس لڑکی پر تشدد کر رہی ہو۔ پھر وہ لڑکی یک لخت ہوا میں کسی روئی کے گالے کی طرح بلند ہوئی چھت سے ٹکرائی اور اس کا سر لہولہان ہو گیا پھر وہ کٹے ہوئے شہتیر کی مانند فرش پر آن گری اور اس کی گردن ٹوٹ کر ایک طرف ڈھلک گئی اس کے حلق سے چند لمحوں تک غوں غاں کی آوازیں نکلتی رہیں پھر خاموشی چھا گئی افسر علی کا یہ سب دیکھ کر دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا اس کے خون کی گردش تیز ہوگئی تھی اور باعث خوف اس پر سکتے کی سی کیفیت طاری ہوگئی تھی پھر ڈاکٹر شان نے کمپیوٹر کو آف کر دیا اور وہ دونوں کمرے سے باہر آ گئے چوکیدار کن انکھیوں سے افسر علی کو دیکھ رہا تھا اس نے سلام کرتے ہوئے دروازے کو پکڑ کر زور سے بند کرنے کی کوشش کی مگر دروازہ بڑے ہی آرام سے بند ہو گیا چوکیدار حیرانگی سے دروازے کو دیکھ رہا تھا اس نے دو تین بار دروازے کو کھولا اور بند کیا مگر اب دروازہ فرش سے رگڑ نہیں کھا رہا تھا۔ افسر علی بھی حیرانگی سے چوکیدار کو دروازہ بند کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا اسی کشمکش میں مبتلا افسر علی ڈاکٹر شان کے پیچھے چلتا ہوا ہاسپٹل کے اندرونی حصے کی جانب بڑھنے لگا چلتے ہوئے ڈاکٹر شان نے تاسف سے پوچھا۔

افسر علی صاحب اب بتائیں کہ آپ کی رائے کیا ہے کیا جو کچھ آپ نے ابھی دیکھا جیسے پہلے دروازے کا فرش سے گھس کر کھلنا پھر آپ کو چوکیدار کی موجودگی کا کمرے میں احساس ہونا اور ویڈیو فلمز کے متعلق آپ کی سوچ کیا ہے۔

افسر علی کی زندگی میں ایسے واقعات پہلے رونما نہیں ہوئے تھے مگر ان ثبت پہلوؤں کے آگے وہ اپنے آپ کو کمزور محسوس کر رہا تھا اس کی سوچ کا دائرہ کار اس پرچھائی میں الجھ کر رہ گیا تھا افسر علی نے تذبذب سے جواب دیا۔

ڈاکٹر صاحب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ کوئی نادیدہ مخلوق میری بیٹی پر اثر انداز ہو رہی ہے اس لیے مجھے اس مسئلے کو سلجھانے کے لیے کوشش کرنا ہوگی تاکہ میری بیٹی پر کوئی آنچ نہ آئے۔

ویری گڈ افسر علی۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ نے اپنی بوسیدہ سوچ کو بالائے طاق رکھ کر ایک اچھا فیصلہ کیا ہے اور آپ کے لیے میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ ایک دفعہ کسی فقیر پیر کے پاس لازمی جائیں

کیوں نہیں میں ہر ممکن کوشش کریں گا کہ کوئی بہترین تدبیر میری بیٹی کی زندگی آسان کر دے لیکن مجھے آپ اس ایک ریکوسٹ کرنی ہے۔

جی جی بولیے اگر آپ مجھے اینا کی بنائی گئی ویڈیو فلم کی ایک کاپی دے دیں تو آپ کا احسان ہوگا۔ اس کے بعد افسر علی نے چند منٹوں کے لیے اینا کو دیکھا مگر اسے کمرے میں جانے کی اجازت نہ ملی کیونکہ اینا پر پرچھائی کا اثر تھا اس کے بعد افسر علی اینا کی فلم کی ڈسک لے کر گھر کے لیے روانہ ہوگیا۔

وہ گھر آنے کی بجائے ایک پیر کے پاس جا پہنچا اس پیر کے متعلق وہ اخبارات میں اشتہارات دیکھتا رہا تھا اس لیے وہ سیدھا آستانے پر پہنچا کیونکہ اعصاب شکن حالات نے افسر علی کے اعصاب چٹخا دئے تھے اور وہ جلد از جلد اس مسئلے کا حل چاہتا تھا جب افسر علی آستانے میں داخل ہوا تو اگربتیوں کی ناگوار سمل نے اس کا استقبال کیا اندر لال رنگ کی ہلکی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور پیر صاحب چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے اور اس کا ایک مرید چارپائی کے قریب زمین پر بیٹھا ہوا تھا اور پنکھے سے ہوا دے رہا تھا۔ پیر صاحب تسبی پڑھنے میں مصروف تھا افسر علی نے سلام کیا اور پیر صاحب کے سامنے نیچے زمین پر بچھے ہوئے قالین پر بیٹھ گیا۔ مرید اور پیر دونوں نے افسر علی کے مہنگے سوٹ بوٹ کو غور سے دیکھا اور پھر مرید ڈرامائی انداز میں بولا۔

بچہ تو پیر سائیں کنڈلی شاہ کے دربار پر آیا ہے بتا کھل کے اپنا مسئلہ بتا تمہارا ہر الٹا کام سیدھا ہو جائیگا پیر سائیں کے اکیس موکل ہیں ہر توڑ کا حل ہے ان کے پاس۔

مرید نے رٹے رٹائے الفاظ دہرائے اسکے لہجے میں ظاہر تھا کہ وہ افسر علی کی شخصیت سے متاثر ہو کر اپنے جال میں پھنسانا چاہتا تھا کیونکہ وہ اسے موٹی آسامی سمجھ کر لوٹنا چاہتا تھا اپنی بات مکمل کرنے کے بعد اس نے پیر صاحب کی طرف دیکھا گویا اپنے انداز پر داد وصول کرنا چاہتا ہو افسر علی نے تمام قصہ ان کے گوش گزار اتو مرید بولا۔

تمہارا کام ہو جائے گا بچہ تو جا اور بے فکر ہو جا اور بس اپنی بیٹی کا خیال رکھا اور اکیس دن بعد آ کر تعویذ لے کر جا جس پر پیر صاحب اکیس دن تک چلا کاٹیں گے مرید کا انداز ڈرامائی تھا اور وہ لہہ میں بولنے کی کوشش کرتا تھا افسر علی نے فکر مندی سے کہا۔

مگر میری بیٹی کے پاس اکیس دن نہیں ہیں اگر چار یا پانچ دنوں میں کوئی حل نکل آئے تو بڑی نوازش ہوگی۔

مرید نے پریشانی سے پیر کی طرف دیکھا تو پیر صاحب نے ایک ادا سے گردن کو ہاں میں جنبش دی تو مرید فٹ سے بولا۔

ٹھیک ہے ہو جائے گا مگر اس کا ہدیہ زیادہ ادا کرنا پڑے گا کیونکہ اکیس دن کا چلہ چار دنوں میں پورا کرنا مشکل ہے۔

بات ختم کرنے کے بعد مرید افسر علی کو گھورنے لگا وہ اس کے جواب کا منتظر تھا اور افسر علی کو یقین ہوتا جا رہا تھا کہ یہ دونوں ڈھونگی ہیں مگر پھر بھی اس نے با دل نخواستہ ہدیہ کے متعلق پوچھا تو مرید کی باچھیں کھل گئیں اور وہ کسی ٹیپ ریکارڈ کی طرح شروع ہو گیا۔

ایک کالا بکرا ایک دیسی مرغ وہ بھی کالا دس

گز ریشمی سیاہ کپڑا اور ساتھ میں ہزار روپے اور تمہارا کام سو فیصد کارنٹی سے ہوگا۔

افسر علی ایک باشعور انسان تھا اور پیر مرید کے ڈھونگ کو بخوبی سمجھ پا رہا تھا تم لوگ میری مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہو تمہیں اس بات سے کوئی غرض نہیں ہے کہ کسی معصوم انسان کی زندگی خطرے میں ہے تمہیں غرض ہے تو بس اپنا پیٹ بھرنے کی کوئی مرے یا زندہ رہے تمہیں کوئی فکر نہیں ہے اور مجھے یہ بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ تم انسان کہلانے کے بھی لائق نہیں ہو۔ کیونکہ تم لوگ معصوم لوگوں کو لوٹتے ہو افسر علی بولا تو پھر بولتا ہی چلا گیا۔ پیر اور مرید ہکا بکا افسر علی کا منہ دیکھ رہے تھے پھر مرید چلا کر بولا۔

ارے واہ نا نہجار بد دماغ پیر صاحب کی توہین کر رہے ہو دفع ہو جاؤ اور جس طرح بھوت پریت اور پرچھائی ہر کام الٹا کرتی ہے بالکل اسی طرح تمہارا بھی ہر کام الٹا جائے گا۔ مرید کے منہ میں جو بھی الٹا سیدھا آیا اس نے بک دیا مگر افسر علی کے ذہن میں جھماکا سا ہوا کیونکہ مرید انجانے میں ایک ایسی بات کہہ گیا تھا جس نے افسر علی کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

الٹا۔ بھوت پریت پرچھائی ہر کام الٹا کرتے ہیں ان کے وجود کی عکاسی ان کے پاؤں کرتے ہیں جو کہ الٹے ہوتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ بھوت پریت یا پرچھائی وغیرہ بولتے بھی الٹا ہی ہوں گے اس خیال کے آتے ہی افسر علی وہاں سے چل دیا جبکہ مرید اور پیر صاحب اسے بیوقوفوں کی طرح تکتے رہ گئے۔

افسر علی نے گھر آ کر اینا کی ویڈیو فلم دیکھنی شروع کر دی وہ خوفناک آواز میں کہہ رہی تھی۔

اریم مان ربیط۔ اینا نے بار بار یہی الفاظ دہرائے تھے وہ اضطرابی کیفیت میں سگریٹ سلگایا اور ایک گہرا کش لے کر سگریٹ کو ایش ٹرے میں رکھ دیا۔

وہ ذہنی دباؤ کا شکار ہو رہا تھا اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا اس انٹرنیٹ پر بھی یہ الفاظ ڈال کر ریسرچ کی مگر بے سود ان الفاظ کا مطلب پتہ نہ چلا آخر یہ کون سی زبان ہے وہ زیر لب بڑبڑایا اور اس نے سگریٹ کا کش لے کر سگریٹ دوبارہ ایش ٹرے میں رکھ دی اس نے کاغذ پنسل اٹھائی اور پہلے لفظ کو غور نے لگا وہ اریم۔ لفظ تھا اس کے ذہن میں ایک ہی لفظ گونج رہا تھا الٹا الٹا۔ پھر اس نے سب سے پہلے کاغذ پر م اور پے لکھا اس کے بعد لفظ رتھا پھر آخری لفظ الف تھا اس نے لفظ رایم کو الٹی طرف سے کاغذ پر لکھ لیا تھا پھر اس نے ان الفاظوں کو الٹی طرف سے جوڑ کر لکھنا شروع کیا پہلے م تھا پھر پے اس نے جملا کر لکھا تو لفظ میر بن چکا تھا آگے الف تھا اس نے ساتھ لگایا تو لفظ میرا بن چکا تھا پھر اس نے لفظ مان کو لیا پہلے اس نے ن لکھا آگے الف اور م تھا اس نے ن اور الف کو ملایا۔ تو لفظ نا بن گیا اس نے آخری لفظ م جوڑا تو لفظ نام بن چکا تھا پھر اس نے بالترتیب تمام ویڈیو دیکھیں اور تمام الفاظ کو نوٹ پیڈ پر لکھ لیا اور اس نے ان کو الٹی جانب سے جوڑنا شروع کر دیا۔ تو چھوٹی سی عبارت بن چکی تھی۔ جس نے افسر علی کے رونگٹے کھڑے کر دیئے تھے وہ عبارت کچھ اس طرح سے تھی۔

میرا نام ہے ظہیر اور مجھے آزادی چاہیے اگر مجھے آزادی نہ ملی تو میں کسی کو بھی نہیں چھوڑوں گا

میں سب کو اذیت دوں گا اور بلا آخر موت انسانوں کا مقدر بنے گی اور میں تمہیں بھی ماردوں گا نا سمجھ لڑکی تمہیں کوئی بچا نہیں سکتا۔

اینا نے بار بار یہی الفاظ دہرائے تھے افسر علی کو اپنی بیٹی کی فکر لاحق ہوئی تھی کیونکہ اینا پر سوار پر چھائی اینا کو یہ باور کرانے کی کوشش کر رہی تھی کہ اسے آزادی چاہیے اور اگر اسے آزادی نہ ملی تو یقیناً اینا کو وہ موت کے گھاٹ اتار دے گی اس نے سوچتے ہوئے سگریٹ اٹھا کر کش لینا چاہا تو اس کی دبی دبی سی چیخ نکل گئی وہ جھٹکے سے کرسی سے اٹھ گیا کیونکہ اس کے ہاتھ میں انسان کی کٹی ہوئی انگلی پکڑی ہوئی تھی جو کہ خون آلود اس نے جلدی سے انگلی دور پھینک دی اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا افسر علی نے غیر ارادی طور پر انگلی ہونٹوں سے لگائی تھی کیونکہ ذہنی انتشار کی بدولت اسے پتہ نہیں چلا کہ اس کے ہاتھ میں سگریٹ نہیں بلکہ کٹی ہوئی انگلی پکڑی ہوئی ہے اب اسے اپنے ہونٹوں پر چپچپاہٹ محسوس ہو رہی تھی اس نے اپنے ہونٹوں کو رگڑ ڈالا پھر اس نے انگلی کی جانب دیکھا تو حیرت سے دنگ رہ گیا کیونکہ اب اس جگہ پر کٹی ہوئی خون آلود انگلی نہیں بلکہ سگریٹ پڑا تھا۔ اسنے جلدی سے اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا وہ خون آلود تھا اسی وقت لائٹ ڈیم ہونا شروع ہوگئی۔ آہستہ آہستہ لائٹ مدہم ہوتے ہوئے چلی گئی افسر علی جلدی سے بیڈ پر دبک کر بیٹھ گیا دوسرے کمرے میں بانیا سو رہی تھی اس کا دل چاہا کہ وہ اسے آواز دے کر بلائے پھر یہ سوچ کر خاموش رہا کہ وہ یہ سب برداشت نہیں کر پائے گی افسر علی کی نظر اچانک ہی کھڑکی سے باہر گئی تو سٹریٹ کا بلب آن تھا اس کا مطلب تھا کہ لائٹ صرف اس کے کمرے کی ہی آف ہوئی تھی افسر علی اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے حکمت عملی بنا ہی رہا تھا کہ اچانک لائٹ آ گئی افسر علی نے سکھ کا سانس لیا اچانک ہی ٹیبل پر رکھے اوراق اور اخبارات وغیرہ خود بخود اڑنے لگے اور چلتے ہوئے پنکھے سے ٹکرا کر پرزوں میں تقسیم ہو کر نیچے گرنے لگیں۔ تمام کاغذات پھٹ رہے تھے پورا کمرہ کاغذوں سے بھر گیا مگر بیڈ پر کوئی کاغذ یا پرچی نہ گری تھی اچانک کاغذات اڑنا بند ہوگئے افسر علی کا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ وہ کافی دیر سہما بیٹھا رہا مگر کمرے میں مزید غیر معمولی حرکت نہیں ہو رہی تھی اس نے آہستگی سے اٹھنا چاہا تو اسے اپنے ہاتھ کے نیچے کاغذ کا احساس ہوا اس نے اٹھنے کا ارادہ ترک کر کے پانی ہتھیلی کے نیچے سے کاغذ اٹھا کر دیکھا یہ ایک اخبار میں کٹی ہوئی پرچی تھی جس پر صرف یہ حروف باقی رہ گئے تھے 15to1986 افسر علی نے چند لمحوں تک کاغذ کو غور سے دیکھا پھر نیچے پھینک کر کھڑا ہوگیا اور بانیا کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

صبح ہوتے ہی افسر علی نے بانیا کو اپنی بہن کے گھر چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔ کیونکہ رات کو ہونے والے واقعے نے افسر علی کو ڈرا دیا تھا اسے بانیا کی فکر لاحق ہوگئی تھی اور وہ بانیا کو اس معاملے میں سے دور رکھنا چاہتا تھا اس نے بانیا کو کسی طرح راضی کر لیا کہ وہ اس کی بہن کے گھر چند دن گزار آئے بانیا بھی ماحول کی سنگینی کی بدولت مان گئی اس نے بانیا کو گاڑی میں بٹھا کر گاڑی باہر نکالی اور پھر دروازے کو لاک کرنے کی غرض سے دروازے کی سمت بڑھا اور تالا لگانے لگا اچانک

ہی اس کی نظر دروازے کے ساتھ دیوار پر لگی نیم پلیٹ کی جانب اٹھ گئی۔ تو اس کی آنکھیں پھیل گئیں کیونکہ وہاں پر لکھا ہوا تھا تعمیر 1986 رات کو ہونے والا واقعہ اس کی نظروں کے سامنے گھوم گیا۔ رات کو کمرے میں اتنے زیادہ کاغذات اڑ رہے تھے مگر اس کے ہاتھ کے نیچے صرف ایک ہی کاغذ آیا جس پر لکھا ہوا تھا 15to1986 یعنی 1986 میں یہ مکان بنا تھا اور پندرہ کا مطلب یہ پلیس کا نمبر بھی ہوسکتا ہے کہ ظہیر نامی شخص کے ساتھ 1986 میں کوئی حادثہ رونما ہوا تھا مگر اب اس بات میں کتنی سچائی پنہاں تھی یا یہ محض افسر علی کا مفروضہ تھا اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔

افسر علی بابا کو چھوڑ کر شہر کی پرانی لائبریری میں پہنچا یہاں پر ہر طرح کی نئی پرانی کتابیں مل جاتی تھیں جبکہ اس کے علاوہ اس کی خاص بات یہ بھی تھی کہ یہاں پر پرانی اور نئی اخبارات کا ریکارڈ بھی رکھا جاتا تھا۔ افسر علی پیر صاحب سے ناامید ہو چکا تھا اور تب تک یہ کچھ نہیں کرسکتا تھا جب تک ظہیر نامی شخص کے بارے میں جان نہ لیتا اور پرچھائی کا راز جاننے کے لیے یہ سب حد ضروری تھا۔ وہ لائبریری اس لیے آیا تھا کہ اس پرچھائی نے 1986 کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اور روح اس وقت بھٹکتی ہے جب اس کے ساتھ کوئی اندوہناک حادثہ ہوا ہو اور اگر اس وقت کوئی قتل کا واقعہ ہوا تھا تو اس بات کی قوی امید تھی کہ اس کا تذکرہ اخبارات میں ہوا ہو فی الحال افسر علی یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ کس حد تک کامیاب ہوگا مگر اندھیرے میں پتہ چلانا کارگر بھی ہوسکتا تھا افسر علی کو لائبریرین ایک بوسیدہ سے

کمرے میں لے آیا یہاں پر اخباروں کے انبار رکھے ہوئے تھے اس نے کوٹ اتار کر ایک جانب رکھا اور آستین چڑھا کر اخباروں کو کھنگالنے میں مصروف ہوگیا دو گھنٹے تک لگاتار وہ اخباروں کے انباروں کو الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا مگر بے سود بالآخر وہ تھک ہار کر زمین پر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا ابھی تک اس نے چند اخباروں کے بنڈل چیک کیے تھے اور وہ اکتا گیا تھا اس کو آہستہ آہستہ سردی کا احساس ہونے لگا اس کمرے میں پنکھا نہیں تھا اور پہلے اسے اچھی خاصی حبس محسوس ہو رہی تھی اور وہ پسینے سے شرابور ہو چکا تھا سردی کا احساس بڑھنے کے ساتھ کمرے میں دھند بھی چھانے لگی افسر علی سمٹ کر بیٹھ گیا اسے احساس ہوگیا کہ پرچھائی کمرے میں موجود ہے اس نے کھڑے ہوتے دروازے کی جانب دیکھا وہ بھاگنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ دروازے کے پٹ کھڑاک سے آپس میں ٹکرائے اور دروازہ بند ہوگیا خوف سے افسر علی کے ہاتھ پاؤں کام کرنا چھوڑ گئے جبکہ افسر علی نے انگلی سے دروازے کی سمت دیکھ رہا تھا پھر اسے دروازے پر سائے کا احساس ہوا افسر علی نے آنکھیں سکیڑ کر غور سے دیکھنے کی کوشش کی وہ سایہ آہستہ آہستہ بڑھنے لگے اور پھر چند سیکنڈ میں ہی دروازے پر کالی پرچھائی واضح طور پر دکھائی دینے لگی وہ پرچھائی کبھی زمین سے جا لگتی اور کبھی دروازے کے اوپری سرے پر منڈلانے لگتی پھر وہ پرچھائی دیوار کے ساتھ ساتھ اخباروں کے انبار پر منڈلانے لگی اس نے افسر علی کے سامنے والی دیوار پر ایک چکر لگایا یوں لگتا تھا کہ جیسے وہ افسر علی کو متوجہ کرنا چاہتی ہو اچانک پرچھائی اخباروں کے انبار کے درمیان میں رک گئی وہ کافی دیر اسی

جگہ پر ساکت کھڑی رہی پھر وہ پرچھائی نیچے اترنے لگی اور زمین کے ساتھ مل گئی پھر تھوڑی دیر کے بعد پرچھائی غائب ہوئی دھند چھٹنے لگی سردی کا احساس جاتا رہا افسر علی کو اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ یہ پرچھائی افسر علی کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتی بلکہ اسے سراغ دے رہی ہے کہ وہ ظہیر کی کہانی جان سکے افسر علی نے اس جگہ سے اخبار نکالنا شروع کئے جہاں پر پرچھائی غائب ہوئی تھی دو تین اخباروں کے بعد افسر علی کے ہاتھ میں 1986 کا اخبار آ گیا جس کے فرنٹ پیج پر یہ خبر بڑی ہیڈ لائن میں شائع ہوئی تھی بینک ڈکیتی کیس میں ملوث بینک کا کیشئر روپوں سمیت گرفتار جبکہ ساتھی ظہیر فرار اس نے تفصیل پڑھنا شروع کی ایک مسلح شخص نے اس وقت بینک لوٹ لیا جب لنچ بریک کا ٹائم تھا وہ شخص بینک میں داخل ہوا اور گن پوائنٹ پر بینک کے عملے کو یرغمال بنا کر چالیس لاکھ روپے لے کر فرار ہو گیا افسر علی گہری سوچ میں ڈوب گیا اس گتھی کی کڑیاں خود بخود ملتی جا رہی تھیں اس کو اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ یہ پرچھائی اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتی اور آنیا کو وہ اس لیے مارنا چاہتی تھی کیونکہ آنیا اس کی باتیں سمجھنے سے قاصر تھی تو یہ پرچھائی میری رہنمائی کر رہی ہے اس خیال کے آتے ہی افسر علی نے اپنے کوٹ کی جیب سے موبائل نکالا اور اخبار کی تصویر بنالی اب اس کے ذہن میں صرف ایک ہی نمبر گھوم رہا تھا۔ 5 ..

آدھے گھنٹے کے بعد افسر علی متعلقہ تھانے میں بیٹھا ہوا تھا اس نے تھوڑی تذبذب کے بعد تمام قصہ انسپکٹر کے گوش گزار کر دیا تھا کہ کوئی

افسر علی کے لیے یہ بہت ہی مشکل کام تھا مگر اس نے الفاظوں کا ایسا جال بنا کہ انسپکٹر مبہوت سا ہو کر افسر علی کی کہانی سنتا رہا اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی پریشانی کی شکنیں دیکھ کر افسر علی نے موبائل سے اخبار کی فوٹو بھی دکھا دی انسپکٹر نے پچ اسکرین پر سرخی کو بڑا کر کے پڑھا اور پھر بولا۔

دیکھئے افسر علی صاحب یہ بہت ہی پرانا قصہ ہے پتہ نہیں اس کا ریکارڈ بھی ہوگا تھانے کے پاس کہ نہیں کہنا مشکل ہے یہ میری فیملی کی زندگی کا سوال ہے میں نہیں جانتا کہ میں اس میں کس حد تک کامیاب ہو سکتا ہوں مگر میرے دل کے کسی گوشے میں یہ صدا بلند ہوئی ہے کہ ظہیر نامی شخص کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے اور اگر اس کیس میں آپ میری کوئی ہیلپ کر سکتے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ مجھے آپ کے سینئر سے بات کرنا پڑے گی انسپکٹر نے برا سا منہ بناتے ہوئے ایک کانسٹیبل کو آواز دی اور ضروری ہدایت دینے کے بعد اسے رخصت کر دیا اور خود مختلف فائلز کی ورق گردانی میں مصروف ہو گیا جبکہ افسر علی اضطرابی کیفیت میں موبائل کو ہاتھ میں بار بار گھما رہا تھا کافی دیر کے بعد وہ کانسٹیبل دوبارہ کمرے میں وارد ہوا اور ایک فائل ٹیبل پر رکھ کر کمرے سے چلا گیا۔ انسپکٹر نے کن انکھیوں سے افسر علی کو گھورا اس کے چہرے سے شرمندگی عیاں تھی اس فائل کھولی اور پڑھنے لگا۔

21.1.1986 کو ہونے والی ڈکیتی میں گواہوں کے بیانات سے یہ بات سامنے آئی تھی کہ بینک میں صرف سوموار کو تیس سے چالیس لاکھ روپے آتے تھے جو لنچ ٹائم کے بعد ایک بینک کی سیکورٹی والی گاڑی تمام رقم لے جاتی ایک

برانچ میں جمع کروائی تھی لیکن اس بات کا علم بینک کے عملے کے سوا کسی کو نہیں ہوتا تھا پھر ایک منہ پر کپڑا لپیٹے ایک شخص بینک میں آتا ہے اور گن پوائنٹ پر عملے کو یرغمال بنا کر تمام رقم لوٹ کر فرار ہو جاتا ہے چہرہ چھپا ہونے کی وجہ سے کوئی مجرم کو نہ پہچان سکا پولیس نے بینک کے عملے کو شک کے گھیرے میں رکھتے ہوئے تفتیش شروع کی تو بینک کا کیشئر اس میں ملوث پایا گیا پولیس نے منور کا پیچھا کیا اور ایک مکان سے منور میں نا کہ سمیت گرفتار کر لیا گیا اور اسے چار سال کی سزا ہوئی لیکن بعد ازاں منور کو چھ ماہ بعد ہی رہا کر دیا گیا کیونکہ چوری کرنے والا شخص منور نہیں کوئی اور تھا اور منور اس وقت بینک میں ہی موجود تھا منور نے جس کا نام ظہیر بتایا تھا جو کہ واردات کے بعد سے فرار تھا پولیس نے اسے ڈھونڈنے کی کوشش کی مگر رقم مل جانے کی بدولت بینک نے اس کیس کی پیروی کرنا چھوڑ دی لہٰذا ظہیر کی گرفتاری کا عمل بھی نظر انداز ہو گیا انسپکٹر نے تفتیشی رپورٹ پڑھنے کے بعد افسر علی کی طرف دیکھا تو وہ بولا۔

انسپکٹر صاحب ضمیر کے ساتھ کوئی حادثہ ہوا ہے اور مجھے یقین ہے کہ اس معاملے کی اہم کڑی منور کی ذات ہے

آپ اتنا یقین سے کیسے کہہ سکتے ہیں انسپکٹر نے دریافت کرنا چاہا۔

انسپکٹر صاحب میں کوئی فرشتہ تو نہیں ہوں یا کوئی جن ہوں جو خود بخود یہاں تک پہنچ گیا ہوں بلکہ ظہیر خود چاہتا تھا کہ میں منور تک پہنچوں آپ کو میری ہیلپ کرنا ہوگی۔ انسپکٹر نے تحمل سے جواب دیتے ہوئے کہا۔

افسر علی ہم اس طرح منور کے خلاف ایکشن نہیں لے سکتے اور پھر اس واقعے کو پچیس سال بیت چکے ہیں لہٰذا سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ منور زندہ بھی ہے کہ نہیں اور دوسری اہم بات اگر آپ چاہتے ہیں کہ اس کیس میں پیش رفت ہو تو آپ کو منور کے خلاف ظہیر کی گمشدگی کی درخواست دائر کرنا ہوگی۔ ایسی صورت حال میں پولیس خود فعال ہو کر کام کرے گی اور کامیابی کی شرح سو فیصد ہو سکتی ہے افسر علی نے فوراً ہامی بھر لی۔

پولیس نے منور نامی شخص کو ڈھونڈ نکالا تھا جب افسر علی پولیس کے ہمراہ منور کے گھر پہنچا تو اس کا بیٹا انہیں ایک پرانے سے بوسیدہ کمرے میں لے گیا جب وہ اس کمرے میں داخل ہوئے تو ایک ضعیف آدمی جس کے سر اور داڑھی کے بال سفید ہو چکے تھے چارپائی پر بیٹھا ہوا تھا پولیس کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر وہ جھریوں سے بھرے وجود سے کانپتا ہوا بمشکل اٹھ کر بیٹھ گیا اس کی آنکھوں میں خوف در آیا تھا اور اس کا چہرہ فرط حیرت سے سرخ ہو گیا تھا افسر علی نے کمرے کا طائرانہ جائزہ لیا اس کمرے کا فرش نمی کی بدولت کئی جگہوں سے نیچے دب گیا تھا دیواروں کا پلستر بھی اکھڑا ہوا تھا اور یوں لگتا تھا کہ جیسے اس کمرے میں برسوں سے سفیدی نہ کی گئی ہو اور چھت پر جالوں کی بہتات تھی انسپکٹر نے منور کو مخاطب کیا معاف کیجئے گا بزرگو مگر آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہوگا وہ آدمی کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔

مگر کس جرم میں۔ منور کا بیٹا حیرت سے افسر علی کی طرف دیکھ رہا تھا اس نے غصہ سے کہا آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ کتنے معمر شخص ہیں آپ کو

لگتا ہے کہ یہ اس عمر میں جرم کریں گے آپ کی عقل گھاس چرنے تو نہیں گئی ہوئی ہے۔ افسر علی نے جواب دیا جرم انہوں نے اب نہیں بلکہ پچیس سال پہلے کیا تھا جس کا خمیازہ انہیں اب بھگتنا پڑے گا۔

یہ آپ کیا اول فول کہہ رہے ہیں۔ لڑکا ابھی تک غصہ میں تھا افسر علی نے منور کے جھکے ہوئے چہرے کی طرف دیکھ کر کہا۔

منور تم خود بتانا پسند کرو گے کہ تم نے ظہیر کے ساتھ کیا کیا تھا یا پولیس اس عمر میں تم سے اپنے طریقے سے سچ اگلوائے۔ افسر علی نے ڈرانے کی ایک کامیاب کوشش کی تھی منور سسکنے لگا تھا اس نے بمشکل لب کھولے۔

ظہیر میرا پیارا دوست تھا وہ اتنے سالوں تک پرچھائی بن کر میرے سر پر مسلط رہا وہ مجھے ہر رات ڈراتا رہا مگر اس نے کبھی مجھے مارنے کی کوشش نہیں کی حالانکہ اس پرچھائی کی وجہ سے میں پاگل ہونے کی آخری اسٹیج پر پہنچ جاتا تبھی وہ پرچھائی چند دنوں کے لیے غائب ہو جاتی اس واقعے کے بعد مجھے کبھی چین میسر نہیں آیا ہر وقت ہر لمحہ جو جو ظلم میں نے ظہیر پر کیا تھا اس کا پچھتاوا کسی زہریلے سانپ کی طرح مجھے ڈستا رہا حالانکہ اگر ظہیر کی پرچھائی چاہتی تو مجھے مار سکتی تھی مگر اس نے ایسا نہیں کیا مجھے پتہ تھا کہ اس کی روح بھٹک رہی ہے وہ مجھے اپنی موجودگی کا احساس دلاتا رہا شاید ظہیر نے مجھے اس لیے نہیں مارا کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ جو خون میرے ہاتھوں پر لگا ہے وہ میرے ہی اعتراف جرم سے دھلے اسی لیے اس نے اتنے سال انتظار کیا اور قدرت کو بھی میری روح ایسے قبض کرنا منظور نہیں تھا ورنہ میں اتنی لمبی زندگی کا حقدار نہیں تھا۔ ہاں یقیناً میں حقدار نہیں تھا اس زندگی کا اسی لئے میں اپنے جرم کا اعتراف کرتا ہوں میں نے ہی ظہیر کا قتل کیا ہے دولت نے میری آنکھیں چندھیا دی تھیں میری آنکھوں پر لالچ کی سیاہ پٹی بندھ گئی تھی چوری کرنے والی رات ہی جب ظہیر سو رہا تھا میں نے اس کے سر میں چھرا گھونپ دیا اس نے تڑپ تڑپ کر جان دے دی اس کی آنکھوں میں ایک ہی سوال تھا کیوں آخر کیوں میں نے دوستی جیسے لازوال رشتے کو دغا دے دیا انسپکٹر صاحب مجھے تختہ دار پر لٹکا دیں کیونکہ اس سے کم سزا کا مطلب ظہیر کے ساتھ ناانصافی ہوگا۔ منور اپنی بات مکمل کرنے کے بعد بلک بلک کر رونے لگا تھا جبکہ انسپکٹر نے ستائشی نظروں سے افسر علی کی طرف دیکھا وہ خوش تھا کہ افسر علی نے ایک مجرم کو پچیس سال بعد کیفر کردار تک پہنچایا۔

افسر علی نے گھر سے باہر نکل کر ڈاکٹر کو کال کی دوسری جانب سے ڈاکٹر نے فون اٹھایا تو افسر علی نے پوچھا۔ ڈاکٹر صاحب میری آمنہ کیسی ہے۔ ڈاکٹر نے خوشی سے جواب دیا۔ ٹھیک از آل رائٹ مسز افسر علی دو دن سے اس پر کوئی دورہ نہیں پڑا ہے اگر مزید دو دن اسی طرح گزر گئے تو آپ اسے گھر لے جا سکتے ہیں مجھے لگتا ہے کہ آپ نے حل ڈھونڈ لیا ہے۔ ڈاکٹر اور افسر علی مسکرانے لگے تھے افسر علی نے آسمان کی طرف دیکھا اسے اپنے سر کے اوپر ایک سیاہ بادل کا ٹکڑا دکھائی دیا جو اوپر آسمان کی جانب محو پرواز تھا ظہیر کو انصاف مل گیا تھا اسے آزادی مل گئی تھی۔

قارئین کرام کیسی لگی میری کہانی اپنی رائے سے مجھے ضرور نوازیئے گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔

گو کہ میں اسے اپنا وہم بھی گردان سکتا تھا مگر میری چھٹی حس مجھے خطرے سے آگاہ کر رہی تھی یقیناً گھر میں کوئی تھا یہ آتے ہی خوف کی سرد لہر میرے پورے وجود میں سرایت کر گئی سر تا پا میرا پورا جسم پسینے میں نہا گیا میرا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا جب ہی میرے کانوں نے نیچے سے آتی ہوئی ایک اور آواز سنی یہ آواز دروازے کے چرچرانے کی تھی میرے کان کھڑے ہو گئے یہ سب میرا وہم نہیں تھا کوئی نہ کوئی گھر میں موجود تھا مجھے یہاں سے نکل جانا چاہیے میں نے سوچا اور فوراً اسے بستر بیڈ سے اٹھ کر بغیر کوئی آواز پیدا کیئے احتیاط سے چلتا ہوا کھڑکی تک آیا میرا پورا وجود خوف سے لرز رہا تھا میری پوری کوشش تھی کہ انجانے سے بھی مجھ سے کسی قسم کی آواز پیدا نہ ہو اسی لمحے سیڑھیاں چڑھتی ہوئی بھاری بوٹوں کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا آواز سے ایک سے زائد لوگ معلوم ہوتے تھے جواب کسی بھی لمحے دروازہ توڑ سکتے تھے میں ہراساں نگاہوں سے دروازے کو گھور رہا تھا مجھے یہاں سے ہر حال میں نکلنا تھا میں نے اپنی سوچ کو عملی جامہ پہنایا اور اگلے ہی لمحے بغیر کوئی آواز پیدا کیئے آہستگی سے کھڑکی کھول کر باہر گیراج کی چھت پر کود گیا گیراج کی چھت پر کودنے سے زیادہ آواز پیدا نہ ہوئی جس پر میں نے شکر ادا کیا اور بغیر کوئی لمحہ ضائع کیے گیراج کی چھت پر تیزی سے مگر بغیر کوئی آواز پیدا کیئے احتیاط سے چلنے لگا۔ چاند کی آخری تاریخیں تھیں جس وجہ سے گھپ اندھیرا ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھا ٹھنڈی ہوا میں ہر طرف سرد اس تھیں گلیاں سڑکیں ذی روح سے خالی اور سنسان تھیں میں اپنے تمام ہمت اور حوصلے کے ساتھ چلا جا رہا تھا بلآخر چھت کے کنارے پر آ کر میں نے پانی کے موٹے پائپ کو تھاما اور اس کی مدد سے نیچے کی جانب پھسلتا چلا گیا۔ کچھ ہی لمحوں میں میرے پیروں نے زمین کو چھویا میں اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ گارڈن میں ایستادہ تھا پھسلنے کے باعث مجھے ہلکی سی بھی خراش نہ آئی تھی لیکن ہاتھ ضرور سن ہو کر رہ گئے میں نے وہیں کھڑے اوپر کمرے کی کھڑکی کو دیکھا جہاں سے کچھ دیر قبل میں بھاگ کر آیا تھا وہاں اب روشنی جل رہی تھی گھر میں جو کوئی بھی تھا اب وہ کمرے میں موجود تھا میں جھرجھری لے کر رہ گیا یہ سب کس قدر عجلت میں ہوا تھا اگر میں ٹھیک وقت میں کمرے سے نہ بھاگا ہوتا تو نجانے وہ نامعلوم افراد میرا کیا حشر کرتے ایسا سوچتے ہی میری ریڑھ کی ہڈی میں خوف کی لہر دوڑ گئی بہرحال وہ لوگ اب بھی اندر موجود تھے اور مجھے یہاں سے نکلنا تھا میں نے دبے پاؤں چلتے ہوئے گارڈن کو عبور کیا اور مین گیٹ تک آ کر اسے آہستگی سے کھول کر باہر آ گیا چار سو اندھیرے ویرانے اور سناٹے کے سوا کچھ نہیں تھا میں نے ایک طائرانہ نگاہ چار سو ڈالی اور بغیر کوئی لمحہ ضائع کیے جتنا تیز بھاگ سکتا تھا بھاگنے لگا ہر طرف ہو کا عالم تھا تمام جن و انس سے دنیا خالی معلوم ہوتی تھی گہرا اندھیرا اور خاموشی ہر چیز پر مسلط تھی مگر میں ہر چیز سے بے نیاز بس بھاگتا جا رہا تھا میرا اسانس دھونکنی کی مانند چل رہا تھا خوف تھا کہ بری طرح مجھ پر اپنے پنجے گاڑے ہوئے تھا بھاگتے بھاگتے میں گھنے جنگل میں داخل ہو گیا یہاں بھی گہرا اندھیرا اپنے پر پھیلائے ہوئے تھا مگر یہیں اخوف ہی تھا جس کے باعث

میں جنگل میں چھائے گہرے اندھیرے کو روندتا چلا گیا اور جلد ہی جنگل سے باہر ایک بار پھر سڑک پر دوڑنے لگا۔ یہ ایک طویل سڑک تھی جس کو عبور کر کے میں انڈر گراؤنڈ میں داخل ہو گیا پچھلے پندرہ منٹ سے مسلسل بھاگنے کے باعث میرے اعصاب جواب دینے لگے تھے مگر مجھ پر چھایا خوف مجھے رکنے نہیں دے رہا تھا سو میں بھاگتا رہا یہاں تک کہ انڈر گراؤنڈ عبور کر کے ایک بار پھر سڑک پر بھاگنے لگا اس سے آگے شاید میری ہمت جواب دے جاتی مگر یہ جان کر مجھے بے حد خوشی کا احساس ہوا کہ میں رہائشی علاقے میں پہنچ چکا تھا بالآخر اپنے گھر کے باہر پہنچ کر میں نے اپنی بکھری سانسوں کو بحال کیا اور پھر اپنی پینٹ کی جیب سے چھری نکال کر گھر کی جانب بڑھ گیا۔ میں نے اس سے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور مجھ میں ہمت پیدا ہو گئی تھی کہ میں اس کا مقابلہ کروں گا اپنے گھر سے بھاگوں گا نہیں۔ میں نے ایک جھٹکے سے اپنے گھر کا دروازہ کھولا اور پھر اندر داخل ہو گیا۔ گھر کا ایک ایک کونا میں نے چھان مارا لیکن مجھے وہ تو کیا کوئی بھی ذی روح دکھائی نہ دیا۔ میں ایک ایک چیز کو غور سے دیکھنے لگا کوئی بھی اپنی جگہ سے ہٹی نہ تھی سب کچھ ویسا ہی تھا جیسا میں رکھتا تھا۔ اگر وہ قاتل نہ تھا تو پھر کون تھا میں سوچوں میں گم ہوتا چلا گیا میں کسی نتیجے پر پہنچنا چاہتا تھا۔ مجھے ایک کمرے سے کالی بلی نکلتی ہوئی دکھائی دی میں سمجھ گیا کہ یہ سب کچھ اس کی وجہ سے ہوا ہے میں اس بلی کو دیکھنے کے بعد سیڑھیوں کی جانب بڑھا جہاں میں نے کسی کے بڑھتے ہوئے قدموں کی چاپیں سنی تھیں۔ اور پھر خود ہی اپنی حماقت پر مسکرانے لگا سیڑھیوں پر میں نے ایک گملا رکھا ہوا تھا وہ کسی طریقے سے بلی سے ٹکرانے سے نیچے گر گیا تھا اور اس کی آواز ایسی محسوس ہوئی تھی جیسے کوئی بھاری بھر بوٹوں کے ساتھ چل رہا ہو۔ مجھے جہاں اپنی حماقت پر ہنسی آ رہی تھی وہاں بلی پر غصہ بھی آ رہا تھا کہ اس کی وجہ سے میرے ساتھ کیا کچھ لمحوں میں بیت گئی ہو سکتا تھا کہ اس خوف سے میرا سانس ہی بند ہو جاتا۔ یا پھر میرا دل ہی دھڑکنا رک جاتا۔ یہ سب مجھ پر اس خبر کا اثر ہوا تھا جو میں نے ٹی وی پر سنی تھی۔ مجھے لگا تھا کہ وہ قاتل میرے گھر میں گھس آیا ہے جبکہ ایسا کچھ بھی نہ تھا۔

میں نے کچن میں جا کر فریج کو کھولا اور ایک ٹھنڈے پانی کا گلاس حلق سے نیچے اتارا دھڑکتے ہوئے دل کو سکون دیا اور پھر تمام خوف کو بھلانے کے بعد میں ہمیشہ کی طرح گہری نیند سوتا چلا گیا۔

قارئین کرام کیسی لگی میری کہانی اپنی رائے سے مجھے ضرور آگاہ کیجئے گا۔

ٹرے

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی شمشاد مارکیٹ میں واقع ایک ہوٹل میں بیروں اور ملازموں کو ٹپ دے دے کر پروفیسر سید زاہد حسین نقوی صاحب کا ناک میں دم آ گیا تھا۔ ملازم نت نئے طریقوں سے ٹپ وصول کرتے تھے۔ ایک دن وہ دروازہ بند کئے ان سے چھٹکارا پانے کی ترکیب سوچ رہے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ کون ہے؟ پروفیسر سید زاہد حسین نقوی صاحب نے پوچھا۔ جناب! ٹیلی گرام لایا ہوں۔ باہر سے بیرے کی آواز آئی۔ ٹھیک ہے دروازے کے نیچے سے اندر ڈال دو۔ پروفیسر سید زاہد حسین نقوی صاحب نے کہا۔ بیرے شبو نے جواب دیا۔ مگر جناب! ٹیلی گرام تو ٹرے میں رکھا ہے۔

☆ پروفیسر واجد نگینوی۔ کراچی

کوئی چاند رکھ میری شام پر

خواجہ عاصم ہ سرگودھا

کرنا کچھ نہیں ہے بس ہمیشہ مسکرا کر بات کرو، وہ اکیلا نظر آئے تو کوئی نہ کوئی بات کر کے اسے کمپنی دو اور بس۔ وہ پھر اسی انداز میں بولی۔

اچھا چلو آزما لیں گے۔۔۔۔اب کی بار ماروی مسکرا کر بولی۔

اچھا پھر میں چلوں۔۔۔۔ارے میرے خدا۔۔۔اف، ماروی نے اٹھتے ہی گھڑی دیکھ کر اپنا سر تھام لیا۔

کیا ہوا، انیتا بھی کھڑی ہو چکی تھی۔

مجھے تو ڈیڑھ بجے دوبارہ کو اسکول سے واپس لینے جانا تھا وہ تو یہیں بج گئے میرے خدا۔۔۔وہ تو آ چکی ہوگی۔۔۔۔، روئی گھبراتی ہوئی بولی۔

کوئی بات نہیں۔۔۔۔کہنا کہ سواری نہیں ملی تھی۔

نہیں نا۔۔۔۔وہ ڈرائیور تو رکنے کو کہہ رہا تھا میں نے خود اسے واپس بھیج دیا تھا اوپر سے دیر بھی کر دی یا خدا طاؤس کو پتہ نہ چلے ورنہ وہ تو ڈانٹ بھی سکتا ہے۔اس سے کوئی بعید نہیں، ماروی تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی پارک کے کنارے آ پہنچی۔انیتا بھی اس کے ساتھ تھی۔

دیر تو مجھے بھی بہت ہو جائے گی مگر چلو میں چھوڑ دوں۔انیتا کے پاس گاڑی تھی اس نے آفر کی۔

ارے نہیں اب تو جو دیر ہو گئی سو ہو گئی وہ تو آ چکی ہوگی۔۔۔تم جاؤ کہیں تمہاری ساس صاحبہ ناراض نہ ہو جائیں، ماروی مسکرا کر بولی۔

مگر تم کہو گی کیا؟ انیتا فکرمندی سے بولی۔

کچھ بھی کہہ دوں گی۔اگر وہ ڈانٹے گا تو میں اسے ڈانٹ دوں گی۔ماروی ڈرانے

والے لہجے میں ہنستی ہوئی بولی۔ انیتا بھی مسکرا کر گاڑی میں بیٹھ گئی اور اس کی گاڑی واپس مڑ گئی۔

ماروی نے سواری کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں سڑک سنسان تھی۔ بہادر خان کا ڈر دل میں جانے کہاں سے عود آیا کہ اتفاق تھ وہ ادھر نکل آتا تو۔۔۔۔ ماروی چاہتی تھی کہ جلد از جلد سواری مل جائے، سڑک پر لوگ بھی آ جا رہے تھے اور گاڑیاں وغیرہ بھی گزر رہی تھیں۔ البتہ ماروی کو کوئی سواری نہیں مل رہی تھی۔ ماروی نے ادھر نظر ڈالی جو سلطان کی مخصوص جگہ تھی مگر وہ موجود نہ تھا۔ ماروی جانتی تھی کہ وہ اس وقت بچوں کے کسی اسکول کے باہر آلو چنے بیچ رہا ہوگا۔ اسے سڑک پر کھڑے کئی منٹ گزر گئے تھے۔ ایک پل کو اس نے سوچا بھی کہ انیتا کے ساتھ نہ جا کر اس نے غلطی کی ہے مگر پھر جو ہو چکا تھا اس پر پچھتانے سے کیا فائدہ تھا۔ ماروی نے ابھی سوچا ہی تھا کہ وہ اسٹاپ تک پیدل چلتی ہے آگے سے شاید کوئی سواری مل جائے، ایک بڑی سی گاڑی ماروی کے قریب سے زن کر کے گزری ماروی کی نظریں دوسری جانب تھیں چند لمحوں میں ہی وہ گاڑی واپس پلٹ آئی۔ گاڑی ماروی کے بالکل قریب آ کر رکی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے شخص کو دیکھ کر ماروی کا حلق سوکھنے لگا وہ بوجھل قدموں سے چلتی ہوئی اس کے قریب آ گئی وہ طاؤس تھا اس نے گاڑی کا شیشہ نیچے کیا۔

آپ یہاں کیا کر رہی ہیں، وہ اپنے مخصوص لہجے میں بولا تھا۔

میں یہاں ہاسٹل آئی تھی ایک دوست سے ملنا تھا ماروی نے شرمندہ ہونے کے باوجود اپنے ہاسٹل کی طرف اشارہ کر کے اعتماد سے کہا۔

جبکہ میرے خیال میں یہ وقت زوبا کے اسکول سے واپس آنے کا ہے۔ وہ رعب دار لہجے میں کہہ رہا تھا۔

کوئی سواری نہیں مل رہی تھی میں کافی دیر سے انتظار میں کھڑی تھی، وہ بہانہ بنا کر بولی۔

آیئے۔۔۔۔ بیٹھئے۔۔۔۔ اس نے دوسری طرف کا دروازہ کھول دیا۔

ماروی اسی طرح کھڑی رہی۔

میرا خیال ہے کہ میں اردو زبان استعمال کر رہا ہوں اور یہ زبان آپ بھی جانتی ہیں۔۔۔۔اس کا لہجہ پہلے سے سخت تھا۔

ماروی جلدی سے دوسری طرف سے آ کر بیٹھ گئی اور دروازہ بند کر دیا۔ طاؤس خان نے گاڑی اسٹارٹ کر لی۔ ماروی کچھ گھبراہٹ محسوس کر رہی تھی مگر انیتا کی آخری باتیں یاد کر کے وہ دھیرے سے مسکرائی۔

آپ کا یہاں ہونے کا مطلب ہے کہ ذہبا کو ڈرائیور ہی اسکول سے لایا ہوگا۔۔۔۔مس ماروی؟۔۔۔۔یہی نام ہے نا آپ کا؟۔۔۔۔اس نے بات کرنے کرتے سوال کیا۔

جی یہی نام ہے۔۔۔۔ماروی نے سادہ سے لہجے میں جواب دیا۔

ابھی آپ کو صرف دو دن ہوئے اور آپ نے ابھی سے غفلت برتنی شروع کر دی۔۔۔۔وہ گھڑی دیکھتا ہوا بول رہا تھا۔ حیرت ہے!۔۔۔۔آپ کو یاد ہے کہ مجھے آپ کے ٹی زیڈ ہاؤس میں آئے دو دن ہو گئے ہیں۔اب کی بار ماروی کا لہجہ بھی تھوڑا سخت تھا۔ مگر آواز دھیمی تھی۔ وہ طاؤس سے ہونے والی دو دن پہلے کی گفتگو بھولی نہیں تھی۔ مجھے اپنے گھر میں ہونے والے ہر عمل کے بارے میں اچھی طرح علم ہوتا ہے۔ وہ اپنے مخصوص لہجے میں بولا تھا۔اس کا لہجہ شاید قدرت نے ہی ایسا بنایا تھا یہ بات ماروی نے اسی پل سوچی۔

لیکن میرا خیال تھا کہ آپ اس قدر مصروف انسان ہیں کہ آپ کو یہ بات بھی یاد نہیں رہی ہوگی کہ دو دن پہلے آپ نے ایک ادنیٰ نوکر کو اپائنٹ کیا ہے۔۔۔۔ماروی نہ جانے کہاں سے الفاظ نکال لائی۔ وہ تقریباً اسی لہجے میں بات کر رہی تھی جس میں طاؤس کر رہا تھا۔

مس ماروی شاید آپ!۔۔۔۔طاؤس ناگواری سے بولا تو ماروی نے اس کی بات کاٹ دی۔

شاید میں اپنی اوقات بھول رہی ہوں نا طاؤس صاحب۔۔۔۔مگر آپ یہ بات یاد رکھیے گا کہ میں اپنی اوقات کبھی نہیں بھولتی۔ چاہے حالات کیسے بھی ہوں۔ جہاں تک

اس وقت ذوباریہ کا تعلق ہے تو واقعی میری غلطی ہے۔ جس کے لیے میں معذرت چاہتی ہوں۔ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ مگر آپ سے اس دن بات کرنے کے بعد، میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی تھی وہ یہ کہ میں آپ کی نوکر ضرور ہوں، اگر پیسے لوں گی تو کام بھی ضرور کروں گی۔ میری غلطی ہوگی تو آپ کا سخت ترین لہجہ بھی سن لوں گی مگر اگر میری غلطی نہیں ہوگی تو میں آپ کا یہ تلخ لہجہ برداشت نہیں کروں گی۔ مانا نوکری میری مجبوری ہے مگر میں کسی کے تلخ اور ذلت آمیز رویے کو برداشت کرنے اس گھر میں نہیں آئی۔ ویسے بھی ٹیچر کا ایک رتبہ ہوتا ہے جو قابل احترام ہوتا ہے، ماروی یہ سب کہہ تو گئی جس کے نتیجے میں طاؤس سارے راستے سخت چہرہ لیے خاموش رہا مگر اس وقت اسے خود پر حیرت ہوتی رہی کہ وہ یہ سب کہہ کیسے گئی۔ کل تک جس سے نظریں ملانے کی ہمت بھی اس میں نہ تھی آج وہ اسے اپنے آگے خاموش کروانے میں کامیاب ہوگئی اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ محبت انسان کو بہادر بناتی ہے۔

پورچ میں گاڑی رکتے ہی ماروی فوراً اتر گئی اور طاؤس کی طرف نظر ڈالے بغیر ذوباریہ کے کمرے کی راہ لی۔

تم آگئیں ذوبا۔۔۔ ماروی کمرے میں داخل ہوتے ہی بول اٹھی۔

جی۔۔۔ مگر میں آپ سے ناراض ہوں۔۔۔ وہ ابھی تک اپنے اسکول یونیفارم میں تھی۔ آیا اس کے کپڑے لیے کھڑی تھی۔

کیوں ناراض ہو بھئی تم؟۔۔۔ ماروی نے مسکرا کر پوچھا۔

آپ کو مجھے لینے آنا تھا۔۔۔ میں اپنی دوستوں کو آپ سے ملوانے لائی تھی مگر آپ آئی ہی نہیں۔ وہ ناراض لہجے میں بول رہی تھی۔ اس کا روٹھا سا انداز ماروی کو بے تحاشا پیارا لگا۔

اوہ ہو بھئی۔۔۔ سوری مائی ڈیئر،۔۔۔ ماروی اس کے قریب بیٹھ کر اسے بانہوں میں بھر کر بولی۔

ذوباریہ خاموش رہی۔

اچھا بابا سوری کہا نا۔۔۔ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔۔۔ کبھی بھی نہیں ہوگا، وہ

اسے چمکار کر بولی۔

بے بی آپ کپڑے بدل لیں کھانے کا وقت ہو گیا ہے آیا حلاوت سے بولی۔

مینا تم یہ کپڑے مجھے دو میں پہنا دیتی ہوں۔ تم جا کر دیکھو جیسے ہی کھانا لگ جائے بتا دینا میں اسے بھیج دوں گی۔ ماروی نے آیا سے کہا تو وہ سر جھکا کر باہر نکل گئی۔

ذوباریہ کی ناراضگی ختم کرنا زیادہ مشکل بات نہیں تھی۔ وہ تھوڑی دیر میں ہی کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔ ویسے بھی ماروی کو ذوباریہ کی شکل میں ایک اجالا مل گئی تھی۔ ماروی نے اس کے کپڑے تبدیل کروائے، ابھی وہ اس کے بالوں میں برش کر رہی تھی کہ آیا نے اطلاع دی۔

بی بی۔۔۔صاحب بھی آ گئے ہیں آج وہ کھانا یہیں کھائیں گے۔۔۔بے بی کو بھیج دیں۔ مینا آتے ہی بولی۔

لے جاؤ مینا۔۔۔ماروی مسکرا کر اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

نہیں، ذوباریہ اپنی جگہ سے کھڑی نہ ہوئی۔

کیوں!۔۔۔کیا بھوک نہیں ہے؟۔۔۔کیا کھایا تھا اسکول میں؟ ماروی نے دلار سے پوچھا۔

اپنا لنچ کھایا تھا۔۔۔اور بھوک بھی لگ رہی تھی، وہ تیزی سے بولی۔

تو جاؤ نا چندا!۔۔۔ماروی نے پیار سے کہا۔ نہیں میں آیا کے ساتھ نہیں، آپ کے ساتھ جاؤں گی۔۔۔وہ اٹل لہجے میں بولی۔

اوہو۔۔۔چلو میں چھوڑ آتی ہوں۔۔۔ماروی اٹھتی ہوئی بولی تو ذوباریہ خوش ہو گئی۔

تم جاؤ مینا۔

ماروی اسے لے کر برآمدے طے کرتی ہوئی ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئی۔ کمرہ ماروی نے سرسری طور پر دیکھا تھا۔ سفید روشنیوں سے مزین بڑا سا ڈائننگ ہال کسی طرح سے اس گھر کی شان و شوکت سے کم نہ تھا۔ طاؤس بڑی سی ڈائننگ ٹیبل کے آگے بیٹھا تھا۔ ماروی کو دیکھ کر ایک پل کو چونکا پھر ذوباریہ پر نظر ڈالی۔

ہیلو آ کا، ذوبا مشینی انداز میں بولی۔

ہیلو بیٹا۔۔۔۔ جلدی آ جایا کرو نا۔۔۔۔ بڑی سخت بھوک لگی ہے اور آپ نے اتنی دیر لگا دی۔۔۔۔ وہ میٹھے لہجے میں ذوباریہ سے بات کر رہا تھا۔ وہ میٹھا لہجہ جس کو سننے کی خواہش ماروی کے پاگل اور ضدی دل کو بھی تھی۔ ماروی کو محسوس ہوا جیسے جلترنگ سے بج اٹھے ہوں۔ طاؤس کا ایسا لہجہ اس نے پہلی بار سنا تھا۔ وہ تو عرصے سے جاننا چاہتی تھی کہ وہ کسی سے ہنس کر کیسے بولتا ہوگا ایسا لگا کہ کشمیر کی وادی میں عرصے بعد چھم چھم مینہ برسا ہو، موتیوں کی طرح برستا پانی ایک نئی اور مدھر آواز پیدا کر رہا تھا۔ ایسی پیاری رت زندگی میں پہلی بار آئی تھی۔ وہ نظریں جھکائے سوچ رہی تھی طاؤس کے مٹھاس بھرے لہجے میں جانے کیا تھا کہ ماروی اس جلترنگ میں کھو سی گئی، وہ چونکی تو ذوباریہ اس کا ہاتھ کھینچ رہی تھی۔ آپ بھی تو ہمارے ساتھ کھانا کھائیں میڈم،۔۔۔۔ ذوباریہ اسے کہہ رہی تھی۔

میں! نہیں نہیں ذوبا۔۔۔۔ میں اپنے کمرے میں کھاؤں گی۔۔۔۔ ماروی چونک کر پریشانی سے بولی اس نے چور نگاہوں سے طاؤس کی طرف دیکھا، جس کے چہرے پر سختی کے آثار پھر سے نمایاں تھے، اور وہ ذوبا کو ہی دیکھ رہا تھا۔ نہیں وہاں کیوں؟ یہاں کیوں نہیں؟۔۔۔۔ آپ بس ہمارے ساتھ کھانا کھائیں۔۔۔۔ ذوباریہ اپنی بات پر قائم تھی۔

ذوبا ضد نہیں کرتے۔۔۔۔ ویسے بھی ابھی مجھے بھوک نہیں ہے آپ کھانا کھاؤ میں باہر ہی بیٹھی ہوں۔۔۔۔ شاباش۔۔۔۔ ماروی اسے ٹیبل کی طرف لے جاتی ہوئی بولی۔

مگر ذوباریہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

آپ کیوں نہیں کہتے آ کا؟۔۔۔۔ آپ کہیں گے تو یہ بیٹھ جائیں گی۔۔۔۔ ذوبا طاؤس کو دیکھتی ہوئی بولی۔

طاؤس کے لبوں پر خاموشی تھی۔ ہاشمی صاحب صورت حال کو سمجھ کر ذوباریہ سے بولے۔ بیٹا آپ کھانا کھاؤ آپ کی میڈم کو جب بھوک ہوگی وہ بھی کھا لیں گی۔

نہیں میں بھی نہیں کھاؤں گی۔۔۔۔ ذوبا ضدی لہجے میں بول رہی تھی اس کی نظریں طاؤس کے چہرے پر تھیں۔

ذوہا۔۔۔ بیٹھ جاؤ۔۔۔ طاؤس عجیب سے لہجے میں ذوہاریہ سے مخاطب ہوا۔
مس ماروی آپ بھی بیٹھ جائیں۔۔۔۔ طاؤس نے دوسرا حکم صادر کیا۔
ماروی مشینی انداز میں چلتی ہوئی آگے بڑھی ذوہاریہ کو بٹھایا اور حلاوت سے جھک کر بولی۔
ذوہا دیکھو اگر تم چاہتی ہو کہ میں کھانا کھاؤں اور ٹھیک طریقے سے کھاؤں تو پلیز تم آرام سے بیٹھی رہو۔
مگر میڈم۔۔۔۔ ذوہا تیزی سے بولی۔
میرے لیے ذوہا۔۔۔۔ پلیز۔۔۔۔ میں کہوں گی تو تم نہیں مانو گی۔۔۔۔ ایسا بھی ہوا ہے؟
ماروی میٹھے لہجے میں بولی۔
او کے۔۔۔ آپ باہر ہی بیٹھیں گی نا۔۔۔ ذوہاریہ چند ثانیے بعد بولی۔
ہنہ۔۔۔ بالکل باہر بیٹھوں گی۔۔۔۔ ماروی نے دھیرے سے مسکرا کر کہا اور اچٹتی سی نگاہ طاؤس پر ڈالی۔ اب کی بار اس کے چہرے پر حیرت کے آثار بھی نمایاں تھے۔ ماروی نے ذوہاریہ کا نیپکن لگایا اور اس کے ماتھے پر پیار کر کے آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کمرے سے باہر آ گئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اس بات سے طاؤس کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا ہو گا کہ محض چند دنوں میں ماروی ذوہاریہ پر اس قدر چھا گئی تھی کہ وہ اس کی ہر بات ماننے لگی تھی۔ ماروی بہت دیر تک برآمدے میں ٹہلتی رہی۔ اس عرصے میں وہ صرف طاؤس کے متعلق سوچ رہی تھی۔ صبح کی نسبت اب ماروی کا ذہن اس کے بارے میں بہت مختلف انداز میں سوچ رہا تھا۔ یہ سچ تھا کہ افسردہ ہونے یا ماتم کرنے سے تقدیریں نہیں بدلا کرتیں، پھر خود کو تکلیف دینے سے کیا فائدہ تھا۔ اب ماروی کے ذہن میں طاؤس کی حیثیت ایک بچے کی طرح تھی جسے وہ طرح طرح سے حیران کرنا چاہتی تھی اور آج اسے طاؤس کو حیران کر کے بڑا لطف آیا تھا۔ پہلی بار گاڑی میں اور دوسری بار ڈائننگ ہال میں وہ خود سے کہہ رہی تھی۔ میں محبت کی کس منزل پر ہوں۔۔۔ کیا چاہنے کی آخری منزل پر جہاں اس بات کی فکر نہیں ہوتی کہ ہماری چاہت کا جواب چاہت سے ملے گا یا

نہیں۔ جہاں صرف اس بات کی اہمیت ہوتی ہے کہ ہم دوسرے کی نظر سے اوجھل نہیں۔ اس کے سامنے ہیں۔ اس کی آنکھوں میں ہیں ایسی منزل پر یہی بہت کافی ہوتا ہے اور پھر جیسے میرے حالات ہیں۔ میرے لیے تو یہ بہت زیادہ کافی ہے۔ کیونکہ میں یہ جانتی ہوں کہ طاؤس کی منزل دعا ہے۔ طاؤس کا راستہ الگ ہے مگر میں اگر اس راستے پر چلنا چاہتی ہوں تو چاہے منزل پاؤں یا نہیں کیا فرق پڑتا ہے۔ میرے دل کی تسلی کے لیے یہ سفر بہت کافی ہوگا۔ جو میں نے اپنی مرضی سے طے کیا اور پھر ہر مسافر کو تو اپنی منزل نہیں ملتی بہت سے ناکام و نامراد بھی رہ جاتے ہیں۔ میں بھی انہی میں شامل ہو جاؤں گی۔ عمر تو بیت ہی جائے گی۔ وہ مسکرا رہی تھی صرف یہ سوچ کر کہ اس نے اتنا لمبا سفر بہت ہی جلدی طے کر لیا۔ حیرت انگیز تو اس کی زندگی ہمیشہ سے تھی۔ آج بھی حیرت کی منزلیں طے کر رہی تھی۔ اور پھر اگلے ہی دن طاؤس اپنے دوست موسیٰ جعفری کے پاس امریکہ چلا گیا۔ جانے سے ایک گھنٹہ قبل اس نے ماروی کو اپنے ڈرائنگ روم میں طلب کیا تھا۔

ماروی کالے رنگ کے سادے سوٹ میں اپنے گیلے بال دھوپ میں سکھانے بیٹھی تھی بڑا سا دوپٹہ گلے میں تھا، وہ تھوڑی دیر پہلے ہی نہا کر نکلی تھی۔ ذوبارہ یہ اسکول میں تھی کہ ہاشمی صاحب نے آ کر اسے بتایا۔

ماروی بیٹی۔۔۔۔ جی انکل۔۔۔۔ ماروی اٹھتی ہوئی بولی۔

بیٹی طاؤس موسیٰ کے پاس امریکہ جا رہا ہے۔۔۔ شاید کوئی بہت ضروری کام ہے۔۔۔۔ وہ کھڑے کھڑے بولے۔

اچھا انکل کب جا رہے ہیں؟۔۔۔۔ ماروی نے سادگی سے سوال کیا۔ ابھی ایک گھنٹہ بعد کی فلائٹ ہے۔۔۔۔ وہ گھڑی دیکھ کر بولے۔

ابھی!۔۔۔۔ مگر ذوبارہ آئے گی تو۔۔۔۔ وہ ضرور پوچھے گی کہ بتائے بغیر۔۔۔

ہاں اسی لیے طاؤس نے تمہیں بلایا ہے۔۔۔۔ ہاشمی صاحب اس کی بات کاٹ کر بولے۔ مجھے؟۔۔۔۔ ماروی جھجک کر بولی۔

ہاں تمہیں۔۔۔۔ وہ اپنے ڈرائنگ روم میں ہے۔۔۔۔ وہ بتا کر واپس مڑ گئے۔

جی بہتر ماروی آہستہ سے بولی اور کھڑی ہوئی کپڑوں کی شکنیں درست کیں اور

اس کے کمرے کی طرف چل پڑی۔ اس کے لمبے سیاہ بال اس کی پشت پر کھلے پڑے تھے۔ سیاہ سوٹ میں اس کا چہرہ حد درجہ چمک رہا تھا۔ اس نے دروازے پر دستک دی۔

آ یئے۔۔۔۔طاؤس کی مخصوص آواز سنائی دی۔

ماروی کمرے میں داخل ہوگئی آج وہ دوسری بار اس کمرے میں آئی تھی بالکل سامنے ہی وہ تصویر مسکرا رہی تھی جسے دیکھ کر اس کے دل کی دنیا اتھل پتھل ہوگئی تھی۔ ساتھ ہی طلبہ اس کی تصویر بھی مسکرا رہی تھی۔ ماروی نے اگلی نظر طاؤس پر ڈالی جو صوفے پر بیٹھا کسی فائل کا مطالعہ کر رہا تھا۔ بلیک سوٹ میں وہ شاید پرواز کے لیے تیار تھا۔

بیٹھیے۔۔۔۔طاؤس نے نظریں اٹھا کر کہا اس کی نظریں ماروی کے چہرے پر تھیں۔ وہ شاید پہلی بار اسے اس قدر انہماک سے دیکھ رہا تھا۔

ماروی دل میں مسکرا اٹھی۔ آج پھر اس نے طاؤس کو حیران دیکھا تھا۔ پہلی بار وہ اس کی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی تھی۔ مگر اگلے ہی پل وہ اپنی سوچ پر شرمندہ ہوگئی۔

ایسا نہیں ہونا چاہیے۔۔۔۔اس کے دل کے کسی گوشے سے آواز آئی۔ اس نے ایک جست میں اپنا بڑا دوپٹہ اپنے بالوں پر پھیلا لیا۔

آپ نے مجھے بلایا۔۔۔۔وہ اعتماد سے بیٹھتی ہوئی بولی۔

جی۔۔۔۔ہاں۔۔۔۔طاؤس بھی شاید واپس آ چکا تھا اس کا لہجہ ہمیشہ جیسا تھا۔

ہاشمی صاحب نے بتا دیا ہوگا کہ میں امریکہ جا رہا ہوں۔۔۔۔وہ فائل ٹیبل پر رکھتا ہوا بولا۔ جی۔۔۔۔سن چکی ہوں۔۔۔۔۔ماروی مودبانہ لہجے میں بولی۔

ابھی ذوبا واپس نہیں آئی۔۔۔۔میرا خیال ہے آپ اسے مطمئن کر لیں گی کیونکہ وہ چند ہی دنوں میں آپ پر ٹرسٹ کرنے لگی ہے۔۔۔۔طاؤس بولتے بولتے رک گیا۔

میں سمجھ گئی ہوں آپ بے فکر ہو کر جایئے۔

اور ہاں ماروی۔۔۔۔سوری۔۔۔۔مس ماروی۔۔۔۔طاؤس ایک دم گڑبڑا کر بولا۔

کوئی بات نہیں۔۔۔۔ویسے بھی میری حیثیت اور آپ کی حیثیت میں جو فرق ہے اس لحاظ سے آپ کو مجھے مس کہہ کر نہیں پکارنا چاہیے۔۔۔۔نوکروں کے لیے عزت

کے القابات استعمال نہیں ہوتے۔۔۔۔ ماروی سادگی سے بولی۔اس کا پر اعتماد لہجہ اس کی سب سے بڑی کامیابی تھی۔

میں جانتا ہوں مس ماروی۔۔۔۔مگر اس دن آپ نے ہی تو کہا تھا کہ ٹیچر کا ایک مقام ہوتا ہے اور قابلِ احترام ہوتا ہے۔۔۔۔اس لمحے طاؤس کا لہجہ بہت سادہ تھا وہ شاید پل پل میں موڈ بدلنے کا ماہر تھا۔

جی۔۔۔۔آپ کو میری بات یاد ہے۔۔۔۔ماروی حیرت سے مسکرا کر بولی۔

آپ مسکراتی ہوئی اچھی لگتی ہیں۔۔۔۔مسکرانے میں اتنی کنجوسی کیوں کرتی ہیں ۔۔۔طاؤس کے چہرے پر بھی بہت ہلکی سی مسکراہٹ تیر گئی تھی۔

ماروی پر حیرت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔سورج شاید آج مغرب سے نکلا تھا۔وہ ماروی سے بات کرتے وقت مسکرایا تھا یہ بات اچنبھے کے ساتھ ساتھ ماروی کو پریشان کر گئی۔ماروی کی نظریں نہ جانے کیوں جھک سی گئیں۔میں۔۔۔۔جی میں تو۔۔۔۔

مس ماروی میں نے آپ کو اس لیے بلایا تھا کہ میں ایک ہفتے بعد واپس آ جاؤں گا۔۔۔اور آپ کو ذوباریہ کا ہر طرح سے خیال رکھنا ہے۔ایسا پہلی بار ہے کہ میں اسے اپنے کسی Travel پر تنہا چھوڑ کر جا رہا ہوں۔اور ایسا صرف آپ کی وجہ سے ہے۔۔۔۔ اب کی بار وہ سادہ سے لہجے میں بول رہا تھا۔

جی۔۔۔۔ماروی بات سمجھتے ہوئے تابعداری سے بول اٹھی۔

وہ آپ سے بہت اٹیچڈ ہو گئی ہے۔۔۔۔بات مانتی ہے آپ کی۔۔۔۔میں آپ پر بھروسہ کر رہا ہوں۔امید ہے آپ میرے بھروسے کو مزید قائم کرنے کی کوشش کریں گی۔۔۔۔اور ایک خاص بات ذوباریہ کا ہر طرح سے خیال رکھیے گا۔۔۔۔اس کی ہر خواہش پوری کرنا آپ کی ذمہ داری ہے۔۔۔۔اسے میری کمی محسوس نہ ہو۔۔۔۔وہ ایک دم موڈ بدل کر تحکمانہ لہجے میں بولا۔

جی۔۔۔۔ماروی پھر مختصراً بولی۔اب آپ جا سکتی ہیں۔۔۔۔جانے کیوں اس کے لہجے کی سختی واپس آ چکی تھی۔ماروی خاموشی سے اٹھی اور باہر کی جانب آنے لگی۔آج اس نے دوسری بار اس کمرے میں رچی خوشبو کو گہرے سانس لے کر اپنے اندر اتارا۔

آپ کو مسکراتے رہنے کا مشورہ میں نے غلط نہیں دیا تھا۔ بلکہ اس لیے دیا تھا کہ ہر صحیح مشورہ دینا میں اپنا پیدائشی حق سمجھتا ہوں۔۔۔۔ وہ اپنے مخصوص لہجے میں بولا اور اپنے بیڈروم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

بہت احسان ہے آپ کا ہم غریبوں پر، کہ آپ صرف اپنے مشوروں سے ہی نوازتے ہیں۔۔۔۔ ماروی اس کے تحکمانہ انداز پر جل کر بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے باہر نکل آئی۔

طاؤس چلا گیا اور ماروی نے ذوباریہ کو مطمئن بھی کر لیا۔ بہت کم دنوں میں وہ ماروی پر اس قدر ہل گئی تھی کہ ماروی کی ہر بات ماننے لگی تھی۔ ذوباریہ کی اسکول سے چھٹی تھی تو وہ ضد کر کے شاپنگ کے لیے نکل کھڑی ہوئی۔ ویسے بھی وہ ذوباریہ کی ہر بات مان رہی تھی۔ طاؤس کا بھی یہی حکم تھا۔ سو وہ محبت سے زیادہ ڈیوٹی نبھا رہی تھی۔

شاپنگ کے دوران اس نے اپنی چیزیں بھی خریدیں اور ذوباریہ کی ہر چھوٹی بڑی خواہش کو پورا کرتی ہوئی وہ مارکیٹ سے باہر آ گئی۔ باہر نکلتے وقت ماروی کی نظر ایک بہت انمول چیز پر پڑ گئی۔ وہ مردانہ کپڑوں کی دکان تھی۔ اور شیشوں میں جھلکتا ہوا وہ نیلا کرتا جس پر بہت نفیس کڑھائی بنی تھی الگ ہی جھلمل کر رہا تھا۔ ماروی کا پہلا دھیان طاؤس کی طرف گیا اگر وہ اسے پہنے تو شاید ماروی دوبارہ کسی کو نیلا رنگ پہنے نہ دیکھ سکے۔ وہ دھیرے سے مسکرائی، ذوباریہ کو آئس کریم دے کر گاڑی میں چھوڑا اور رانیور کو چند منٹ میں آنے کا کہہ کر دکان میں داخل ہو گئی۔

اس کرتے کا رنگ بالکل اس نیلے آسمان سے ملتا تھا جو ماروی کے کشمیر پر قنات ڈالے کھڑا تھا۔ بہت اجلا بہت کھلا کھلا اور بہت خوب صورت۔ بالکل ویسا جیسا ماروی کو پسند تھا۔ اس نے رقم ادا کرتے ہوئے دوکاندار سے پوچھا۔ آپ اسے پیک کر کے ایک ایڈریس پر بھیج سکتے ہیں۔

جی بالکل۔۔۔۔آپ پتہ دے دیجئے۔۔۔۔۔دوکاندار تابعداری سے بولا۔

ماروی نے ایک کاغذ پر ٹی زیڈ ہاؤس کا ایڈریس لکھا اور اس کے آگے کر دیا۔اس شخص نے ماروی کے سامنے ہی اس ڈبے کو سفید کاغذ میں پیک کیا اور ماروی سے پوچھا میڈم آپ کا نام؟

آپ کارڈ مجھے دیجئے۔۔۔۔ماروی نے اس کے ہاتھ میں چھوٹا سا کارڈ دیکھ کر کہا۔

دوکاندار نے کارڈ اور قلم ماروی کی طرف بڑھا دیا۔ماروی نے سب سے پہلے طاؤس کا نام لکھا پھر نیچے اپنے نام کی جگہ پر سوالیہ نشان ڈال کر اس نے وہ کارڈ دوکاندار کی طرف بڑھا دیا۔دوکاندار نے قریب موجود ایک لڑکے کو اسی وقت وہ پیکٹ پوسٹ کرنے کے لیے روانہ کر دیا اور ماروی اطمینان سے نکل کر گاڑی میں آ بیٹھی۔

اگلے دن کی ڈاک میں اس نے وہ پیکٹ دیکھا اور دل ہی دل میں مسکرائی۔جب تک طاؤس واپس آئے گا اس کی ڈاک اس کا انتظار کرے گی۔

ماروی خود سے کہہ رہی تھی ویسے بھی طاؤس مجھے وہ کرنے دو جو میرا دل چاہتا ہے۔۔۔میں پہاڑوں کی بیٹی ہوں۔مجھے انجام کی پرواہ نہیں ہے میں جانتی ہوں انجام میرے خلاف ہے مگر میں جو کرنا چاہتی ہوں وہ کر کے خوش ہونا تو میرا بھی پیدائشی حق ہے۔

وہ مسکرا کر پلٹ آئی۔ذوبار یہ اسکول جا چکی تھی اور ماروی فارغ تھی۔تنہائی میں یادوں کے دریچے کھل گئے۔ایک نئی زندگی میں وہ بہت سے لوگوں کو بھولتی جا رہی تھی۔اس دن کے بعد انیتا کا بھی فون نہیں آیا تھا اور شمائل کا بھی کوئی پتہ نہیں تھا۔ایسے میں صدف اس کے خیالات میں در آئی۔وہ اپنے سامان میں سے صدف کا ایڈریس تلاش کرنے لگی اور پھر بہت دیر بعد اسے وہ ڈائری مل گئی جس میں صرف صدف کا ایڈریس لکھا تھا۔وہ ڈائری اسی نیلی فراک کے ساتھ احتیاط سے رکھی تھی جو زینب کی آخری یادگار تھی۔جسے ماروی نے بہت احتیاط سے سنبھال کر رکھا تھا جیسے کہ وہ کوئی استعمال کی چیز نہ ہو، بلکہ زینب کی ساری کی ساری دعائیں ہوں۔پورا کا پورا کشمیر ہو، اجالا ہو، روشنی یا کرن ہو یا پھر ابا انور محمد اور سفیر کا شفقت بھرا ہاتھ ہو۔

اس نے ایڈریس ہاشمی صاحب کو دیتے ہوئے کہا، انکل مجھے اس ایڈریس کا فون نمبر مل سکتا ہے۔

دس منٹ صبر کر سکتی ہو؟ ہاشمی صاحب نے ایڈریس پڑھے بغیر مسکرا کر پوچھا۔

بیس منٹ بھی کر سکتی ہوں۔۔۔۔ وہ بھی جواباً مسکرا کر بولی۔

او کے۔۔۔۔ وہ اندر کی طرف مڑ گئے اور ماروی اطمینان سے اپنے کمرے میں آ گئی۔ پھر واقعی دس منٹ بعد وہ نمبر لے کر آ گئے۔

بہت بہت شکریہ انکل۔۔۔۔ ماروی مسرت سے بول اٹھی اس کی آنکھوں میں دیے جل اٹھے تھے۔ ہاشمی صاحب بھی اسے خوش دیکھ کر مسکرائے اور آہستہ سے بولے۔

ماروی شکریہ غیروں کا ادا کیا جاتا ہے اور تم بیٹی ہو غیر نہیں ہو۔۔۔۔

جی انکل۔۔۔ ماروی پھر مسکرا کر بولی۔

وہ بھی مسکرا کر کسی کام سے پلٹ گئے۔ اور ماروی بھی اپنے بیڈ پر بیٹھ کر فون ملانے لگی۔ فرط مسرت سے اس کی انگلیاں کانپ رہی تھیں۔

ٹرن ٹرن گھنٹی بج رہی تھی۔

ہیلو۔۔۔ دوسری طرف سے فون اٹھایا گیا۔ ہیلو۔۔۔ ماروی جواباً بولی۔

کس سے بات کرنی ہے؟۔۔۔ دوسری طرف سے کہا گیا۔

صدف سے بات ہو سکتی ہے؟

ماروی آہستہ سے بولی۔ آواز میں مانوسیت تو اسے محسوس ہو گئی تھی مگر وہ احتیاطاً بولی تھی۔ میں صدف بول رہی ہوں آپ کون؟۔۔۔ اس کے لہجے میں سوال تھا۔

مجھے آپ کہو گی؟ ماروی آہستہ سے بولی۔ کون!۔۔۔۔ کون ہو۔۔۔ پھر بولو!۔۔۔ صدف کی آواز میں تیزی آ گئی شاید شناسائی کا شائبہ ہوا تھا۔

میں ہوں بدھو۔۔۔ مجھے نہیں پہچان رہیں۔۔۔۔ ماروی پھر بولی۔

ماروی۔۔۔ دوسری طرف سے چند ثانیے بعد بے قراری سے آواز آئی۔

ہاں۔۔۔ اوہ ماروی کہاں ہو تم؟۔۔۔ بتاؤ مجھے؟۔۔۔ فوراً۔۔۔ صدف تقریباً چلا کر بولی۔ میں یہیں ہوں اسی شہر میں۔۔۔۔ ماروی نے مسکرا کر جواب دیا۔

پتہ بتاؤ اپنا ابھی اور اسی وقت؟۔۔۔۔۔وہ پھر تیزی سے بولی۔

اچھا ویمن ہاسٹل آجاؤ۔۔۔۔۔ماروی نے اسے ہاسٹل کا پتہ بتایا جانے کیوں اس نے صدف کو یہاں بلانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

تم ہاسٹل میں رہ رہی ہو!۔۔۔۔۔میں ابھی پہنچ رہی ہوں۔۔۔۔۔اس نے خود ہی سوال کیا اور جواب کا انتظار کیے بغیر کھٹاک سے فون بند کر دیا۔

ماروی بھی فون رکھ کر تیزی سے اٹھی، ڈرائیور تیار کھڑا تھا۔وہ فوراً ہاسٹل کی طرف نکل آئی۔صدف کے لیے اس کے پاس کوئی بہت اچھی خبریں تو نہیں تھیں مگر اس کا ملنا ماروی کے لیے کسی بھی اچھی خبر سے کم نہ تھا۔زندگی نے جو رخ ماروی کے ساتھ بدلے تھے ان کے بعد تو اسے اس بات کا بھی یقین نہیں تھا کہ اس کی کبھی خود سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔مگر زیڈ ہاؤس میں رہتے ہوئے وہی ہنسنا دوبارہ سیکھ لیا تھا۔جو وہ بہت پہلے زینب کے آنچل میں ہنسا کرتی تھی۔راستے میں اسے شمائل کی بات یاد آگئی۔اگر زندگی کے تماشے پر ہنسنے کی ہمت آجائے تو یہ خود کی کتنی بڑی جیت ہوتی ہے۔۔۔۔۔شمائل نے کہا تھا کہ یہ عمل زندہ رہنے کو چیلنج دینا ہے، اور ماروی کو اس چیلنج کا مقابلہ کرتے کرتے زندگی کے تماشے پر ہنسنا آ گیا تھا۔مسکرانا آ گیا تھا۔جو اس کی جیت تھی۔زندگی کی بہت ساری ٹھوکروں کا ایک مثبت جواب تھا۔شمائل نے یہ بھی سچ کہا تھا کہ وقت سب سے بڑا مرہم ہوتا ہے اور اس کی اچھی بات یہ ہوتی ہے کہ یہ گزر جاتا ہے رکتا نہیں۔اور واقعی وقت کی سب سے اچھی بات یہ ہوتی ہے کہ یہ ٹھہرتا نہیں۔ماروی ایسی ہی بہت سی سوچوں میں گھری ویمن ہاسٹل کے سامنے پہنچ گئی۔چند منٹ بعد ہی صدف کی گاڑی آتی دکھائی دی۔وہ اکیلی تھی۔وہ اپنی گاڑی سے اتری تو ماروی بھی اتر آئی۔دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئیں۔کتنے بہت سارے دنوں کے بعد وہ مل رہی تھیں۔وہ جو ہر دکھ سکھ بانٹ لیتی تھیں۔ان کا ساتھ محض دو برسوں کا تھا مگر دو صدیوں کا لگتا تھا اور دو صدیوں کے بیچ جدائی کی دو صدیاں ہی حائل ہو گئی تھیں۔

تم بہت بری ہو۔۔۔۔۔میں ایک مہینے سے یہاں آئی ہوں پر تم نے وعدے کے مطابق مجھ سے رابطہ نہیں کیا۔تم نے کہا تھا کہ واپس آکر تم مجھے کشمیر کی سیر کروانے

لے جاؤ گی۔ میں وقت پر واپس آ گئی تھی۔ تمہارا اتنا انتظار بھی کیا اور تم اب فون کر رہی ہو ۔۔۔۔ پتہ ہے رزلٹ بھی آ گیا ہے اور اب ایڈمشن شروع ہو جائیں گے۔ پھر اوپی زینب جیسی پیاری بہن سے ملنے کا کہاں وقت ملے گا" ۔۔۔۔ صدف بولتی ہی جا رہی تھی اور رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی جیسے سارے شکوے ایک سانس میں بول دینا چاہتی ہو۔

بس بھی کرو صدف ۔۔۔ کیا مجھے بولنے نہیں دو گی ۔۔۔ ماروی سادہ سے لہجے میں بولی۔ نہیں پہلے تمہیں میری ساری ڈانٹ سنی ہو گی ۔۔۔ صدف پھر تیز انداز میں بولی۔

بعد میں ڈانٹ لینا پہلے میری بات سن لو ۔۔۔۔ ماروی عجیب سے لہجے میں بولی، آج کئی دنوں بعد اس کا شدت سے رونے کو دل چاہ رہا تھا ۔۔۔ اسے اپنے زخم کھرچ کر صدف کو دکھانے تھے کہ دیکھو کتنے گہرے ہیں۔ ابھی تک بھر نہیں پائے۔ اسے یہ بھی بتانا تھا کہ جس زندگی سے ملاقات کی بات صدف کرتی تھی ماروی کی اس زندگی سے ملاقات بہت جلد ہو گئی تھی جہاں دکھ تھے، بے حسی تھی، غم کے الاؤ جلتے تھے۔ ماروی نے آج کل خوش اخلاقی اور لاپرواہی کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔ جو صدف کو دیکھتے ہی تار تار ہو رہا تھا۔ یا پھر شاید طاؤس کی محبت نے پرانے زخم بھلا دیے تھے۔ مگر آج اسے صدف کو ایک ایک لفظ بتانا تھا۔۔۔ ماروی کا عجیب سا لہجہ سن کر صدف کا ماتھا ٹھنکا وہ چونک کر بولی۔

خیریت تو ہے ۔۔۔ اور یہ تم کس کی گاڑی میں آئی ہو ۔۔۔ صدف نے پہلی بار ڈرائیور اور گاڑی کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور سوال کیا۔

ماروی واپس پلٹی اور ڈرائیور کو ہدایات دیں کہ وہ واپس چلا جائے اور اگر اسے دیر ہو جائے تو دوبارہ یہ کو اسکول سے واپس بھی لے آئے۔ آج وہ اتنے دنوں بعد صدف سے ملی تھی بہت کچھ کہنا سننا تھا۔ ڈرائیور واپس چلا گیا اور ماروی واپس پلٹ آئی۔ اس نے صدف کا ہاتھ پکڑا اور اسی بینچ پر لے آئی جہاں چند دن پہلے انیتا کے ساتھ بیٹھی تھی اور طاؤس کی بے شمار باتیں کی تھیں۔

صدف میں تو اس شہر میں اسی وقت واپس آ گئی تھی۔ جب میں امتحان دے کر گاؤں گئی تھی بس ایک ماہ میں وہاں رہ پائی ۔۔۔ ماروی کے ذہن میں اپنی کہانی فلم کی طرح چلنے لگی۔

ایک ماہ!۔۔۔۔ تو تم یہاں کہاں رہ رہی ہو۔۔۔ کیا اس ہاسٹل میں؟۔۔۔۔ صدف ہاسٹل کی طرف اشارہ کر کے اندازے سے بولی۔ بہت بری ہو تم۔۔۔۔ کیا می کے پاس نہیں آ سکتی تھیں۔۔۔۔ تمہارے ذکر سے انہیں بیٹیوں کی طرح پیار ہے۔۔۔۔ وہ بولتے بولتے رک گئی۔

ماروی لفظ ڈھونڈ رہی تھی کہ وہ صدف کو کیا بتاتی کہاں سے بتاتی۔

ماروی مگر تم گاؤں سے واپس کیوں آ گئیں؟۔۔۔۔ ادی زینب کی طبیعت تو اب ٹھیک ہے نا۔۔۔۔ صدف کو اچانک خیال آیا ادی۔۔۔۔ ادی زینب۔۔۔۔ یہ نام لیتے وقت ماروی کے دل پر زخم سے بڑھنے لگے وہ رکی اور پھر بولی۔

وہ تو اسی دن مر گئی تھی جس دن میں گاؤں پہنچی تھی۔۔۔۔ ماروی نے ایسے لہجے میں یہ خبر سنائی کہ صدف کے ہوش اڑ گئے۔

کیا!۔۔۔ کیا کہہ رہی ہو تم؟۔۔۔ ماروی تم ہوش میں تو ہو؟۔۔۔ ادی!۔۔۔ صدف تقریباً چیخ کر بولی۔

ہاں صدف۔۔۔ بالکل ہوش میں ہوں۔ ماروی نے اپنی آنکھوں کے نم گوشے صاف کر کے کہا۔ اور پھر اس سے زینب کی وفات سے لے کر آج تک کی ہر حقیقت صدف کے آگے بیان کر دی۔ کس طرح زینب کا انتقال ہوا کیسے ماسی زلیخا نے اس کی اور ادا نور محمد کی شادی کی بات کی۔ کیوں نور محمد اور سفیر نے مل کر اسے اپنے ہی گاؤں سے راتوں رات بھاگ جانے میں مدد دی اور کیسے وہ اس ویمن ہاسٹل میں آ گئی۔ شمائل کی دوستی سے لے کر اسفند کے خطوں اور پھر انیتا کی دوستی سے لے کر بہادر خان کا اس کے ڈھونڈ لینے تک سب بتا دیا۔ یہ بھی بتا دیا کہ اس نے پناہ کے طور پر کس طرح ٹی زیڈ ہاؤس میں نوکری کی۔ حتیٰ کہ اس نے طاؤس کا قصیدہ پڑھ کر اسے یہ بھی بتا دیا کہ آج کل وہ ایک یک طرفہ محبت میں کس طرح گرفتار ہے۔ اور چند دنوں میں اس حد پر جا پہنچی ہے جہاں اسے نظر بھر کر دیکھنا ہی اس کے لیے بڑا کام ہے جب کہ اسے یہ فکر بھی نہیں رہی کہ طاؤس اسے دیکھتا بھی ہے یا نہیں۔۔۔۔ ماروی نے اختتام میں یہ بھی کہا کہ اس مختصر سفر میں بلکہ اس بے گھری کے سفر میں۔۔۔۔ صدف میرے پاؤں میں بہت چھالے پڑ گئے ہیں۔

۔۔۔ میں چاہتی ہوں کہ کوئی میرے ان چھالوں پر مرہم رکھے کوئی تو میرے لیے مکمل جا سم سم کا منتر پڑھنے کی کوشش کرے۔ مگر میری خوش قسمتی کہہ لو یا بدقسمتی کہ اسفند مجھ سے ملنا نہیں چاہتا اور طاؤس کی منزل ہی کوئی اور ہے۔۔۔۔ وہ بولتے بولتے رک گئی۔

صدف جو بہت دیر سے خاموشی سے اس کی داستان سن رہی تھی ماروی کے خاموش ہو جانے کے بعد بھی خاموش رہی۔ اس عرصے میں ماروی کے ساتھ اس کے بھی کئی آنسو بہہ چکے تھے۔

خاموش کیوں ہو صدف؟۔۔۔ کچھ تو بولو۔۔۔ ماروی اسے خاموش دیکھ کر بول اٹھی۔

کیا بولوں؟۔۔۔۔ وہ اپنی آنکھیں دوپٹے سے خشک کرتی ہوئی بولی۔ کیا بولوں؟ ۔۔۔ جن کے لیے تم رو چکیں ان کی تعزیت کروں۔۔۔۔ تمہیں اس نئی زندگی پر جہاں تم چوہے بلی کا کھیل کھیل رہی ہو، شاباش دوں، یا پھر چیخ چلا کر اس دنیا کو بتاؤں، کہ آج کے مشینی دور کی دوست ایسی ہوتی ہیں۔ جو اپنے دکھوں، اپنے غموں میں اپنی ہی دوست کو شریک کرنا بالکل پسند نہیں کرتیں۔ تم نے اگر مجھے اپنا سمجھا ہوتا تو میری ماں کو بھی اپنا سمجھتیں اور ان ملک صاحب کے پاس جانے کے بجائے تم میری ماں کے گھر آ جاتیں۔ کیا ممی تمہیں میرا پتہ نہ دیتیں۔ تم مجھے واپس بلا سکتی تھیں۔ ہم دونوں مل بانٹ کر دکھ کے دن کاٹ لیتے۔ مگر تم نے مجھے اس لائق نہیں سمجھا۔۔۔۔ اس لائق تو کیا تم نے مجھے اپنا ہی نہیں سمجھا۔۔۔ صدف شدید غصے میں بول رہی تھی۔ ماروی اس کے اس ردعمل پر بہت حیران ہوئی اور پھر پشیمان بھی۔ اس نے صدف کا ہاتھ پکڑا اور بولی۔

صدف۔۔۔ صدف نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

جاؤ ماروی بیگم۔۔۔۔ جاؤ۔۔۔۔ اور خود جو سفر شروع کیے ہیں انہیں خود طے بھی کرو میں تمہارے راستے میں نہیں آؤں گی۔ ارے، تم نے آج مجھے یہ یاد [illegible] لیا۔ میں جو بے وقوفوں کی طرح تمہارا انتظار کرتی رہی۔ تم آؤ گی اور مجھے کشمیر لے جاؤ گی [illegible] سے ملواؤ گی اجالا روشنی اور کرن سے ملواؤ گی۔ اپنے ٹھنڈے میٹھے جھرنوں۔۔ [illegible] ی یک ملاقات کرواؤ گی۔ مگر تم کہاں سے کہاں نکل گئیں۔ میں ہی بے وقوف تھی جو تم [illegible] انتظار کرتی رہی۔۔۔ صدف تیزی سے بولتی ہوئی اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی۔

ماروی بھی کھڑی ہو گئی اس نے صدف کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں سے تھام لیا اور چند لمحے اس کے غصے کی شدت سے سرخ ہوتے چہرے کو دیکھتی رہی۔ اس نے صدف کو گلے لگا لیا۔ دونوں ہی سسک اٹھی تھیں چند ثانیے بعد دونوں بیٹھ چکی تھیں اور دونوں ہی خاموش تھیں۔

تم مجھے خط ہی لکھ دیتیں۔۔۔۔۔ممی سے ایڈریس لے لیتیں۔ میں واپس آنے میں ایک پل نہ لگاتی، بھلا وہاں میرے لئے کیا رکھا تھا۔ صرف ڈیڈی کو خوش کرنے کے لئے میں وہاں رہ رہی تھی۔ ہم دونوں مل کر دکھ بانٹ لیتے تو تمہارے دکھ کی شدت کچھ تو کم ہوتی۔۔۔۔۔ماروی تم نے یہ سب کیسے سہہ لیا۔ اتنے بڑے بڑے عذاب ہی تو تھے جو تم تنہا اپنی نازک سی ذات پر سہتی رہیں۔ کیا واقعی پہاڑوں کی بیٹیاں اتنی ہی ہمت والی ہوتی ہیں جتنی کہ تم نکلیں؟ صدف اس کو بغور دیکھتی ہوئی بول رہی تھی۔

ماروی اس کی بات سن کر چند لمحے خاموشی سے آسمان کو دیکھتی رہی پھر بولی۔

تمہیں پتہ ہے صدف ایک بار شمائل نے کہا تھا کہ بہادری اسی میں ہے کہ ہم زندگی سے بازی لگا کر پل پل جینے اور پل پل مرنے کا تماشہ دیکھیں اور میں نے جواب دیا تھا کہ کیا تم جانتی ہو کہ یہ تماشا دیکھنا کتنا مشکل ہوتا ہے کتنا لہو رلاتا ہے یہ تماشا؟۔۔۔۔ ایک بات بتاؤں صدف ہم دونوں ہی سچے تھے۔ وہ بھی ٹھیک کہتی تھی جس کی زندہ مثال میں آج ہوں، تمہارے سامنے کھڑی ہوں۔ ہزار سیلاب، دکھ، غم، گزر گئے مگر میں مسکرانا نہ بھولی اور میں بھی ٹھیک کہتی تھی۔ اس پل میں جتنا لہو میری آنکھوں اور میرے دل نے رویا ہے کیا ہی کبھی کسی نے رویا ہوگا۔

چلو جو ہو چکا اسے اب بھلا دینے میں ہی بہتری ہے۔۔۔۔ میں سمجھ سکتی ہوں کہ

ادی زینب کی بچیاں اور تمہاری دادی تمہیں کس قدر یاد آتی ہوں گی۔ مگر ماروی یہ جو تم نے مجھے مسز اسفند اور مسٹر طاؤس کے بارے میں بتایا ہے یہ تا حال کافی پیچیدہ مسائل ہیں ـــــ بائی دی وے یہ مسٹر طاؤس وہ تخت طاؤس والے طاؤس تو نہیں۔

ہاں بالکل ـــــ تخت طاؤس والا ہی تو ہے ـــــ جس میں ہیرے جڑے ہوتے ہیں ـــــ ماروی مسکرا کر بولی تھی۔

ویسے میڈم یہ سراسر بے وقوفی نہیں ہے؟ میں تمہارے جیسی عقل مند لڑکی سے ایسی توقع نہیں رکھتی تھی صدف سنجیدہ لہجے میں بولی۔

مائی ڈیر اس کو محبت کہتے ہیں ـــــ

اور میری محبت کوئی صلہ نہیں مانگتی بلکہ صرف وہ کرتی ہے جو دل کرتا ہے ـــــ اب مجھے اتنا حق تو ہونا چاہیے آخر یہ میری زندگی ہے ـــــ ماروی بھی سنجیدہ لہجے میں بولی۔

ماروی سدھر جاؤ اب بھی بہت وقت ہے سدھر جاؤ کسی بے منزل کی خاطر ـــــ

بس صدف اس سے آگے کچھ مت کہنا ـــــ ماروی صدف کی بات کاٹ کر تیزی سے بولی۔ منزل کی تلاش ہی کسے ہے؟ ـــــ کون کافر منزل کو ڈھونڈ رہا ہے؟ ـــــ انجام، اختتام، وصال یہ سب میرے لئے بے معنی الفاظ ہیں ـــــ ماروی کے چہرے پر اس کے پختہ ارادے نمایاں تھے تو کیا تم واقعی بغیر کسی ثمر کی امید کے یہ سفر جاری رکھو گی؟ ـــــ صدف پھر بول اٹھی۔

جاری ہی نہیں رکھوں گی۔ بلکہ خوش اسلوبی سے طے بھی کروں گی ـــــ ٹی زیڈ ہاؤس میں دعا کے لئے پھولوں کی بارش بھی میں کروں گی ـــــ اسے ویلکم بھی میں کہوں گی ـــــ ماروی کا لہجہ بہت واضح اور روشن تھا۔

یہ پاگل پن ہے۔ سراسر پاگل پن ہے ماروی ـــــ صدف حیرت سے بولی۔

محبت اندھی ہوتی ہے اور کسی حد تک پاگل بھی ـــــ ماروی مسکرا کر بولی۔

کیا تم جانتی ہو کہ یہ سب ایک حد پر جا کر تمہارے لیے کس قدر نقصان دہ ثابت ہوگا۔ تم کتنی اکیلی ہو جاؤ گی۔ جب کہ اس کی دنیا ہری بھری رہے گی وہ شادی کر کے پوری زندگی اطمینان سے گزار دے گا اور تم برسات کو ڈھونڈتی رہ جاؤ گی ـــــ صدف نرم

انداز میں بول رہی تھی۔

اس کی دنیا ہری بھری رہے۔ وہ سدا پھولوں کی طرح مسکراتا رہے۔ ستارے اپنی روشنی سدا اس کی خاطر اس دنیا میں بکھیرتے رہیں۔ چاند اس کے لئے لمبی عمر کی دعائیں کرتا رہے۔ فطرت اس کی خاطر یونہی نظارے لٹاتی رہے۔ یہ دعائیں تو عرصے سے مری دعاؤں میں شامل ہو چکی ہیں۔ میں اس کی خوشیوں میں خوش رہوں گی۔ اس سے زیادہ کی چاہت یا خواہش مجھے نہیں ہے۔

ماروی۔۔۔۔ کیا تم اس قدر سیریس ہو۔۔۔۔

صدف اس کے اٹوٹ لہجے کے آگے ہار مان کر بولی۔

کس قدر یہ تو میں نہیں جانتی مگر اتنا جانتی ہوں کہ میں پہاڑوں کی بیٹی ہوں اور پہاڑوں کی ہمت والی بیٹیوں کو انجام کی پرواہ کیے بغیر ہر سفر طے کرنا ہوتا ہے۔ چاہے وہ پرخار ہو یا سبزہ زار اور میں یہی کر رہی ہوں۔ تم تو جانتی ہو میں کس قدر روایتی لڑکی ہوں۔ اپنی روایات سے کیسے منہ موڑ لوں۔ محبت کر لی تو بس کر لی، شکست دیکھ کر واپس بھاگ جانا میری فطرت میں نہیں ہے۔ ہار ہو یا جیت، اب یہی میدان عمل تو زندگی ہے۔

صدف اس کی باتیں سن کر خاموش ہو گئی اور بہت دیر تک خاموش رہی اس عرصے میں ماروی بھی خاموشی سے آسمان پر اڑتے ہوئے پرندوں اور بادلوں کے ٹکڑوں کو دیکھتی رہی۔

اس کا مطلب ہے ماروی کہ تمہاری آرزو تو پوری ہوئی اور چمنستان کا پھول بھی تمہیں مل گیا۔ مگر صدف دھیمے لہجے میں دھوپ کو دیکھتی ہوئی بولی۔

ہاں صدف مگر اس پھول کا مالی کوئی اور ہے اس چمنستان کا مالک کوئی اور ہے صدف اس حقیقت کو میں نے اب جا کے جانا ہے کہ پھولوں کی آرزو کبھی کبھی بہت مہنگی پڑتی ہے شاید میں ہی بھول گئی تھی کہ آرزو کے پھول اس دنیا کی سب سے مہنگی چیز ہیں۔ سب سے مہنگی۔ پہلی بار صدف نے ماروی کے لہجے میں ناکامی کی رمق محسوس کی۔ ایسی ناکامی جس کا درد دل کے کہیں بہت اندر چھپا رکھا۔

اور تو کچھ نہیں دے سکتی ماروی۔۔۔۔ مگر تمہیں یہ دوست آج سچے دل سے

تمہیں ایک دعا دیتی ہے۔ جس سفر کو تم محض اپنی روایات کی پاسداری اور دل کی سچائی کے بل پر طے کر رہی ہو اس سفر کی منزل تمہاری قسمت میں لکھی جائے اور اس منزل پر پہنچ کر تم اپنے دل کی ہر مراد ہر خوشی پالو، چاہے وہ طاؤس کی صورت ہو یا نہ ہو مگر خوشیاں جھولی بھر کر تم پر لٹنے آئیں اور تم مسکرا کر ان کا استقبال کرو۔ تمہیں تمہاری ریاضت کا اتنا میٹھا پھل ملے کہ دنیا کا خدا اور اس کی کرامات پر اعتبار اپنی زندگی سے بھی بڑھ کر ہو جائے۔ یہ دعا میرے دل کی ان گہرائیوں سے نکلی ہے جہاں شاید خدا بستا ہے۔۔۔۔ صدف محبت بھرے لہجے میں بولی۔

ماروی نے اس کو تشکر بھری نظروں سے دیکھا۔ یہ تو نہیں کہہ سکتی صدف کہ تمہاری یہ دعا قبول ہو گی مگر اگر میں اتنی خوش قسمت ہوئی نا اور یہ دعا قبول ہو گئی تو یاد رکھنا ماروی اپنی ادی زینب کی ہر دعا تمہارے نام لکھ دے گی۔

اس سے زیادہ مجھے کچھ چاہئے بھی نہیں ہوگا۔ صدف نے ماروی کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر ہولے سے دبا کر کہا۔

ٹی زیڈ ہاؤس تک اسے صدف چھوڑ گئی تھی ذوباریہ کی آنکھوں میں پھر شکایت تھی کہ وہ آج اسے اسکول سے لینے نہیں آئی تھی مگر ماروی نے بہت محبت سے اسے سمجھایا تو وہ مطمئن ہو گئی۔

آج کل ذوباریہ ہر پل ماروی کے ساتھ تھی حتیٰ کہ کھانا بھی وہ ماروی کے ساتھ اس کے کمرے میں کھا رہی تھی۔ ماروی ہر مشکل اپنی پلکوں پر لے کر بھی مطمئن نظر آتی تھی۔ ذوباریہ کے کاموں میں مشغول رہتے دن رات گزرنے لگے۔ طاؤس خان کی واپسی کے دن قریب آ گئے تھے۔ ایک دن انیتا کا فون بھی آ گیا۔

کتنی بری بات ہے اس دن کے بعد تم آج فون کر رہی ہو ماروی شکایت بھرے لہجے میں بول رہی تھی دوپہر کا وقت تھا ذوباریہ اس وقت سو رہی تھی۔

تم کیا جانو میری مجبوری۔۔۔۔ جب آرڈر ہوتا ہے تبھی فون کر سکتی ہوں۔ انیتا بولی اور خاموش ہو گئی۔

آرڈر، کس کا آرڈر۔۔۔۔ ماروی نے حیرت سے پوچھا۔

ارے بھئی ساس صاحبہ کا۔۔۔۔۔فون پر تالا لگا دیتی ہیں بہت بڑی دیوانی ہیں وہ ۔۔۔۔انیتا چند ثانیے بعد بولی۔اس کے لہجے میں غصہ جھلک رہا تھا۔

ماروی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔تمہاری ساس دیوانی ہیں میں نے تو آج تک کوئی دیوانی ساس نہیں دیکھی۔۔۔۔۔یہ خطاب پہلی بہو کے منہ سے سنا ہے۔

ہیں بھئی اور ایسی ویسی نہیں بلکہ دنیا کی نمبر ایک دیوانی۔۔۔۔ان کے حکم کے بغیر کچھ نہیں کر سکتی۔۔۔۔اچھا چھوڑو تم یہ بتاؤ تمہاری لو اسٹوری کہاں تک پہنچی؟۔۔۔۔وہ موڈ بدل کر بولی۔

اسٹوری کہو۔۔۔۔لو ہے ہی کہاں۔۔۔۔ماروی مسکرا کر بولی۔

کیوں کیا تم نے دعا کے آگے گھٹنے ٹیک دیے انیتا خوشگوار لہجے میں بول اٹھی۔

وہ تو ہمیشہ سے ہے آج کہاں؟۔۔۔۔

کیا مطلب۔

مطلب یہ کہ مقابلہ تھا ہی کہاں۔۔۔۔

مقابلہ تو وہ ہوتا ہے جس کا فیصلہ ہونا ہوتا ہے اور اس اسٹوری کا فیصلہ تو اس اسٹوری کے شروع ہونے سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ماروی مسکراتے ہوئے بول رہی تھی۔

تو نوکری چھوڑنے کا ارادہ نہیں ہے؟۔انیتا سوالیہ لہجے میں بولی۔

ہاں فی الحال تو نہیں ہے۔میرا کیا رہ رہی ہے بلکہ مجھے تو یہاں کی عادت سی ہوگئی ہے یہ خیال ہی مطمئن کر دیتا ہے کہ یہ اس کا گھر ہے اس کے ہر گوشے سے اس کے وجود کی خوشبو آتی ہے۔۔۔۔جو میرے لئے کافی ہے۔

فرض کرو ماروی وہ تمہیں مل جائے"۔۔۔۔انیتا نے سنجیدہ لہجے میں سوال کیا۔

ماروی ناممکنات کو خیالوں میں ممکن بنا کر خوش رہنے والوں میں ہوتی تو اس زندگی سے شاید کوئی گلہ نہ ہوتا۔ویسے بھی حقیقت اور رئیل پر میرا ہمیشہ یقین رہا ہے۔

کیا واقعی تم ایسا نہیں سوچتیں۔

ہاں ماروی کے لہجے میں سچائی در آئی۔

ویسے بھی میں تم سے کچھ کہنا چاہ رہی تھی۔کیا؟

مجھے صدف بھی ملی تھی تم اور صدف میری دوست ہو میری ہم راز ہو مگر میں صدف سے بھی یہ وعدہ لوں گی کہ آج کے بعد اس ٹاپک پر بات نہیں ہو گی۔

کیا مطلب؟ انیتا حیرت سے بولی۔

مطلب یہ کہ منہ سے نکلی بات آسمانوں تک جا پہنچتی ہے کہیں کسی کو بھنک بھی پڑ گئی تو ماروی کی انا اور غرور دونوں چکنا چور ہو جائیں گے۔ وہ مجھے تھرڈ کلاس لڑکی سمجھے گا۔ اور وہ میری زندگی کا آخری دن ہو گا۔ وعدہ کرو کہ یہ راز تمہارے سینے میں دفن ہو جائے گا اور آج کے بعد ان الفاظ کا ذائقہ تمہاری ہونٹ کبھی نہیں چکھیں گے۔ ماروی اٹل لہجے میں بولی تھی۔

مگر جب دل کی بات سننے والا کوئی نہیں ہو گا تو تم۔۔۔ انیتا تیزی سے بولی۔

چ۔۔۔ چھوڑ دنا۔۔۔ میری پرواہ مت کرو، سچ بتاؤں میں نے جلنا کڑھنا چھوڑ دیا ہے جو نہیں ملتا وہ خواہشوں میں بھی ہو تو بھول جاتی ہوں۔ بلکہ بھول جانا بہتر سمجھتی ہوں۔ وعدہ کرو نا۔۔۔ آج کے بعد کبھی بھی مجھ سے بھی یہ بات نہیں کرو گی۔

مگر ماروی کون ہے تمہارا جس سے سب کہہ سکو گی؟ کوئی ہمت نہیں بندھائے گا محبت کے دو بول نہیں کہے گا تو زندگی کا یہ سفر کیسے جاری رہے گا؟

میں نے کہا نا میں نے جلنا کڑھنا چھوڑ دیا ہے۔ اس معاملے میں مجھے اب کسی کی ہمدردی نہیں چاہئے وہ خواہشوں میں ضرور تھا مگر اب میں نے صبر کر لیا ہے وقت کے ساتھ ساتھ خوش رہنا بھی سیکھ لوں گی۔ سچ کہوں تو ذوبار یہ کی معصوم باتوں اور ہنسی مسکراہٹ نے زندگی کے بہت سارے بلکہ سبھی زخموں کو پھول بنا دیا ہے اور مجھ میں زندگی کے تماشے پر ہنسنے کی ہمت بھی آ گئی ہے۔ ماروی اٹل لہجے میں بول رہی تھی۔ آج اس کے لہجے سے لگ رہا تھا کہ بارش برس چکی ہے اور وہ رو چکی ہے جتنا اسے رونا چاہئے تھا۔

ٹھیک ہے۔ میں وعدہ کرتی ہوں۔

تھینک یو! مجھے تم سے یہی امید تھی۔

مگر ایک بات ضرور کہوں گی ماروی تم بہت ہمت والی ہو۔۔۔ بہت زیادہ انیتا محبت سے بولی۔

ارے نہیں۔۔۔۔بس نظر آتی ہوں۔۔۔۔ماروی دھیمے سے مسکرا کر بولی۔

اچانک فون کے درمیان کسی تیسری آواز کی سرگوشی سی محسوس ہوئی ماروی اور انیتا چونک اٹھیں۔

انیتا کیا کوئی ہماری باتیں سن رہا ہے۔۔۔۔

ماروی تیزی سے بولی۔

پتہ نہیں۔۔۔۔شاید کسی کی لائن مل گئی ہے۔۔۔۔انیتا بھی تیزی سے بولی تھی۔

پھر۔۔۔۔ماروی نے جلدی سے کہا۔

دیکھو۔۔۔۔کون ہو تم۔۔۔۔اگر کوئی ہو تو بولو؟ انیتا غصے میں بولی۔

چھوڑو انیتا بھلا کوئی ہوا تو بولے گا۔۔۔۔میں فون رکھتی ہوں۔ماروی چند لمحوں بعد بولی۔

مگر یہ جو کوئی بھی ہے بہت گھٹیا انسان ہے۔انیتا پھر تیز لہجے میں غصے سے بولی۔

چھوڑو نا۔۔۔۔خدا حافظ۔

خدا حافظ۔۔۔۔انیتا نے بھی کہا اور فون رکھ دیا۔طاوس کے آنے کی اطلاع اگلے دن کی تھی۔شام میں ماروی ذوباریہ کو پارک میں گھمانے لے گئی تھی جہاں وہ دوسرے بچوں کے ساتھ کھیلتی رہی مگر گھر واپسی پر ذوباریہ کی زبان پر ایک ہی ضد تھی کہ یا تو اسے رات تک وہیں رہنا تھا یا پھر اسے گھر میں سلائیڈز منگوا کر دی جائیں۔وہ اپنی بات نہ مانے جانے پر غصے میں تھی وہ جانتی تھی کہ ماروی اس کی کسی بات کو رد نہیں کرتی اس لئے وہ ضد کر بیٹھی تھی۔

لیکن ذوباریہ ابھی تو رات ہونے والی ہے صبح منگوا دوں گی۔۔۔۔ویسے بھی کل تمہارے آکا آ رہے ہیں وہی منگوا کر دیں گے ماروی اسے سمجھاتے ہوئے اس کی گردن کے گرد بازو حائل کر کے بولی۔

مجھے ابھی چاہئے اور بس ابھی چاہئے۔۔۔۔

اور ابھی چاہیے۔۔۔۔ذوباریہ ضدی لہجے میں بولی ماروی نے لاکھ سمجھایا کہ ایک دن کا انتظار کرے مگر ذوباریہ اپنی ضد پر قائم تھی سو ماروی کو ہار ماننی پڑی اور ہاشمی

صاحب سے کہہ کر ایک گھنٹے کے اندر اندر سلائیڈز لان میں موجود تھیں۔

اب اگر تمہارے آکا نے مجھے ڈانٹا تو میں تمہارا نام لوں گی ۔۔۔آ گئی سمجھ ۔۔۔ماروی ذوباریہ کو سلائیڈز پر خوشی خوشی پھسلتے دیکھ کر اونچی آواز میں بول رہی تھی۔

آپ بھی آئیں نا میڈم ۔۔۔ذوباریہ اپنی جگہ سے بولی۔

میں ۔۔۔ماروی ہنسنے لگی۔

ہاں آپ ۔۔۔آئیں نا ۔۔۔وہ پھر بول اٹھی۔

میں کوئی بچی ہوں ۔۔۔بس تم کھیلو ۔۔۔ماروی بولتے ہوئے قریب پڑی کرسیوں پر بیٹھ گئی۔

ذوباریہ خوش تھی ۔وہ رات تک کھیلتی رہی اور ماروی کھانے کے لیئے اسے بلاتے بلاتے تھک گئی وہ تھوڑی دیر کے لئے آئی کھانا کھایا اور پھر اسی پر سوار ہو گئی۔

ذوباریہ بس کر دو ۔۔۔اب یہ تمہارا اپنا ہے ۔۔۔کل پھر کھیل لینا ۔۔۔اب دیکھو کتنی رات ہو گئی ہے ۔۔۔بس اب میں تمہیں نہیں جانے دوں گی۔ ماروی اس کا بازو پکڑتی ہوئی بول رہی تھی۔

بس آخری دفعہ میڈم ۔۔۔بس ایک بار ۔۔۔ذوباریہ منت کرنے لگی۔

نہیں ایک بار بھی نہیں ۔۔۔صبح اسکول بھی جانا ہے اور کل آکا بھی آ رہے ہیں۔فوراً چلو۔ ماروی اسے سمجھاتی ہوئی اس کا بازو چھوڑ کر ہاتھ پکڑ کر بولی۔

لیکن اچانک ذوباریہ اپنا ہاتھ چھڑا کر قہقہے لگاتی ہوئی سلائیڈز کی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ ماروی اسے پکارتی رہ گئی مگر وہ اوپر پہنچ چکی تھی لیکن اچانک ذوباریہ کی چیخ بلند ہوئی اور وہ تیزی سے سیڑھیوں کے راستے نیچے آ گری۔ اس کی فراک کسی گرل میں پھنسی تھی وہ پیچھے مڑ کر اپنا فراک چھڑانا چاہتی تھی اور اسی اثناء میں وہ اپنا توازن کھو بیٹھی اونچائی سے نیچے آ گری۔ ماروی چیخ مار کر اس کے قریب گئی اور اسے بانہوں میں بھر لیا۔

ذوبا ۔۔۔ذوبا ۔۔۔وہ چیختی جا رہی تھی۔

چوکیدار، مالی، ڈرائیور سبھی دوڑ کر اس کے قریب آ گئے تھے اور ماروی کے ذہن میں زینب کا چہرہ گھوم گیا وہ جسے بھی ٹوٹ کر چاہتی تھی وہ جدا ہو جاتا تھا آج کل وہ دل و

جان سے اپنی محبت ذوہاریہ پر نچھاور کر رہی تھی۔ اس کا ذہن آنکھیں حلق سب جلنے لگا وہ ہسٹریائی انداز میں ذوہاریہ کو آوازیں دے رہی تھی مگر ذوہاریہ شاید بے ہوش ہو گئی تھی اس کے سر سے لال لال خون بہہ رہا تھا جو ماروی کے ہاتھ اور بازو کو بھی سرخ کر گیا تھا۔ اچانک ہاشمی صاحب آ نکلے۔

آناً فاناً اسے گاڑی میں ڈال کر اسپتال لے جایا گیا ماروی اس کے ساتھ ساتھ تھی۔ ہاشمی صاحب نے بڑی تندہی سے اسے ڈاکٹروں کے حوالے کیا بہت دیر گزر گئی مگر کوئی جواب نہیں آیا تھا وہ کیسی تھی؟ اسے کیا ہوا تھا؟ کوئی بھی نہیں بتا رہا تھا۔ جس وقت ماروی نے اسے آپریشن تھیٹر میں لے جاتے ہوئے دیکھا تھا اس کا ایک بازو اور سر بری طرح خون میں لت پت پڑا تھا۔

صبح کے تین بج گئے، ماروی کو جتنی دعائیں یاد تھیں وہ مانگ چکی تھی کتنی ہی بار وہ ہاشمی صاحب کے منع کرنے کے باوجود آپریشن تھیٹر کے باہر آئی آنسو بہا کر دعائیں کرتی رہی اور ہاشمی صاحب اسے واپس لے جاتے رہے۔

یہ سب میری وجہ سے ہوا انکل۔۔۔۔

بچوں کی ضد میں بڑوں کو ان کی حدیں تو نہیں بھولنی چاہیے۔ میں نے کیوں منگوا کر دیا۔ اسے وہ کھلونا جس نے اس کا سارا خون لے لیا۔ ماروی لرزتے ہوئے لہجے میں بول رہی تھی۔

نہیں بیٹی ایسا مت کہو جو قسمت میں لکھا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ ہاشمی صاحب آہستہ سے بولے۔

میں کیا جواب دوں گی طاؤس کو۔۔۔۔ وہ تو سارا الزام مجھے دیں گے نا۔ میں نے ان آٹھ دنوں میں اس کی پھولوں کی طرح حفاظت کی تھی۔ اسے ایک پل بھائی کی یاد نہ آنے دی یہ سب تو میں خوشی خوشی انھیں بتانے والی تھی ہر محنت اس حادثے نے رائیگاں کر دی۔ ساری غلطی میری ہے۔ میں نے اسے ہر بات مان لینے کی عادت ڈال دی تھی۔ سب غلطی میری ہے۔

بس کرو ماروی۔۔۔۔ بس کرو بیٹی اور دعا کرو صبح طاؤس آ رہا ہے اگر یہ ایک بری

خبر ہے تو اسے اچھی خبر بھی تمہاری وساطت سے ملنی چاہئے۔ بس دعا کرو۔۔۔۔وہ عینک اتار کر بولے۔ وہ اس بات سے بہت متاثر تھے کہ ماروی ذوباریہ کے لیے اس قدر محسوس کر رہی تھی۔

کتنی دعائیں کروں۔۔۔۔جتنی یاد تھیں سب کر چکی کاش میں اپنی سانسیں اس کے نام لکھ سکتی میرا کیا ہے میرا تو کوئی رونے والا بھی نہیں۔ کاش انسان کو یہ اختیار ہوتا۔۔۔۔وہ سر جھکائے ہوئے بول رہی تھی۔ کیوں سوچ رہی ہو ایسا، مت سوچو ماروی۔۔۔۔اللہ سب بہتر کرے گا بیٹی۔

ہاشمی صاحب اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولے۔ اس پل انھیں شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ ماروی نے بالکل اپنوں کی طرح ذوباریہ کو کس قدر محبت دی ہے۔ بہت جلد ماروی کو اطلاع مل گئی ہاشمی صاحب جو ڈاکٹر سے مل کر آ رہے تھے۔ ان کے چہرے کا اطمینان ماروی کو مطمئن کر گیا۔

دراصل اسپتال کا راستہ لمبا ہے، راستے میں خون بہت بہہ گیا تھا مگر اب وہ خطرے سے باہر ہے۔ اسے انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں رکھا گیا ہے۔ صبح کمرے میں شفٹ ہو جائے گی۔ انھوں نے بتایا۔

یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔۔۔۔ماروی نے کتنے گھنٹوں بعد سکون کا سانس لیا اور آرام سے بیٹھی۔

اب تم گھر چلی جاؤ بیٹی۔۔۔۔میں یہاں ہوں۔ تم جا کر آرام کرو۔ صبح طاؤس بھی آ جائے گا۔ اسے تمام صورتحال سے آگاہ کر کے اس کے ساتھ چلی آنا۔ ہاشمی صاحب رسانیت سے بولے۔

نہیں انکل میں یہاں سے نہیں جاؤں گی۔ ورنہ میری جان یہیں اٹکی رہے گی۔ آپ جائیے میں تھکی نہیں ہوں۔ بلکہ اس کے ٹھیک ہونے کا سن کر تو میری تھوڑی بہت تھکن بھی دور ہو گئی ہے۔ آپ چلے جائیں ورنہ ڈرائیور طاؤس کو کس طرح بات بتائے۔ آپ جائیں۔ میں یہاں ہوں تا ٹھیک ہوں وہ اٹل لہجے میں بول رہی تھی۔ اچھا جیسی تمہاری مرضی مگر طاؤس کی فلائٹ صبح سات بجے ہے۔ میں ڈرائیور کے ساتھ یہیں سے

ایئر پورٹ چلا جاؤں گا۔ میں تمہیں اور ذوباریہ کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔ وہ آہستہ آہستہ بول رہے تھے تھکن کے اثرات ان کے چہرے پر نمایاں تھے مگر وہ مطمئن دکھائی دے رہے تھے۔ وہ اور ماروی ذوباریہ کو شیشوں کے پیچھے سے دیکھ کر مطمئن ہو گئے تھے ماروی کچھ ہی دور صوفے پر پاؤں اوپر کیے اس کی صحت کی دعاؤں میں مشغول تھی اسے وہ ننھی جان اپنی اُجالا، روشنی اور کرن کی طرح عزیز تھی۔ وہ اپنی ادی زینب کی تینوں یادگاروں کی انوٹ محبت صرف ذوباریہ پر لٹاتی تھی۔ آج ذوباریہ خطرے میں تھی تو اسے لگا کہ جیسے اجالا روشنی اور کرن تینوں کی جان خطرے میں تھی۔ اس نے اسی حالت میں بیٹھے بیٹھے کئی گھنٹے گزار دیے کبھی اٹھ کر شیشوں کے باہر پٹیوں میں لپٹی ذوباریہ کو دیکھتی اور پھر واپس آ کر اسی جگہ بیٹھ جاتی صبح کے چھ بجے تو ڈاکٹروں نے بھی اس کے بالکل ٹھیک ہونے کی اطلاع دے دی تھی۔ آٹھ بجنے میں کچھ منٹ ہوں گے کہ طاؤس اسے دور سے آتا ہوا دکھائی دیا اس کے ساتھ ہاشمی صاحب بھی تھے۔ ماروی رات بھر کی جاگی ہوئی تھی اس کی آنکھیں تھکن اور نیند کے بارے سوج رہی تھی وہ آسمانی اور سفید لباس میں ملبوس تھی۔ جو کافی شکن آلود ہو رہا تھا اس کے بال اس کے چہرے پر اس طرح بکھرے تھے جیسے بہت دیر سے سنوارے نہ ہوں۔ اس کے سوکھے ہونٹ اس بات کے غماز تھے کہ اس کا گلا کس قدر سوکھ رہا تھا۔ طاؤس کو دیکھتے ہی اس نے اپنے بالوں پر ہاتھ پھیر کر بال درست کیے اور دوپٹہ ٹھیک طرح سے اوڑھ کر کھڑی ہو گئی۔ آج پہلی بار اس کا سر طاؤس کے آگے جھک گیا تھا۔ وہ خود کو مجرم محسوس کر رہی تھی۔

آپ نے ثابت کر دیا ہے کہ آپ اس بات کی اہل نہیں ہیں کہ آپ پر بھروسہ کیا جائے مس ماروی، آپ نے میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے اور ایسے لوگوں کو میں کبھی معاف نہیں کرتا۔ طاؤس کی شعلے برساتی آواز اس کے کانوں میں پڑ رہی تھی اس قسم کی اور بہت سی باتوں کی تو اسے خود کو توقع تھی۔ وہ اسی حالت میں کھڑی رہی۔

طاؤس چلا گیا اور ماروی وہیں بیٹھ گئی۔ اسے اب بھی پورا یقین تھا کہ قصور سارا اس کا ہی تھا۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ پہلی بار طاؤس نے اس پر بھروسہ کیا تھا اور وہ اس میں بھی پوری نہ اتر سکی۔ یہ تو ایک الگ ہی دکھ تھا۔ دوپہر تک ذوباریہ کو بھی ہوش آ گیا۔

اس وقت طاؤس اس کے کمرے میں ہی تھا۔اس نے طاؤس کو دیکھتے ہی سوال کیا۔میڈم کہاں ہیں؟

وہ باہر ہیں بیٹا۔۔۔تم بتاؤ۔۔۔تم ٹھیک تو ہو نا؟۔۔۔طاؤس پیار بھرے لہجے میں بول رہا تھا۔

مجھے کیا ہوا تھا آ کا۔۔۔اور آپ کب آئے۔۔۔وہ آہستہ آہستہ بولی۔

تم ٹھیک ہو جاؤ گی، بازو اور سر پر زخم آئے ہیں۔۔۔اس نے محبت سے ماریہ کا بازو تھام کر کہا۔

آ کا آپ میری طرف سے میڈم کو سوری کہہ دیں گے۔۔۔وہ پھر سے دھیرے سے بولی۔

سوری!! کیوں بیٹا؟۔۔۔طاؤس ماتھے پر بل لا کر بولا۔

میں نے ان کی بات جو نہیں مانی تھی۔۔۔وہ مجھے منع کر رہی تھیں اور میں پھر بھی سیڑھیوں پر چڑھ گئی اور پھر گر گئی۔۔۔ذوباریہ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

طاؤس نے آگے بڑھ کر اس کا ماتھا چوم لیا۔۔۔روتے نہیں ذوبا۔۔۔تم تو میری بہت بہادر بہن ہو نا پتہ ہے جب میں نے یہ سنا کہ تمہیں چوٹ آئی ہے میں کتنا پریشان ہو گیا تھا۔تمہارے آ تا ہمیں چھوڑ کر چلے گئے اس لئے ڈرتا ہوں نا بیٹا۔۔۔ورنہ تو میں جانتا ہوں کہ تم کتنی بہادر ہو۔۔۔ایسی چھوٹی چھوٹی چوٹیں تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔۔۔ہیں نا۔۔۔وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتا ہوا حلاوت سے بول رہا تھا۔

بہت درد ہو رہا ہے آ کا۔۔۔ذوبا نے بازو کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

اتنے میں نرس انجیکشن تیار کر کے لے آئی، ذوباریہ انکار کرتی رہی مگر طاؤس نے یہ کہہ کر اسے جلدی ٹھیک ہونا ہے انجیکشن لگوا دیا۔وہ سو گئی اور طاؤس وہیں بیٹھا اس کے معصوم چہرے کو دیکھتا رہا، پھر بوجھل قدموں سے اٹھ کر آ گیا۔

اس کے قدم باہر جانے کے بجائے اس طرف اٹھ آئے جہاں ماروی بیٹھی تھی۔ صبح اس نے ماروی کو جس حالت میں اور جہاں چھوڑا تھا وہ وہیں بیٹھی تھی۔ہاشمی صاحب نے بہت زور دیا تھا کہ وہ یا تو گھر واپس چلی جائے یا پھر کچھ کھا لے مگر ماروی مسلسل انکار

کرتی رہی۔ اسے نہ تو بھوک لگ رہی تھی نہ پیاس وہ ذوباریہ کے ہوش میں آنے کی خبر کے انتظار میں وہاں بیٹھی تھی۔ اس نے اپنا سر پشت سے لگا رکھا تھا اس کی آنکھیں بند تھیں ہونٹ اب بھی خشک تھے اور آنکھوں کے پپوٹے اب بھی سوج رہے تھے اس کا گلابوں کی طرح کھلتا ہوا چہرہ مرجھایا ہوا لگ رہا تھا۔

طاؤس اس کے قریب آ کھڑا ہوا اس نے ہلکا سا گلا کھنکھارا۔۔۔ مگر ماروی متوجہ نہ ہوئی اب طاؤس نے اپنی انگلی سے ماروی کا ماتھا چھوا۔۔۔ ماروی نے آنکھیں کھول دیں، ایسا لگا جیسے کچی نیند سے بیدار ہوئی ہو وہ طاؤس کو دیکھتے ہی کھڑی ہو گئی۔

بیٹھی رہیے طاؤس نے اطمینان سے کہا۔

ماروی آہستہ آہستہ بیٹھ گئی طاؤس اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گیا۔

میں جانتا ہوں کہ بچے ضد کرتے ہیں۔۔۔ مگر یہ بڑوں کا فرض ہوتا ہے کہ وہ انھیں ان چیزوں سے دور رکھیں جن سے انھیں خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔۔۔ ایسے کھیل پارکوں تک اسی لئے محدود رکھے جاتے ہیں کہ اگر یہ سامنے ہوں تو بچے ایک پل بھی انھیں نہیں چھوڑتے۔۔۔ مانتا ہوں کہ میں نے کہا تھا کہ اس کی ہر خواہش پوری کرنا آپ کی ذمہ داری ہے اور کل رات ذوبا آپ کے منع کرنے کے باوجود بہت دیر تک کھیلتی رہی۔ اور اس میں آپ کی بہت غلطی بھی نہیں ہے۔

وہ چند لمحے رک گیا۔

ماروی کو نہ جانے کیوں اپنا سوکھا گلا تر سا ہوتا ہوا محسوس ہوا اس کے بے جان جسم میں جان آ گئی، اس نے اپنی پلکیں اٹھا کر طاؤس کو دیکھا جو چہرے سے کافی مطمئن نظر آ رہا تھا۔ اس کے چہرے کی سختی کافی حد تک کم تھی مگر وہ سنجیدہ ترین لہجے میں بول رہا تھا۔

مگر آئندہ آپ کو اس بارے میں اچھی طرح جانچ پڑتال کرنی ہے کہ ذوباریہ اگر کوئی چیز استعمال کرتی ہے تو اس سے اسے نقصان پہنچنے کا تو اندیشہ نہیں ہے۔ وہ پھر رک گیا۔

ماروی نے پہلی بار منہ کھولا "جی بہتر"۔

ہاشمی صاحب نے بتایا کہ آپ رات سے یہاں ہیں اور کچھ کھایا پیا بھی نہیں

۔۔۔۔ میں آپ کو خود کے ساتھ اس قسم کی زیادتی کرنے کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتا۔۔۔۔اٹھیے۔۔۔۔وہ اٹھتا ہوا بولا تھا۔

مگر ذوبار یہ وہ سادگی سے بولی۔

وہ ہوش میں آ چکی ہے مگر نیند کا انجکشن دے کر پھر سلا دیا ہے۔ بچی ہے اس نے تکلیف برداشت نہیں رہی۔۔۔۔وہ سادگی سے بولا تھا۔

ماروی نے سکھ کا سانس لیا۔

آیئے۔۔۔۔طاؤس نے کہا اور آگے چلنا شروع کیا۔

ماروی مشینی انداز میں اس کے پیچھے چلتی ہوئی آ گئی۔

اس نے اپنی گاڑی کا دروازہ ماروی کے لئے کھولا تو وہ ایک لمحے کو ہچکچائی۔

بیٹھیے۔۔۔۔اس کے لہجے میں حکم تھا۔

ماروی کے لئے انکار کی گنجائش نہ تھی وہ بیٹھ گئی۔

طاؤس مڑا اور قریب موجود ایک ڈرنک کارنر کی طرف بڑھ گیا واپسی پر اس کے ہاتھ میں جوس کے دو ٹن تھے اس نے ایک ٹن کھٹکے سے ساتھ کھولا اور بغیر کچھ بولے ماروی کی طرف بڑھا دیا۔ ماروی نے ہچکچاتے ہوئے اسے پکڑ لیا۔ وہ دوسری طرف آ کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔ دوسرا ٹن ڈیش بورڈ پر رکھ دیا۔

یہ ختم کر کے دوسرا بھی آپ کو پینا ہے۔۔۔۔اس کے لہجے میں ازلی حکم تھا۔

جی۔۔۔۔ماروی کو اس کی بات سے زیادہ اس کے سخت لہجے پر حیرت تھی۔ وہ پل پل پر موڈ بدلنے میں ماہر تھا۔

حیران کیوں ہیں آپ؟ طاؤس گاڑی اسٹارٹ کرتا ہوا بولا۔

نہیں تو۔۔۔۔میں تو۔۔۔۔ماروی اٹکنے لگی۔

میرا خیال ہے صبح اسپتال میں آپ کو میں نے ڈانٹا تھا جو غلط تھا۔ غلطی ذوبار یہ کی تھی میں کسی سے معافی نہیں مانگتا اور خاص طور پر اپنے اسٹاف سے۔۔۔۔وہ اسی انداز میں بولا۔

ماروی نے جو گھونٹ ابھی لیا تھا وہ اس کے گلے میں اٹکنے لگا۔ طاؤس پل میں ہی

دوسرے کو اس کی حیثیت یاد کروانے کا فن جانتا تھا۔ ماروی نے نظریں سامنے سڑک پر مرکوز کر رکھی تھیں۔

میرا یہ رویہ شاید معافی کی کوئی صورت ہو مگر معافی نہیں۔۔۔۔۔ بحرحال اب وہ ٹھیک ہے جلد گھر آ جائے گی فکر کی ضرورت نہیں۔۔۔۔ اس کا پورا انہماک گاڑی چلانے پر تھا۔

ماروی نے ہلکا سا سر ہلایا اور خاموش رہی۔ گاڑی گھر کی طرف ہی جا رہی تھی مگر راستے میں ایک گھر کے آگے طاؤس نے گاڑی روک دی، ہارن بجایا چوکیدار نے باہر جھانکتے ہی گیٹ کھول دیا۔ طاؤس گاڑی کو اندر لے گیا۔ علاقہ کافی پوش تھا اور جس گھر میں گاڑی داخل ہوئی تھی وہ بھی بہت خوبصورت اور قابل تعریف نظر آ رہا تھا۔ طاؤس ماروی کو کچھ کہنے بتانے کی ضرورت نہ سمجھتے ہوئے گاڑی سے اتر کر گھر کے اندر داخل ہو گیا۔

ماروی اکیلی گاڑی میں بیٹھی رہی تقریباً پندرہ منٹ بعد جب ماروی نے سوچا ہی تھا کہ اتر کر چوکیدار سے طاؤس کا پتہ کرنے کو کہے وہ باہر آتا دکھائی دیا۔ اس کے ساتھ ایک نہایت حسین لڑکی بھی تھی۔ وہ نازک سی لڑکی طاؤس کے ساتھ کھڑی بے حد پیاری لگ رہی تھی۔ اس کی سرمئی آنکھیں اور سنہرے بال اسے کسی اور دنیا کی مخلوق بتا رہے تھے۔ میدے جیسی کھلتی ہوئی رنگت اور شوخ انداز دونوں ہی ساتھ کھڑے بہت بھلے لگ رہے تھے وہ مسکراتے ہوئے باتیں کرتے ہوئے باہر آ رہے تھے۔ ماروی کی نظریں ان دونوں پر تھیں۔

کیا وہ دعا تھی؟۔۔۔۔ ماروی نے دل میں سوچا۔۔۔۔ حسد کی لہر نہ جانے کہاں سے دل میں تیر کی طرح اترتی چلی گئی۔۔۔۔ اس نے گھبرا کر منہ پھیر لیا۔۔۔۔ دوبارہ دیکھا تو دونوں کافی قریب آ چکے تھے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو الوداعیہ نظروں سے دیکھا اور طاؤس واپس گاڑی میں بیٹھ گیا۔ ماروی اس پل اپنی وہاں موجودگی کو بے معنی اور فضول خیال کر رہی تھی۔ طاؤس کے چہرے پر نور اور رنگ پھوٹ رہے تھے ان سے ثابت ہو رہا تھا کہ وہ دعا کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ طاؤس نے گاڑی واپس موڑ لی اور

گیٹ بند ہو گیا۔

۔۔۔ تو وہ باقی راستے خاموش رہا مگر ایک مخصوص مسکراہٹ اس کے چہرے پر سج گئی تھی جسے ماروی خال خال ہی دیکھتی تھی۔۔۔

ٹی زیڈ ہاؤس کے اندر گاڑی رکتے ہی طاؤس نے کہا میں اسپتال جا رہا ہوں آپ اپنا حلیہ درست کر لیں میں یہ تنبیہ شاید پہلے بھی کر چکا ہوں۔۔۔۔ اس نے مغرور لہجے میں کہا اور گاڑی موڑ کر لے گیا۔

ماروی اس کے انداز پر پیر پٹختی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔

ذوباریہ گھر آ گئی وہ تیزی سے صحت یاب ہو رہی تھی اور ماروی نے بھی اس کی دیکھ بھال میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ دن آہستہ آہستہ کچھوے کی چال کی مانند رینگ رہے تھے ذوباریہ تندرست ہو گئی اور پھر سے اسکول جانے لگی تھی۔ ماروی حتیٰ الامکان خود کو ذوباریہ کے کاموں میں مصروف رکھتی تھی۔ طاؤس سے نظریں ملتیں تو نہ تو وہ اپنی سرعت میں ماروی پر دھیان دے سکتا اور نہ ماروی اس کے سامنے ٹھہرتی تھی جانے کیوں دل خوش فہم نے ہر امید کا بندھن توڑ ڈالا تھا اب تو اسے یہ بھی پرواہ نہیں رہی تھی کہ وہ ایک بار ماروی کی جانب مسکرا کر دیکھ لے۔ مگر اتنا ضرور تھا کہ دل کے اندر کی دنیا میں چہل پہل ختم ہو کر رہ گئی تھی۔ صدف یا انیتا کے فون چند لمحوں کے لئے ذہن کو تر و تازہ ضرور کر دیتے مگر پھر وہی خاموشی چھا جاتی۔ ذوباریہ کی میٹھی مسکراہٹ شاید ماروی کو زندہ رکھے ہوئے تھی۔ طاؤس اپنی مصروفیات میں بے حد مطمئن نظر آتا تھا۔ جس دن ماروی نے ہاشمی صاحب کی زبان سے طاؤس اور دعا کی عنقریب شادی کی خبر سنی تھی کئی لمحہ وہ کچھ بول نہیں سکی تھی وہ سارا دن اس نے ذوباریہ کے ساتھ مسکراتے ہوئے گزار دیا تھا۔ جانے کیوں اس مسئلے پر سوچنے کو بھی دل گوارا نہ کر رہا تھا۔

اس دن وہ ذوباریہ کو اسکول چھوڑ کر واپس آئی تھی کہ اسے بہت دنوں بعد اسفند کا خط ملا جو ماروی کو خزاں کی رت میں بہار کا جھونکا محسوس ہوا۔

ڈیئر ماروی!

تم نے جو کرنا تھا کر لیا اس کے لئے پریشان ہو کر بھی دیکھ لیا۔ اس کے لئے آنسو

بجائے اس کے تیز لہجے کو بھی برداشت کرلیا اور سخت رویہ کو بھی مگر تمہیں کیا ملا۔ اب تو جان گئی ہوگی کہ یہ طاؤس خان تمہارے قابل نہیں ہے۔ کاش ماروی میں اس سلسلے میں تمہاری کوئی مدد کرسکتا۔ کیونکہ یہ دکھ تو صرف وہ جان سکتا ہے جو خود اس آگ میں جلا ہو۔ اور تم تو جانتی ہو کہ میں بے کس و مجبور بھی تمہاری طرح تمہاری محبت میں گرفتار ہونے کے باوجود تم کو پا نہیں سکتا۔ تم میرے لئے دعا کرو میں تمہارے لئے دعا کروں گا۔ دیکھتے ہیں کس کی دعا میں زیادہ اثر ہے۔

فقط اسفندیار

وہ اسفند کے اس خط سے اور پریشان ہوگئی تھی اسفند اس کے اس قدر قریب تھا کہ سب جانتا تھا۔ اس کے ذہن میں ڈر بیٹھ گیا کہ وہ کیسے یہ سب جان لیتا ہے۔ یہ سب اس کے لئے حیرت کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ وہ بہت دیر تک اس تحریر کو غور سے دیکھتی رہی جس نے اسے ایک انوکھی حیرت میں ڈال دیا تھا۔ انیتا، صدف اور ماروی کے علاوہ یہ بات اور کوئی بھی نہیں جانتا تھا پھر اسفند کو اتنی بڑی حقیقت کا کیسے پتا چلا، یہ بات ماروی کے لئے ناقابل تسلیم اور ڈرا دینے کی حد تک خوف ناک تھی۔ اس نے گھبرا کر پہلی بار اسفند کا خط پھاڑ ڈالا تھا اور خود کو دوسرے کاموں میں مصروف کرلیا۔ وہ اندر سے ڈر گئی تھی اگر یہ بات اسفند جان سکتا تھا تو کوئی بھی جان سکتا تھا اور کوئی بھی جان سکتا تھا تو طاؤس بھی اس کوئی میں شامل ہوسکتا تھا۔ اس سے آگے اس نے سوچنا بند کردیا۔

ایک دن ذوبار یہ اسکول سے واپس آئی تو اس نے سرسری طور پر ماروی کو بتایا کہ آج اس کی سالگرہ ہے۔

کیا!۔۔۔ کیا کہا۔۔۔ آج تمہاری سالگرہ ہے۔۔۔ اور تم اب بتارہی ہو؟ ۔۔۔ ماروی حیرت سے بولی۔

کیوں میڈم کیا کوئی غلط بات ہے۔۔۔ ذوباریہ سادگی سے بولی۔

ذوبا! سالگرہ منائی جاتی ہے، کیک کاٹتے ہیں۔۔۔ دعائیں دیتے ہیں۔۔۔ اور تم نے بالکل چھپالیا۔۔۔ ارے بھئی تمہاری سالگرہ تو دھوم دھام سے ہونی چاہئے ۔۔۔ کیا تمہارے آغا کو بھی یاد نہیں ہوگا۔ ماروی نے سوال کیا۔

انھیں تو یاد ہوگا۔۔۔۔مگر میڈم جب سے آقا گئے ہیں اس گھر میں کوئی خوشی نہیں آئی دو ماہ پہلے آقا کی سالگرہ تھی برادر کیک بھی لائے تھے مگر آقا نے نہ کاٹا۔بس اچھا ہی نہیں لگتا۔۔۔۔ذوباریہ کی آنکھوں میں طہماس کے ذکر سے نمی سی تیر گئی۔

ماروی اس کی باتوں پر دکھی ہوگئی چھوٹی سی عمر میں بھی اسے وہ دکھ سہنا پڑا تھا جس کا مزہ ماروی نے چکھا تھا۔ماروی کو اس سے بہت ہمدردی محسوس ہوئی۔

دراصل ہمیں آتا کی عادت ہے نا۔۔۔۔عید بھی آتا کے بغیر بہت مشکل سے گزری تھی وہ بہت زیادہ یاد آئے تھے وہ میری سالگرہ،اپنی سالگرہ اور آقا کی سالگرہ بہت دھوم دھام سے مناتے تھے،بہت سارے لوگوں کو بلاتے تھے۔۔۔۔آج پہلی بار اس دکھ پر ذوباریہ کی معصوم اور حسین آنکھیں جن میں وہی چمک تھی جو طاؤس کی آنکھوں میں تھی پانی سے بھر گئیں۔

ماروی نے اسے اپنے کاندھے سے لگا لیا ماروی کی یادیں بھی تازہ ہونے لگیں مگر وہ سر جھٹک کر تیزی سے بولی نہیں ذوبا۔۔۔۔روتے مت۔۔۔۔اس نے اس کے ماتھے پر پیار کیا اور اپنی بانہوں میں بھر لیا۔مت رونا دیکھو اگر ہم گزرے ہوئے وقت کو نہیں بھلائیں گے،گزرے ہوئے دنوں کی تلخیوں کو ذہن میں بٹھا کر رکھیں گے تو آنے والے دن خوبصورت کیسے ہو پائیں گے،جانتی ہوں کہ بھلانا بہت مشکل ہے مگر یہ جتنا مشکل ہوتا ہے اتنا ہی ضروری بھی ہوتا ہے۔ماروی اپنے تجربے کی بنیاد پر ذوبا کو سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی اور ذوباریہ سمجھ اور ناسمجھی کی سیڑھیوں پر قدم رکھے ہاں اور نہیں کی کیفیت میں خاموش تھی۔

اور پھر تم تو اتنی چھوٹی ہو تمہارے آقا کو خاص طور پر تمہارا خیال رکھنا چاہیے،تمہاری ہر خوشی کا خیال رکھنا چاہیے ماروی سب باتوں کو نظر انداز کرکے بولی۔وہ تو وہ رکھتے ہیں۔۔۔۔مگر آتا کے بغیر اچھا نہیں لگتا۔۔۔۔ذوباریہ سادگی سے بولی۔

ذوبا میری جان۔۔۔۔کاش میں تمہیں سمجھا سکتی،ہم کیسے کیسے پیاروں کو کھو دیتے ہیں۔اگر روتے رہنے یا ان کے ساتھ چلے جانے سے کام بن جاتا تو دنیا کب کی ختم ہو چکی ہوتی۔اور یہ تو وقت ہمیں سکھا ہی دیتا ہے کہ کسی کے بغیر کیسے زندہ رہتے ہیں،لیکن

دیکھو آج کے دن میں تمہیں رونے نہیں دوں گی۔۔۔۔ جلدی سے مجھے ڈیس کے دکھاؤ ماروی ایک دم موڈ بدل کر بولی۔

ذوباریہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

ارے بابا۔۔۔۔ ہنسو نا۔۔۔۔ چیئر اپ۔۔۔۔ چیئر اپ لم آن۔۔۔۔ ماروی اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتی ہوئی بولی۔ اب اس کے چہرے پر شرارت ور آئی تھی۔

جواباً ذوبا ہنس پڑی تھی اس کی ایک مسکراہٹ نے جیسے ماروی کے جسم میں نئی زندگی بھر دی۔ ذوباریہ کے ٹیچر اسے پڑھانے آئے تو ماروی نے ذوبا کے کہنے پر انہیں آج کی چھٹی کا کہہ دیا اور ذوباریہ کے ساتھ مل کر سالگرہ منانے کی پلاننگ کرنے لگی۔ دراصل وہ ذوباریہ کے ساتھ مل کر یہ سالگرہ منا سکتی تھی مگر اس کے خیال میں ذوبا کے ذہن سے تلخ یادوں کو مٹانے کے لئے یہ ضروری تھا کہ طاؤس اس کی سالگرہ میں موجود ہوتا۔ اسی لئے اس نے ذہن میں فوراً فیصلہ کرلیا کہ طاؤس کو کس طرح بلایا جائے۔

ذوبا تم اپنے آقا کو فون کر کے بلا لو باقی سارا انتظام میں کر لیتی ہوں۔۔۔۔ ماروی نے اپنا فیصلہ سنایا۔

فون میں کروں!۔۔۔۔ نہیں آپ کریں۔۔۔۔ آپ کی بات مان لیں گے۔۔۔۔ ذوباریہ جلدی سے بولی۔

میری!۔۔۔۔ بھلا میری کیسے مانیں گے؟۔۔۔۔ ماروی ماتھے پر بل لا کر بولی۔

آپ بڑی ہیں نا۔۔۔۔ ذوباریہ نے جلدی سے کہا۔

نہیں نہیں میں فون کیسے کر سکتی ہوں، ماروی جھجکتی ہوئی بولی۔

تو پھر چھوڑیں نا کیا ضرورت ہے۔۔۔۔

ماروی چند ثانیے بعد رضامند ہو گئی۔ وہ ہر طرح سے ذوباریہ کو آج کے دن خوش دیکھنا چاہتی تھی۔

ذوبا نے جلدی سے فون اٹھا کر ماروی کے سامنے رکھ دیا۔ وہ اس وقت ماروی کے کمرے میں ہی تھی دونوں بیڈ پر بیٹھی تھیں۔ ماروی نے ریسیور کان سے لگایا اور وہ بیڈ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی ذوباریہ نے فون اٹھا کر اپنی گود میں رکھا اور ماروی کے برابر بیٹھ کر

نمبر ملانے لگی۔

اب ماروی کا دھیان بیل پر تھا۔ دو تین بیل کے بعد کسی نے فون اٹھایا آواز لڑکی کی تھی۔ ہیلو۔ ٹی زیڈ انڈسٹریز کوئی لڑکی ہے ماروی نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر ذوباریہ سے کہا۔

آکا کی سیکریٹری ہیں، بینا، بولیں طاؤس خان سے ملا دیں۔۔۔۔ ذوباریہ جلدی سے بولی۔ ماروی نے اثبات میں سر ہلایا۔

ہیلو۔۔۔۔ دوسری طرف سے دوبارہ کہا گیا۔

ہیلو۔۔۔ ماروی دھیمے لہجے میں بولی۔

جی۔۔۔۔ مے آئی نو ہوز سپیکنگ۔۔۔۔ وہ بھی حلیم لہجے میں بول رہی تھی۔

مجھے طاؤس صاحب سے بات کرنی ہے۔

آپ کا نام میڈم۔۔۔۔ اس نے پھر سوال کیا۔

میں۔۔۔۔ ماروی نے سوالیہ لہجے میں ذوبا کو دیکھا۔

کہہ دیں ماروی بول رہی ہوں۔۔۔۔ ذوباریہ تیزی سے بولی۔

میں ماروی بات کر رہی ہوں۔۔۔۔ ماروی مشینی انداز میں بولی۔

آپ ہولڈ کریں۔۔۔۔ جواب ملا۔

دوسری طرف چند ثانیے خاموشی رہی پھر وہی آواز سنائی دی۔

مس ماروی بات کیجئے بینا نے کہا اور فون رکھ دیا۔

اب طاؤس لائن پر تھا۔

ہیلو۔۔۔ طاؤس کی سخت آواز۔ روی کے کانوں میں پڑی۔

شاید روز صبح کریلوں کا جوس پیتے ہیں۔۔۔ ماروی نے جل کر سوچا اور ناک سکیڑ کر بولی۔ ہیلو۔

یہاں کس لئے فون کیا ہے۔ گھر پر بات نہیں ہو سکتی تھی۔۔۔۔ وہ اسی لہجے میں سوال کر رہا تھا۔

جی نہیں ہو سکتی تھی۔۔۔ ماروی بھی لہجے میں تلخی لا کر آہستہ سے بولی۔

ذوباریہ کے چہرے پر ماروی کے لہجے کو سن کر سوال ابھر آئے تو ماروی کو اپنا لہجہ بدلنا پڑا۔ دوسری طرف سے طاؤس کہہ رہا تھا۔

تو پھر جلد فرما دیجئے مجھے یہاں بہت سے کام ہیں۔

آج ذوباریہ کی سالگرہ ہے۔۔۔۔ ماروی مدعا زبان پر لے آئی۔

اطلاع دے رہی ہیں یا یاد کروا رہی ہیں؟۔۔۔۔ وہ سوالیہ لہجے میں پھر تیزی سے بولا۔

میں نہیں جانتی کہ آپ کو یاد ہے یا نہیں اگر یاد نہیں ہے تو یہ اطلاع ہے اور اگر یاد ہے تو پھر سوال ہے کہ آپ آفس میں کیا کر رہے ہیں۔۔۔۔ ماروی آہستہ آہستہ بول رہی تھی۔

مس ماروی لمبی بات مجھے پسند نہیں ہے۔

آئندہ خیال رکھیے گا۔۔۔۔ وہ پھر جتا دینے والے لہجے میں بولا جانے اسے خود سے دشمنی تھی یا زمانے سے۔

میرا خیال تھا کہ آپ اس سالگرہ کو دھوم دھام سے منائیں گے۔۔۔۔ ماروی اصل بات زبان پر لے آئی۔

ایسا نہیں ہو سکتا۔۔۔۔ دوسری طرف سے ازلی لہجے میں جواب ملا۔

کیوں نہیں ہو سکتا ایک ہی تو بہن ہے آپ کی۔۔۔۔

بات ایک یا دس کی نہیں ہے ماروی، بات اس قسم کی ہے جو میں نے کھائی تھی۔ اس گھر میں طہماس کے قاتل کو سزا دلوانے سے پہلے کوئی خوشی نہیں آ سکتی۔ وہ ایسے کاٹ دار لہجے میں بولا تھا کہ ماروی دم بخود رہ گئی۔

مگر اس میں بچی کا کیا قصور ہے، اس کی خوشی بڑے نہ سہی چھوٹے پیمانے پر تو منائی جا سکتی ہے۔ آپ اس کے لئے کیک لے آئیں وہ خوش ہو جائے گی۔ ویسے بھی بچوں کو زیادہ دیر تک اداسی کے موسم میں نہیں رہنے دینا چاہئے، پھول کملا جاتے ہیں۔ ماروی دھیمے سے بول رہی تھی۔

ماروی آپ کو جو حقیقت میں نے بتائی ہے اسے ہمیشہ اس وقت تک یاد رکھیے گا

جب تک آپ ذوباریہ کے ساتھ ہیں یا ئی زیڈ ہاؤس میں رہ رہی ہیں۔ یہ حقیقت آپ تک اس لئے پہنچائی گئی ہے کہ آپ کو اس بات کا احساس رہے کہ طاؤس یا ئی زیڈ ہاؤس کوئی مردہ خانہ نہیں ہے جہاں کوئی خوشی نہ منائی جاتی ہو۔ مگر فی الحال خوشیاں حرام ضرور کر دی گئی ہیں۔ اور ایسا جس نے کیا ہے نا اسے اس کے انجام تک پہنچانے کے بعد ہی طاؤس کو سکون آئے گا۔۔۔ طاؤس چند لمحے رکا، نہ جانے اس کے کیا احساسات تھے پھر اس نے فون رکھ دیا۔ بغیر ماروی کی بات کو اہمیت دیے، وہ فون رکھ چکا تھا۔

ماروی اپنی جگہ بیٹھی سن سی ہو گئی تھی۔ اسے شمائل کی کہی بات یاد آ گئی۔ اتنا حسین چہرہ ہو تو دکھ صرف سہنے والوں کو ہی نہیں دیکھنے والوں کو بھی بار محسوس ہوتے ہیں۔ نہ جانے اس وقت طاؤس کس کے سامنے بیٹھا تھا؟ جو وہ ماروی سے ایسی باتیں کہہ گیا۔ وہ باتیں جو بہت اندر کی تھیں۔ وہ جو سراپا راز تھا۔ اس کا ہنسنا بولنا اس کا اٹھنا، بیٹھنا، کھانا، پینا، سونا، جاگنا سب ماروی کے لئے اس کے گھر میں رہتے ہوئے بھی ایک راز سے کم نہ تھا۔ مگر آج وہ ان تمام باتوں سے کہیں زیادہ اہم بات ماروی سے کہہ گیا تھا۔ طہماس کے قتل کی بات تو ہاشمی صاحب بھی بہت بعد میں جان پائے تھے۔ کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ طاؤس اپنے دل میں طہماس کے قاتلوں کا زخم لئے پھر رہا ہے اور آج اس نے ماروی کو ماروی کہہ کر ہی بات کی تھی۔ مس ماروی نہیں کہا تھا۔ مگر سب سے حیرت انگیز بات یہی تھی کہ نہ جانے اس کے اس وقت کیا احساسات تھے جو وہ اس قدر اندر کی بات ماروی سے کہہ گیا تھا۔ اس کا دل کس قدر دکھا ہوا تھا جانے وہ کیا سوچ رہا تھا کہ ماروی سے وہ سب کہہ گیا جو دوسرے لوگ بھی نہیں جانتے تھے۔ وہ تو ماروی سے اپنی عام بات بھی نہیں کرتا تھا۔ ماروی کو اسی بات پر حیرت تھی۔ آخر کوئی وجہ ضرور تھی ماروی کا اپنا دل نہ صرف دکھ سے بھر آیا بلکہ وہ پریشان بھی ہو گئی، طاؤس پریشانی میں تھا تو اسے چین کہاں سے آتا۔ اس نے فون رکھ دیا۔

کیا ہوا میڈم۔۔۔ کیا کہا آقا نے؟۔۔۔ ذوباریہ جلدی سے بولی۔

ماروی اپنی ہی سوچوں میں تھی اس نے ذوباریہ کا سوال نہ سنا۔

میڈم۔۔۔ ذوباریہ اپنا معصوم سا ہاتھ ماروی کے ہاتھ پر رکھ کر بولی۔

ماروی چونک اٹھی ہاں۔

کیا ہوا؟۔۔۔۔وہ پھر بولی۔

کچھ نہیں۔۔۔۔وہ طاؤس۔۔۔۔نہیں وہ تمہارے آکا کہہ رہے ہیں کہ وہ رات کو دیر سے آئیں گے کچھ میٹنگ وغیرہ ہے۔تو کیا ہوا ذوبا ہم دونوں مل کر تمہاری سالگرہ سیلیبریٹ کریں گے۔ٹھیک ہے نا۔۔۔۔ماروی اپنے خیالات سے واپس آ گئی۔

آکا کے بغیر۔۔۔۔ذوباریہ اداس ہو گئی۔

انہیں وقت ملے گا تو وہ بھی آ جائیں گے۔

تم اداس کیوں ہوتی ہو۔۔۔۔بھئی ہم خود جا کر آپ کے لئے کیک لے کر آئیں گے۔

ٹھیک ہے۔۔۔۔ماروی مسکرا کر بولی۔

آکا ناراض تو نہیں ہوں گے؟۔۔۔۔ذوبا پھر اداسی سے بولی۔

ناراض کیوں ہوں گے؟۔۔۔۔ذرا ناراض ہو کر تو دیکھیں۔۔۔۔میں انہیں ایسی کھری کھری سناؤں گی کہ وہ اپنی ساری اکڑفوں بھول جائیں گے۔۔۔۔بھئی طرم خان ہوں گے تو اپنے آفس میں یہاں نہیں چلے گا۔ماروی انداز سے بھاری آواز میں بولی تو ذوباریہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

تو چلیں؟۔۔۔۔ماروی نے پھر سوال کیا۔

چلیں۔۔۔۔ذوباریہ جلدی سے کھڑی ہو گئی۔

ماروی نے ذوباریہ کے ساتھ اس کی پسند کا کیک خریدا اور اپنی طرف سے اس کے لئے تحفے کے طور پر چاکلیٹ خریدے۔شام کے سات بجے ماروی ذوباریہ کے لئے کپڑے نکال رہی تھی بہت پیاری سفید فراک وہ مینا کو دے کر اسے تیار کرنے کا کہہ کر لان میں آ گئی، لان میں اداسی ضرور تھی مگر موسم بہت کھلا کھلا تھا چاروں طرف کھلے پھولوں کی مدہوش خوشبو نے اس ٹھنڈے اور خوبصورت موسم میں رنگ سے بھر رکھے تھے۔وہ لان میں چائے لگانے کا کہہ کر خود بھی تیار ہونے چلی آئی۔

آج اس نے بہت دنوں بعد اپنا پسندیدہ رنگ پہنا تھا۔یہ سوٹ اس نے اس

وقت جب ماروی زوباریہ کو شاپنگ کروانے گئی تھی خریدا تھا۔ اچانک اسے یاد آیا کہ اس نے بھی تو طاؤس کو وہ نیلا کرتا تحفے کے طور پر بھیجا تھا۔ مگر پتہ ہی نہیں چل سکا کہ وہ طاؤس نے رکھ لیا تھا یا پھینکوا دیا تھا۔ کیونکہ زوباریہ کی بیماری میں وہ اس طرف دھیان ہی نہ دے سکی تھی۔ وہ سر جھٹک کر تیار ہونے چل دی۔ اس کے بے حد خوبصورت نیلے سوٹ پر سفید کامدانی نیلے آسمان پر ستاروں کی طرح جھلملا رہی تھی۔ ساتھ ہی اس نے چاندی کے وہ آویزے بھی پہن لئے جن میں نیلے پتھر جڑے تھے۔ یہ آویزے بھی اسے اچانک ہی نظر آئے تھے اور اس نے جھٹ خرید لئے تھے۔ اپنے بالوں کی سادی سی چٹیا گوندھ کر بہت ہلکے سے میک اپ کے ساتھ جب وہ لان میں آئی تو زوباریہ اور مینا وہیں موجود تھی۔ لان کی بہت ساری لائٹیں روشن تھیں۔ تالاب میں شاور چل رہا تھا۔ گلابی موسم بہت حسین لگ رہا تھا۔

میڈم آپ بہت اچھی لگ رہی ہیں زوبا ستائش بھری نظروں سے اسے دیکھتی ہوئی بولی۔

اچھا۔۔۔ نہیں بھئی۔۔۔۔ماروی نے شرارت سے کہا۔

نہیں میڈم سچ کہہ رہی ہوں۔۔۔۔زوباریہ جلدی سے بول اٹھی۔

ہاں بی بی۔۔۔۔بے بی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔۔۔۔ماشاءاللہ خدا بری نظر سے بچائے۔۔۔۔مینا بھی پر ستائش نظریں لئے اس کی تعریف کرنے لگی۔

اچھی تو میری زوبا بھی بہت لگ رہی ہے۔ اور ویسے بھی زوبا کی برتھ ڈے ہو اور میں اچھی نہ لگوں یہ بھلا کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔۔ماروی خوشگوار لہجے میں مسکرا کر بول رہی تھی۔

زوباریہ جواباً مسکرا اٹھی تھی اس کی آنکھوں میں مسرت بھرا اطمینان جھلک رہا تھا۔ یہی تو ماروی دیکھنا چاہتی تھی۔ چلو اب کیک کاٹ لیں؟۔۔۔۔ماروی کرسی پر بیٹھتی ہوئی بولی۔

چلیں۔۔۔۔زوباریہ دلچسپی سے بولی۔

تم بھی بیٹھ جاؤ مینا۔۔۔۔ماروی نے کھڑی ہوئی مینا سے کہا۔

نہیں بی بی مجھے کچن میں کام ہے۔۔۔۔ہاں مگر میں ابھی واپس آ کر کیک ضرور کھاؤں گی۔۔۔۔وہ بھی مسکرا کر بولی ماروی نے اثبات میں سر ہلایا۔ مینا چلی گئی اور ماروی نے کیک پر لگی موم بتی جلائی۔ ذوباریہ نے پھونک ماری، کیک کاٹا اور ماروی نے تالی بجا کر اسے کھلے دل سے وش کیا۔

ارے تمہارا چاکلیٹ گفٹ تو اپنے کمرے میں بھول آئی۔تم بیٹھو ابھی لاتی ہوں ۔۔۔ماروی کو اچانک یاد آیا تو وہ فوراً اٹھ گئی۔

آہستہ آہستہ چلتی ہوئی برآمدے عبور کر کے وہ اپنے کمرے میں آئی چاکلیٹ اٹھائے اور لان میں واپس آ گئی لیکن واپس آنے پر اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔ ذوباریہ وہاں موجود نہ تھی۔ البتہ وہ کیک میز پر ویسے ہی رکھا تھا اور ایک کرسی پر طاؤس بیٹھا تھا ساتھ ہی کوئی دوسرا شخص بھی موجود تھا۔ کھلتی ہوئی گندمی رنگت، گھنگریالے سیاہ بال، دراز قد اور روشن چہرے کے ساتھ وہ طاؤس سے بہت بے تکلفی سے باتوں میں مصروف تھا۔ ماروی چاکلیٹ کا پیکٹ پکڑے آہستہ آہستہ چلتی ان کے قریب آ گئی۔ ماروی کے چہرے پر حیرت موجود تھی۔ طاؤس اسے دیکھ کر اپنی جگہ سے نہ ہلا، البتہ اس کی نظریں ماروی کے چہرے پر تھیں اور دوسرا شخص اٹھ کر چند قدم چل کر ماروی کے قریب آ کھڑا ہوا۔ آپ ۔۔۔اس نے حیرت سے ماروی کے حسین چہرے کو دیکھ کر کہا۔

ماروی غصے میں تھی کیونکہ وہ اس شخص کو جانتی بھی نہیں تھی۔ اسے طاؤس پر بھی حیرت تھی کہ کم از کم وہ ان کا تعارف تو کرا ہی سکتا تھا۔ مگر نہ جانے کیوں وہ خاموش بیٹھا تھا۔ اسی اثناء میں وہ شخص دوبارہ بول اٹھا" کیا آپ آسمان سے تشریف لائی ہیں؟"۔

جی ۔۔۔۔ماروی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت کے ساتھ ساتھ شرارت کی چمک بھی تھی آسمان سے نہیں تو آپ چاند سے ضرور آئی ہیں، ایم آئی رائٹ؟ وہ پھر بول اٹھا۔

ماروی خاموش رہی اب کی بار اس نے تیز نظروں سے طاؤس کو دیکھا۔

ارے محترمہ یہ طاؤس بہت بدذوق انسان ہے۔ آپ کو بھی پوری دنیا میں لینڈ کرنے کے لئے بس یہ ٹی زیڈ ہاؤس ہی ملا تھا۔ جناب وہائٹ ہاؤس پر لینڈ کیا ہوتا، کرنا

تھا تو بکنگھم پیلس پر لینڈ کیا ہوتا۔ جو آپ کے شایان شان تو ہوتا۔۔۔ یہ جگہ آپ کو کچھ بھی نہیں۔ وہ پھر خوشگوار لہجے میں مخصوص مسکراہٹ لیے بول رہا تھا۔

آپ کیا کہہ رہے ہیں مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا؟۔۔۔ ماروی نے سادگی سے نظریں جھکا کر کہا مگر وہ اس شخص کی ہر بات سمجھ رہی تھی جو موتیوں کے سے الفاظوں میں اس کے حسن کے قصیدے پڑھ رہا وہ قصیدے جو صرف شمائل اور انیتا پڑھا کرتی تھیں جو اری زینب پڑھا کرتی تھی۔ مگر جس کی زبان سے ماروی کو سننے کی تمنا تھی وہ ہمیشہ اتنا خاموش رہتا تھا کہ اسے ماروی کے حال کی بھی پرواہ نہیں تھی۔

موسیٰ واپس آ جاؤ۔۔۔ تم نہیں جانتے یہ اس گھر میں کام کرتی ہیں۔۔۔ ذوباریہ کی کورنس ہیں۔

طاؤس کی تلخ آواز پیچھے سے ابھری تھی اور ماروی کی خوبصورت سوچوں کا بھرم ٹوٹ گیا تھا مگر موسیٰ کے نام پر وہ چونک اٹھی تھی۔ تو یہ موسیٰ جعفری تھا۔ ذوباریہ کے برادر اور طاؤس، طہماس کا جگری دوست۔ اس لیے طاؤس کی کڑوی بات نے اسے دکھی تو کر دیا تھا۔ مگر وہ سچ ہی کہہ رہا تھا اس لئے ماروی نے اس کی بات کا برا نہ مانا اس کا اختیار اب اپنے دل پر اس قدر چلتا تھا کہ وہ ڈھنڈورا پیٹ کر رونے والوں کی صف میں سب سے آخر میں کھڑی تھی جہاں وحشت اور محبت کا نایاب خمیر انسان کی مٹی میں گندھ جاتا ہے جو ایسا سبق پڑھاتا ہے جس کا مطلب ہمیشہ خاموش رہنا اور سب کچھ خاموشی سے سہنا ہوتا ہے۔

کام کرتی ہیں۔۔۔ کیا مطلب طاؤس؟ تمہیں پوری دنیا میں کام کروانے کو اور کوئی بھی نہیں ملا جو تم نے؟۔۔۔

ہم آ گئے۔۔۔ ذوباریہ کی آواز نے طاؤس کی بات کاٹ دی تھی ذوباریہ جو مینا کے ساتھ آ رہی تھی مینا کے ہاتھ میں بڑا کیک تھا جس پر بہت ساری موم بتیاں روشن تھیں۔ ماروی سمجھ گئی کہ یہ کیک طاؤس لایا ہے اس نے شکریہ کے انداز میں طاؤس کو دیکھا تو وہ کیک اور ذوباریہ کو بڑے انہماک سے دیکھ رہا تھا۔

ماروی کی نظریں تھم گئیں۔ حسین سے موسم میں وہ حسین اپنی سوچوں اور اپنی پر

غرور ذات کے ساتھ ہمیشہ جیسا بے درد دکھائی دے رہا تھا۔ بہت دنوں بعد اس نے طاؤس کو اس قدر انہماک سے دیکھا تھا وہ آج بھی ایسا ہی قاتل تھا جو پل میں قتل کر کے معافی حاصل کر سکتا تھا۔ اس کے حسن کا جادو ہی تو تھا جو ماروی آج تک اپنے دل سے نہ جیت سکی تھی۔ وہ خود بھی نہیں جانتی تھی کہ اس جادو کا کوئی توڑ تھا بھی یا نہیں اور اگر تھا بھی تو نہ جانے کیوں اس توڑ کو جاننے کا ماروی کا من ہی نہیں کرتا تھا۔ وہ بے سبب ایک ایسے سفر پر رواں دواں تھی جس کی منزل اس کے نزدیک کچھ نہیں مگر حقیقت کے پیش نظر اندھیری تھی۔ جہاں اکیلے پن اور تنہائی کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ دعا کا نام ماروی کے دل میں حسد کی کوئی چنگاری نہیں اڑاتا تھا۔ اسے دعا سے نفرت نہیں بلکہ مختلف قسم کی انسیت تھی۔ ایسا کیوں تھا یہ تو ماروی بھی نہیں جانتی تھی۔ اس عرصے میں ذوباریہ کیک ٹیبل پر رکھ چکی تھی۔ ماروی کا انہماک اس وقت ٹوٹا جب طاؤس نے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تھا۔ وہ شاید کچھ کہنا چاہتا تھا مگر ماروی کی نگاہیں خود پر مرکوز دیکھ کر وہ خاموش ہو گیا ماروی جھینپ سی گئی۔ اسے زمین نہ ملی کہ وہ اس میں سما جاتی۔ شکر تھا کہ ذوباریہ نے اس کا بازو پکڑا اور معصومیت سے بولی۔

میڈم آپ کا کیک تو لے آئے مگر ہم تو کیک کاٹ چکے ہیں اب کیا کریں؟۔

کیا فرق پڑتا ہے ایک دفعہ پھر کیک کاٹ لو۔

اس طرح تو ہماری دو دو سالگرہ ہو جائیں گی؟۔ ذوباریہ معصومیت سے بولی۔

موسیٰ واپس بیٹھ چکا تھا۔ اب ان دونوں کی نظریں ماروی اور ذوباریہ پر تھیں۔

اس سے کیا ہوتا ہے اگر کوئی محبت سے آپ کے لئے کچھ لائے تو چاہے کتنی سالگرہ منانی پڑیں آپ کو انکار نہیں کرنا چاہئے۔ ماروی نے حلاوت سے اسے سمجھایا۔

یہ بھی ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ ذوبا نے بات مانتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

تو پھر چلیں یہ کیک بھی کاٹ لیتے ہیں۔۔۔۔۔ ذوباریہ نے ماروی کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

نہیں ذوبا میں تھک گئی ہوں۔۔۔۔۔ ویسے بھی دن میں کافی سخت باتیں سنتی رہی ہوں۔ اس نے کن انکھیوں سے طاؤس کو دیکھا۔

تم جاؤ میں اپنے کمرے میں ہوں۔ وہ پلٹتے ہوئے بولی۔
اس سے پہلے کہ ذوباریہ کچھ بولتی طاؤس بول اٹھا۔ مس ماروی آپ کو اگر تکلیف نہ ہو تو چائے ہمارے ساتھ پی لیں۔ شاید وہ ذوباریہ کی ضد کو مزید بڑھانا نہیں چاہتا تھا۔ ماروی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اس کے چہرے پر ہمیشہ کی طرح سختی کے آثار تھے جو اس کی ذات کا خاصہ تھی ماروی خاموشی سے چلتی ہوئی ان کے قریب آ بیٹھی اور کیک ذوباریہ کے آگے کر دیا۔ ذوباریہ نے خوشی خوشی کیک کاٹا اور ماروی نے ان سب کے لئے چائے بنائی۔ طاؤس کے کپ میں چینی ڈالنے کے لئے اس نے اس کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھا تو وہ نہ جانے کن سوچوں میں گم تھا۔ اس نے موسیٰ کو دیکھا تو وہ اشتیاق بھری نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ موسیٰ کی شخصیت اس کے لبوں پر ہر دم کھلی رہنے والی مسکراہٹ کے باعث ماروی کو بہت اچھی لگی تھی۔
چینی۔۔۔ ماروی نے بھی مسکرا کر پوچھا۔
آپ اپنے ہاتھوں سے چائے بنائیں اور وہ پھیکی ہو یہ سراسر بکواس ہو گی۔۔۔۔ ایسے ہی دیدیں۔ موسیٰ ہاتھ بڑھا کر بولا تو ماروی نے کپ اسے تھما دیا۔
بک رہا ہے یہ۔۔۔ اس کی بیوی نے اس کی چینی بالکل بند کر رکھی ہے۔ طاؤس شاید اپنی سوچوں سے واپس آ چکا تھا۔ بیچ میں بول اٹھا۔
یہ بیوی کا ذکر تم نے یہاں ضرور کرنا تھا؟ موسیٰ ناک سکیڑ کر اور جل کر بولا تھا۔
شادی کی ہے تو ذکر تو آئے گا۔ ویسے بھی تمہیں شادی کی بڑی جلدی پڑی تھی۔ اب بھگتو۔ طاؤس دھیمی مسکراہٹ لئے بول رہا تھا۔
اور ماروی کے لئے یہ لمحے خوشیاں خوشبوئیں اور پھول برسا گئے۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ وہ اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ خوش تھا مسکرا رہا تھا۔ اسے اپنے ساتھ چائے پینے کو کہا تھا اور سب سے بڑھ کر اس کے کہنے کے مطابق ذوباریہ کے لئے کیک لے آیا تھا۔ ماروی کو لگ رہا تھا جیسے اس کی روح جھوم جھوم کر ناچ رہی ہو۔ زندگی سے اس سے زیادہ کی تمنا کب تھی۔ وہ اس کی سنگت میں چند لمحے مسکرایا تھا۔ یہ اس کے لئے دنیا کا سب سے بڑا خزانہ تھا۔

ایس۔امتیاز احمد (کراچی)

قاتل روحیں ۔۔۔!

بدروحیں مسلسل چیخ رہی تھیں اوران کی آوازوں سے گردونواح کا سارا علاقہ لرز رہا تھا۔۔۔میں اندھادھند دریا کی طرف بھاگ رہا تھا۔۔۔اور خوفناک بدروح میرے تعاقب میں تھی۔۔؟

یہ پراسرار اور عجیب واقعات جس انداز میں شروع ہوئے وہ بجائے خود ایک معمہ ہے لوگوں میں ان واقعات کے بارے میں جس قدر غلط فہمیاں اور افواہیں مشہور ہیں انہیں دیکھتے ہوئے میرے لیے یہ ضروری ہوگیا ہے کہ میں تفصیل سے ان باتوں کو بیان کروں تاکہ اس اسٹوری کا صحیح رخ سامنے آسکے سب سے پہلے میرے بارے میں چند باتیں جان لیجیے کہ آغاز سے انجام تک اس ڈرامائی اور آسیب زدہ اسٹوری کا تعلق مجھ ہی سے ہے۔۔میں 35 سال کا ایک صحت منداور مضبوط اعصاب رکھنے والا آدمی ہوں جب میں 10 سال کا تھا میرے والد دنیا سے رخصت ہوگئے اوراس سے اگلے برس والدہ چل بسیں۔ میں اپنی ایک خالہ کے پاس چلا گیا جنہوں نے میری پرورش کی اور مجھے تعلیم دلوائی میرے والد کے ایک چھوٹے بھائی بھی تھے جنہیں میں نے اپنی زندگی میں صرف ۲ مرتبہ دیکھا کیوں کے وہ خاندان سے الگ ہوکر عرصہ دراز سے سندھ کے ایک دورافتادہ گاؤں میں مقیم تھے جو دریائے سندھ کے کنارے واقع ہے میرے ان چچا کا نام جمال تھا مجھے خوب یاد ہے کہ جب بھی میرے والدین یا فیملی ممبرز ان کا ذکر کرتے تو ان کے چہرے ازحد سنجیدہ ہوجاتے اوران میں نفرت کے جذبات ابلنے لگتے۔ وہ ان کے بارے میں عجیب وغریب باتیں کرتے جو میری سمجھ سے بالاتر تھیں۔۔۔؟ تاہم تنا میں ضرور جان گیا تھا کہ وہ میرے چچا کو منحوس جادوگر یا

شیطان کہہ کر پکارا کرتے تھے میرے والد کی سخت ترین ہدایت تھی کہ خاندان کا کوئی فرد جمال سے تعلقات نہ رکھے کیونکہ اسے بدکردار اور بدنیت شخص سے کسی بھی وقت نقصان پہنچ سکتا ہے۔

چونکہ ابتداء ہی سے چچا کے بارے میں یہ باتیں میری کانوں میں پڑتی رہی تھیں اس لیے مجھے شعوری طور پر ان سے شدید نفرت ہوگئی۔کبھی کبھی میں سوچا کرتا کہ آخر یہ شخص کیسا ہوگا جس سے سبھی خوفزدہ اور ناراض ہیں۔۔۔۔کاش! میں انہیں دیکھ سکتا! مجھے گھر کے ایک پرانے نوکر کی زبانی پتہ چلا کہ چچا جمال کی ایک تصویر گھر کے کتب خانے میں موجود ہے لیکن اس کے دروازے پر ہر وقت ایک موٹا سا زنگ آلود قفل پڑا رہتا تھا۔میں نے ایک روز والد صاحب کی کوٹ کی جیب سے چابیوں کا گچھا نکالا اور کتب خانے کا دروازہ کھولا اور اندر چلا گیا۔کمرے میں بوسیدہ اور پرانی کتابوں کی بدبو چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی دیواروں پر ہمارے خاندان کے بزرگوں کی بڑی بڑی تصویریں آویزاں تھیں جن پر گرد کی موٹی تہہ جم گئی تھی ایک میز پر چڑھ کر میں نے ان تصویروں پر سے گرد جھاڑی اور سب کو غور سے دیکھنے لگا۔۔۔ان میں میرے مرحوم دادا، والدہ اور خالہ، خالو اور دوسرے ممبران خاندان کی تصویریں تھیں ان تصویروں کے نیچے نام تحریر تھے جن سے انہیں شناخت کرنے میں کوئی وقت پیش نہ آئی ان تصویروں کو دیکھتا ہوا جب میں کمرے کی مشرقی دیوار کے قریب پہنچا تو سیاہ رنگ کی لکڑی کے ایک نہایت خوبصورت فریم میں لگی ہوئی چچا جمال کی تصویر دکھائی دی۔ مجھے ایک لمحے کے لیے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نادیدہ قوت نے مجھے وہیں رک جانے پر مجبور کر دیا۔۔۔اس تصویر کو دیکھتے ہوئے میرے دل میں دہشت اور خوف کے ساتھ ساتھ انتہائی نفرت و کراہیت کے جذبات پیدا ہوئے تصویر میں جو شخص کرسی پر بیٹھا تھا اس کی شکل و شباہت اور حلیے سے ظاہر ہوتا تھا کہ کوئی بہت ہی چالاک اور مکار آدمی ہے۔اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں، طوطے کی چونچ جیسی خم دار ناک، تنگ پیشانی بڑے

بڑے کان جن پر بال اگے ہوئے تھے، پتلے پتلے اور بھینچے ہوئے سرخ ہونٹ جن پر ایک مکروہ مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی جو چچا جمال کی پراسرار شخصیت کو اجاگر کرنے کے لیے کافی تھے میری عمر اس وقت 10 سال کی تھی اور مجھے خوب یاد ہے کہ اپنے چچا کی اس تصویر کے نقش میرے دماغ پر اس طرح بیٹھ گئے کہ میں کئی دن تک خوف زدہ رہا اور جب والد صاحب کو پتہ چلا کہ میں نے لائبریری میں جا کر چچا کی تصویر دیکھ لی ہے تو وہ بہت ناراض ہوئے اور انہوں نے اسی وقت تصویر کو فریم سمیت آتش دان کے دہکتے ہوئے کوئلوں میں پھینک دیا۔

اس حادثے کے ایک سال بعد جنوری کی ایک سوگوار صبح کو میرے والد انتقال کر گئے اور جب ان کا جنازہ قبرستان لے جایا جا رہا تھا تو ہمارے گھر کے دروازے پر ایک ٹیکسی آکر رکی۔ ڈرائیور نے دروازہ کھولا۔۔ اور سرتاپا سیاہ لباس پہنے ہوئے۔ ایک طویل قامت شخص نہایت وقار کے ساتھ نیچے اترا اس کی شکل دیکھتے ہی سبھی لوگ اپنی اپنی جگہ رک گئے اور ایک عجیب سا سناٹا چھا گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے اپنے چچا جمال کو دیکھا اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں چمک رہی تھیں ہر فرد اس سے آنکھیں ملاتے ہوئے گھبرا رہا تھا۔ کسی سے کوئی لفظ کہے بغیر وہ والد کی میت کی جانب بڑھے۔ قریب کھڑے ہوئے ایک عزیز نے میت کے منہ سے کپڑا ہٹا دیا۔ چچا نے والد کے چہرے پر ایک نظر ڈالی۔ پتلے ہونٹوں پر وہی مکروہ مسکراہٹ نمودار ہوئی جو میں تصویر میں دیکھ چکا تھا پھر وہ میری والدہ کی جانب مڑے اور دبے الفاظ میں اظہار تعزیت کیا میں بوڑھے باورچی کے پیچھے سہما ہوا کھڑا تھا۔ اب انہوں نے میری جانب دیکھا اور اپنے دونوں ہاتھ میری جانب بڑھا دیئے میں دہشت زدہ ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔

یہ واقعہ مجھے ایک خواب کی مانند یاد ہے اس کے بعد چچا جمال واپس چلے گئے۔

دن گذرتے گئے میں اپنی پڑھائی اور دوسرے مشغلوں میں ایسا گم ہوا کہ چچا جمال کو بھول گیا صرف ایک موقع پر ان کی یاد آئی جب میں نے اخبار میں پڑھا کہ ایک شخص جمال براعظم افریقہ کی طویل سیاحت کے بعد سندھ میں مقیم ہوا ہے اور اپنے ساتھ نوادر کا ایک بیش بہا ذخیرہ لایا ہے یہ خبر پڑھتے ہی اپنے چچا کی بھولی بسری یاد میرے ذہن میں تازہ ہوگئی میں نے پھر خالہ سے ذکر کیا تو انہوں نے کہا۔

''بیٹا! تم اپنے چچا کو بالکل بھول جاؤ۔ تمہارا اُن سے کیا واسطہ؟ انہوں نے تمہارے والد کے مرنے کے بعد بھول کر بھی تمہاری خبر نہ لی وہ نہایت ظالم اور خبیث انسان ہے ان پر بدروحوں کا سایہ ہے۔'' بات ٹل گئی۔

کئی سال بعد میں رانی پور کے بازار سے گزر رہا تھا۔ میں نے قریب سے گزرتے ہوئے ایک شخص کو دیکھا۔ وہی سیاہ لباس طوطے کی چونچ جیسی مڑی ہوئی ناک، تنگ پیشانی اور جھریاں پڑا ہوا چہرہ جو پہلے سے کہیں زیادہ سرد تھا اور آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں ان کی شناخت کا سب سے بڑا ذریعہ کانوں کے گرد گھنے بال تھے جنہوں نے ان کا چہرہ انتہائی بدنما اور مکروہ بنا دیا تھا وہ تیزی سے چلتا ہوا ایک عمارت کے صدر دروازے میں داخل ہوگیا پہلے میں نے سوچا کہ اپنے چچا سے ملاقات کروں لیکن پھر خالہ کے الفاظ کانوں میں گونجنے لگے۔

''تمہارا ان سے کیا واسطہ؟ انہوں نے تمہارے والد کے مرنے کے بعد بھول کر بھی تمہاری خبر نہ لی۔''

میں نے نفرت سے زمین پر تھوکا اور چچا سے ملنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اسی دوران میں میری والدہ بھی وفات پا گئیں میں در بدر کی ٹھوکریں کھا رہا مجھے مضمون نگاری اور افسانہ نویسی کا شوق تھا، نام پیدا کر

نے کی دھن میں رات دن محنت کرتا رہا۔۔۔رانی پور میں میں نے ایک چھوٹا سا مکان کرائے پر لے لیا تھا اور بڑی تنگی ترشی سے بسر اوقات کرنے لگا۔۔۔آپ اس حیرت اور مسرت کا اندازہ نہیں کر سکتے جب ایک روز ڈاک سے ایک غیر مانوس تحریر میں لکھا ہوا ایک چھوٹا سا رقعہ لفافے سے برآمد ہوا جس میں لکھا تھا۔

''میرے بیٹے! یہ خط ملتے ہی فوراً سندھ روانہ ہو جاؤ زندگی اور موت کا معاملہ درپیش ہے، اور اس میں مجھے تمہاری مدد کی شدید ضرورت ہے۔ گاؤں پہنچ کر جس سے میرا مکان معلوم کرو گے تمہیں بتا دے گا۔ امید ہے تم اپنے بوڑھے چچا کو نہیں بھولے ہو گے۔'' جمال

ایک لمحے کے اندر اندر بچپن سے لے کر اب تک کے تمام واقعات میری نظروں کے سامنے سے گزر گئے اور چچا جمال کی شکل حافظے کی لوح پر ابھر آئی۔ میں دیر تک اس چند سطری خط کو دیکھتا رہا جس کے ٹیڑھے میڑھے اور شکستہ حروف ظاہر کرتے تھے کہ لکھنے والے کے ہاتھ میں رعشہ ہے یا اس نے اتنی گھبراہٹ اور بد حواسی میں لکھا ہے کہ الفاظ جگہ جگہ سے ٹوٹ گئے ہیں۔

اس رات میں کوئی کام نہ کر سکا۔ بار بار سوچتا رہا کہ مجھے جانا چاہیے یا نہیں اپنے چچا کی ہیبت میرے دل و دماغ پر بچپن ہی سے نقش تھی وہ مجھے وہاں جانے سے روکتی تھی لیکن نوجوانی کی حرارت اور کچھ کرنے کا جذبہ مجبور کرتا تھا کہ ضرور جانا چاہیے۔

جب میں سندھ کے نواح میں پہنچا۔۔۔شام کے دھندلکے آہستہ آہستہ بستی کو اپنی لپیٹ میں لے رہے تھے اور دریائے سندھ کی طرف سے آنے والی ہوا کے جھونکوں میں شدت پیدا ہو چکی تھی۔ یہ چھوٹا سا گاؤں تھا جہاں بمشکل چند سو مکان تھے اکثر مکان ایک منزلہ تھے اور کوئی کوئی مکان ۲ منزلہ یا ۳ منزلہ تھا گلی میں سے گزرتے ہوئے چند آوارہ کتوں نے بھونکنا شروع کر دیا۔ انہیں روکنے کے لیے ایک عمر رسیدہ آدمی

ایک مکان سے نکلا میں نے اس سے خان ہاؤس کا پتہ پوچھا تو ایک ثانیے کے لیے اس شخص کے چہرے پر حیرت کے آثار نمودار ہوئے اس نے سر سے پیر تک میرا جائزہ لیا اور بولا۔

"آہ!۔۔۔تم بڈھے جمال سے ملنے آئے ہو؟ اس کا مکان آبادی کے آخری سرے پر ہے۔ بس سیدھے چلے جاؤ۔"

یہ کہہ کر بڈھے نے اپنے مکان کا دروازہ فوراً بند کر لیا۔ آدھے گھنٹے بعد میں خان ہاؤس کے سامنے کھڑا تھا۔ یہ وسیع وعریض مکان بالکل ویران جگہ پر تھا اس کے اردگرد پرانی اور بوسیدہ عمارتوں کے کھنڈر پھیلے ہوئے تھے جن سے پتہ چلتا تھا کہ کسی وقت یہاں بھی آبادی تھی۔ اس کے مغربی جانب جنگل واقع تھا اور شمالی جانب دریائے سندھ کے پانی کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ دریا زیادہ دور نہیں مکان کا دروازہ بند تھا اور کھڑکیوں پر سیاہ رنگ کے پردے پڑے ہوئے تھے روشنی کی کوئی کرن دکھائی نہ دیتی تھی جنگل میں پرندوں کے بولنے کی آوازیں اس ہولناک سناٹے کو چیرتی ہوئی میرے کانوں تک آرہی تھیں۔

میں نے اپنے جسم میں خوف کی کپکپی دوڑتی ہوئی محسوس کی۔ آن واحد میں صد ہا پریشان کن خیالات میرے ذہن میں آئے اور گزر گئے میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے فوراً لوٹ جانا چاہیے لیکن کسی اندرونی جذبے کے تحت میرے قدم رک گئے جانے سے بیشتر چچا جمال کو ایک نظر تو دیکھ لوں اب تو ان کی شکل وشباہت میں عظیم تغیر آچکا ہوگا۔۔۔ میں نے آگے بڑھ کر دروازے پر زور سے دستک دی اور انتظار کرنے لگا چند لمحے بعد مکان کے اندر سے قدموں کی چاپ سنائی دی جو آہستہ آہستہ دروازے کے قریب آرہی تھی میرا دل دھڑکنے لگا۔ دروازے کے لاک کھلنے کی آواز سنائی دی اور سیاہ رنگ کا آہنی دروازہ ایک گڑگڑاہٹ کے

ہاتھ ذرا سا سرکا اور مجھے ایک مدقوق صورت بڈھا کھڑا نظر آیا، اس کا جسم گردن سے لے کر ٹخنوں تک بغیر آستین کے سیاہ لبادے سے ڈھکا ہوا تھا ایک ہاتھ میں مٹی کے تیل سے جلنے والا چھوٹا سا لیمپ تھا۔۔۔شائد اٹھ گئی ہوئی تھی۔ ہوا کے جھونکوں سے لیمپ کی لو بھڑک رہی تھی، زرد رنگ کی اس روشنی میں بڈھے جمال کو پہچان لینا کچھ مشکل نہ تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرے سامنے ایک لاش کھڑی ہے میں دہشت سے ایک قدم پیچھے ہٹ گیا اور ان کی شکل بغور دیکھنے لگا یہ میرا وہی مکروہ صورت چچا تھا جسے میرے گھر کے لوگ نفرت کے باعث شیطان کہہ کر پکارا کرتے تھے۔۔۔انہوں نے لیمپ اونچا کیا۔۔۔اب میں نے دیکھا کہ اس کا ہاتھ برف کی طرح سپید تھا اور لمبی باریک انگلیاں نہایت سختی سے لیمپ پکڑے ہوئے تھیں اس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی وہ دروازے سے باہر آیا اور سیٹی کی مانند تیز آواز میں بولا۔

''اگر میں غلطی نہیں کر رہا تم میرے عزیز بھتیجے سلیم ہو۔۔۔خوش آمدید۔۔۔خوش آمدید۔۔۔''

میں نے اثبات میں گردن ہلا دی۔۔۔۔اور دروازے میں داخل ہو گیا بڈھے نے لیمپ فرش پر رکھا اور دروازے کا لاک لگا دیا اور لیمپ دوبارہ ہاتھ میں اٹھا کر مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔۔۔

''بیٹا سلیم! تم نے بہت اچھا کیا کہ آ گئے اب مجھے اطمینان ہو گیا۔ تم تھک گئے ہو گے۔ آرام کرو۔۔۔صبح باتیں کریں گے۔۔۔''

ایک طویل راہداری۔۔۔۔کئی برآمدوں اور زینوں کو عبور کر کے بڈھا مجھے تیسری منزل کے ایک کشادہ اور سجے سجائے کمرے میں لے گیا جہاں آتش دان کے اندر آگ کے نارنجی شعلے بھڑک رہے تھے ایک جانب بڑی سی مسہری پر آرام دہ بستر بچھا ہوا تھا جس کے اوپر بہت پرانی سی چھتری آویزاں تھی قریب ہی رکھی ہوئی میز پر رات کا کھانا لگا ہوا تھا۔۔۔۔میں حیرت سے یہ سامان دیکھ رہا تھا بڈھا میری اس حیرت کو

بھانپ کر مسکرایا اور بولا۔

''مجھے یقین تھا! کہ آج تم رات تک میرے پاس ضرور پہنچ جاؤ گے میرا حساب کتاب کبھی غلط نہیں ہوتا میں نے انور سے کہہ دیا تھا کہ کھانا تیار رکھے اور آتش دان میں آگ جلا دے۔۔۔دریا قریب ہے اس سے یہاں سردی بڑھ جاتی ہے اچھا شب بخیر!''

اس نے جلتا ہوا لیمپ ایک جانب رکھ دیا اور دروازے کی طرف جا کر غور سے سننے کی کوشش کرنے لگا۔ چند سیکنڈ تک وہ دروازے سے کان لگائے سنتا رہا ان کی اس حرکت پر میری حیرت دم بدم بڑھ رہی تھی یکا یک اس نے ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھول دیا باہر تاریک برآمدے میں کوئی نہ تھا ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا اور لیمپ بجھ گیا۔۔۔بڈھے کی آواز میرے کانوں میں آئی۔

''میز پر دیا سلائی موجود ہے تم لیمپ جلا سکتے ہو۔''

میں نے اندھیرے میں دیا سلائی کا بکس تلاش کیا اور جب لیمپ روشن کر کے دروازے کی طرف گیا تو دروازہ باہر سے بند تھا۔

صبح جب میری آنکھ کھلی تو باہر سنہری دھوپ پھیلی ہوئی تھی اور میرے سرہانے ایک منحوس صورت بڈھا کھڑا تھا معلوم ہوا کہ یہ انور ہے اور خانساماں ہونے کے ساتھ ساتھ عمارت کی چوکیداری بھی کرتا ہے اس نے مودبانہ انداز میں سلام کیا۔ اور ناشتے کی ٹرے میز پر رکھتے ہوئے بولا۔

''باتھ روم آپ کے بائیں ہاتھ ہے کوئی ضرورت ہو تو یہ گھنٹی بجا دیجیے گا۔''

اور دبے پاؤں کمرے سے باہر نکل گیا۔ منہ دھو کر میں ناشتہ کرنے لگا اسی دوران میں کمرے کا دروازہ پھر آہستہ سے کھلا اور چچا جمال اندر داخل ہوئے اب میں نے غور سے دیکھا ان کے چہرے پر موت

کی سی زردی چھائی ہوئی تھی ان کے ہاتھوں اور ننگے پیروں کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے برص کا مرض ان کے تمام جسم پر پھیل چکا ہے۔ کل کی طرح آج بھی انہوں نے گردن سے لے کر ٹخنوں تک لمبا سیاہ لبادہ پہن رکھا تھا اور سر پر پرانی وضع کا سیاہ کیپ تھا، دبلا پتلا ہونے کے باعث وہ پہلی نظر میں لمبے آدمی معلوم ہوتے تھے لیکن حقیقتاً ان کا قد 5 فٹ سے زائد نہ تھا ان کی عمر 50 برس سے اوپر ہی ہوگی لیکن حلیے سے لگتا تھا کہ وہ 30 سال سے اوپر کے ہیں۔ مجھے دیکھ کر وہ مسکرائے اور کہنے لگے۔

''ناشتہ تمہیں شائد پسند نہ آیا ہوگا۔۔۔انور پرانا آدمی ہے اسے نئے طرز کا ناشتہ تیار کرنا نہیں آتا۔''

''نہیں چچا جان! ناشتہ تو خوب ہے۔'' میں نے اعتراف کیا وہ چند لمحے تک میری جانب پلک جھپکائے بغیر دیکھتے رہے اور مجھے لگا جیسے وہ میرا ذہن پڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کی نظریں اتنی مقناطیسی تھیں کہ میں گھبرا کر دوسری طرف دیکھنے لگا کئی منٹ تک کمرے میں خاموشی رہی میں جب ناشتے سے فارغ ہو چکا تو انہوں نے گھنٹی بجائی اور ایک ثانئے بعد بڈھا انور کمرے میں داخل ہوا اور برتن اٹھا کر چپکے سے باہر چلا گیا۔ انور کے جانے کے بعد چچا جمال اٹھے اور انہوں نے پہلے کمرے کا دروازہ بند کیا پھر کھڑکیاں بند کیں ان پر سیاہ پردے کھینچے اور پوری طرح مطمئن ہونے کے بعد کہ اب آواز بھی کمرے سے باہر نہیں جا سکتی وہ بالکل میرے قریب آگئے۔ خوف کی ایک لہر میرے جسم میں دوڑ گئی۔۔۔خدا معلوم یہ خبیث بوڑھا اب مجھ سے کیا بات کہنا چاہتا ہے میں نے رومال نکال کر پیشانی سے پسینے کے قطرے پونچھے۔۔۔بڈھے نے مجھے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور کہنے لگا۔

''بیٹا سلیم! میں نے بہت سوچ بچار کے بعد اس کام کے لیے تمہارا انتخاب کیا ہے اور یقین ہے کہ تم مجھے مایوس نہ کرو گے۔ بہت عرصہ گزرا میں نے تمہیں اس وقت دیکھا تھا جب تم 10 سال کے تھے اور میں

نے اسی وقت فیصلہ کرلیا تھا کہ تمہیں اپنی ساری جائیداد کا وارث بناؤں گا" میرا دل یکبارگی دھڑکا بڈھا اپنی بات کا اثر دیکھنے کے لیے تھوڑی دیر تک خاموش رہا اس نے دوبارہ گفتگو کا آغاز کیا۔

"لیکن اس سلسلے میں تمہیں چند شرائط پوری کرنا پڑیں گی اور مجھے یقین ہے کہ تم انکار نہیں کرو گے۔" اب میں چونکا۔

"چچا جان! اگر آپ کی شرائط اس قابل ہوئیں جن کو میں پوری کروں تو مجھے خوشی ہوگی۔"

"جمال چچا کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا انہوں نے اپنا استخوان نما پنجہ میرے کندھے پر رکھا اور بولے۔

"میری شرائط بہت آسان ہیں اب غور سے سنو اور ان پر عمل کرنے کا وعدہ کرو سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ تم مستقل طور پر میرے اس مکان میں رہو گے۔۔۔مکان کے پچھلے حصے میں ایک تہہ خانہ ہے جس میں مرنے کے بعد میری لاش رکھی جائے گی۔اور تہہ خانے کا دروازہ سیل کردیا جائے گا۔اس تہہ خانے کی ذمہ داری تمہاری ہوگی اور تم محسوس کرو گے کہ "کوئی" میرے تہہ خانے کے دروازے کو توڑ کر اندر داخل ہونے کی کوشش کر رہا ہے تو تم بلا تاخیر میری لائبریری میں جانا اور میز کے خانے سے کاغذات نکال کر دیکھنا ان پر جو ہدایات لکھی ہوں ان پر عمل کرنا۔۔۔اس سے پہلے ان کاغذات کو دیکھنے کی کوشش نہ کرنا بس میری یہی شرائط ہیں۔"

میرے دماغ میں ہلچل مچ گئی۔ میں حقیقتاً کچھ نہ سمجھ سکا کہ جمال چچا ایسا کیوں کہہ رہے ہیں؟ تاہم میں نے اندازہ لگالیا کہ کسی حادثے کے باعث ان کا دماغ خراب ہوگیا ہے اس لیے وہ بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں۔۔۔میں نے بحث کرنے کے بجائے ان سے کہا کہ ان تمام شرائط پر عمل کرنے سے مجھے انکار

نہیں۔ چچا جمال کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ وہی مکروہ مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی انہوں نے آگے بڑھ کر پردے ہٹائے ایک کھڑکی کھولی جو باغ کی جانب کھلتی تھی جہاں سوائے جھاڑ جھنکار کے سوا کچھ نہ تھا۔ کھڑکی کھلتے ہی چچا جمال اپنی جگہ بے حس و حرکت کھڑے ہو گئے ان کی نظریں جھاڑیوں کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ یکا یک وہ بڑبڑائے جیسے کسی سے باتیں کر رہے ہوں۔

''میں نے اب تک تمہیں قریب نہیں بھٹکنے دیا۔۔۔جمال تمہارے قابو میں آنے والا نہیں۔۔۔شاید! کیا تم میری بات سن رہے ہو۔۔۔''

میں حیرت سے ان کی طرف دیکھنے لگا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔۔۔دفعتہ وہ میری طرف مڑے اور کہنے لگے۔۔

''سلیم! اب تم جا سکتے ہو۔۔۔۔میں اب تمہیں دوبارہ نہ مل سکوں گا۔'' یہ کہہ کر وہ تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے میں ابھی کچھ سوچنے بھی نہیں پایا تھا کہ انور کمرے میں داخل ہوا۔ وہ انتہائی بد حواس اور خوفزدہ لگتا تھا اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور تقریباً گھسیٹتا ہوا کمرے سے باہر لے گیا ادھر ادھر دیکھتے ہوئے وہ سرگوشی سے بولا۔

''ماسٹر! سلیم آپ اسے کیا کہتے ہیں؟''

میں نے انور کی طرف گھور کر دیکھا اور ڈانٹ کر کہا۔

''بے وقوف بڈھے کیا تو چھپ کر ہماری باتیں سن رہا تھا؟''

وہ خوف سے لرز گیا اور منہ پھیر کر کچھ کہے بغیر وہاں سے چلا گیا میں اپنے کمرے میں لوٹ آیا معاملہ لمحہ بہ لمحہ پراسرار بنتا جا رہا تھا چچا جمال کے الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے تھے اور مجھے یوں محسوس ہو رہا

تھا جیسے میرے ذہن پر منوں بوجھ رکھ دیا گیا ہے میں نے بستر پر لیٹ کر اس معمے کو غور وفکر کے بعد حل کرنا چاہا لیکن واقعات اس قدر الجھے اور بے ترتیب تھے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا؟ تاہم ایک بات یقینی تھی کہ اگر بڈھا جمال پاگل نہیں تو اسے کسی شاہد نامی شخص سے خطرہ ضرور ہے اور پھر تہہ خانے والی بات میرا دماغ چکرانے لگا آخر اس نے اس بات پر زور کیوں دیا کہ اس تہہ خانے کے اندر کوئی شخص داخل ہونے کی کوشش کرے گا حالانکہ بڈھا جمال ابھی زندہ ہے مجھے انور کا خیال آیا آخر وہ کیوں پوچھ رہا تھا کہ ماسٹر سلیم جمال نے مجھ سے کیا باتیں کیں میں دماغ پر جتنا زور ڈالتا معاملہ اتنا ہی پراسرار اور تکلیف دہ بنتا چلا جا رہا تھا آخر میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے چند روز تک یہیں قیام کر کے اس مسئلے کا حل کرنا ہوگا اور اپنے چچا کی گزشتہ زندگی کے حالات جاننے ہوں گے۔

دوپہر کو انور میرے لیے کھانا لے آیا اور کچھ کہے سنے بغیر واپس چلا گیا میں نے بھی اسے منہ لگانا مناسب نہ سمجھا۔ کھانے سے نمٹ کر میں چہل قدمی کے ارادے سے باہر نکلا۔۔۔۔ چچا جمال غالباً گھر میں نہ تھے ورنہ وہ ضرور نظر آتے پھر مجھے ان کے الفاظ یاد آئے کہ اب ہم نہ مل سکیں گے۔ میں سوچنے لگا کہ ان الفاظ کا کیا مقصد تھا۔

رانی پور کے نواح میں سہ پہر تک گھومنے کے بعد جب میں تازہ دم ہو کر خان ہاؤس پہنچا تو نچلی منزل کے بڑے کمرے میں ایک تیسرے بڈھے کو کرسی پہ بیٹھے پایا میں نے دل میں کہا، برے پھنسے یہ مکان تو بڈھوں کی آرام گاہ بنا ہوا ہے۔ خدا معلوم ابھی یہاں کتنے ایسے بڈھے چھپے بیٹھے ہیں مجھے دیکھتے ہی بڈھا کرسی سے اٹھا اور استفہامیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''کیا آپ ہی کا نام سلیم ہے؟''

میں نے اثبات میں گردن ہلائی تب اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''مسٹر سلیم! میں نہایت رنج کے ساتھ یہ منحوس خبر آپ کو سنا رہا ہوں کہ تھوڑی دیر پہلے آپ کے چچا جمال اس دنیا سے چل بسے۔''

ایک لمحے کے لیے مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے کسی نے پوری قوت سے آہنی ہتھوڑا میرے سر پر دے مارا۔ میں گم سم ہو کر بے وقوفوں کی طرح اس اجنبی بڈھے کی شکل دیکھنے لگا۔ حیرت اور رنج کی ایسی کیفیت مجھ پر زندگی میں پھر کبھی طاری نہیں ہوئی۔ جیسی اس روز چچا جمال کے مرجانے کی یکا یک خبر سن کر ہوئی تھی۔

''کیا کہہ رہے ہیں آپ؟''

میں نے بے قابو ہو کر تقریباً چیختے ہوئے کہا۔

''چچا جمال چل بسے؟ کیسے۔۔۔۔؟ کب۔۔۔؟''

''ابھی آدھ گھنٹہ قبل۔۔'' بڈھے نے پرسکون لہجے میں کہا'' جن حالات میں وہ موت سے دوچار ہوئے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے خودکشی کی ہے میرا نام نیاز احمد ہے اور میں بہت عرصے سے مرحوم کا مشیر قانون ہوں۔۔۔اور۔۔''

''ذرا ٹھہریئے۔۔۔'' میں نے قطع کلام کیا۔۔ میں تفصیل سے تمام واقعہ سننا چاہتا ہوں۔

وکیل نے کھنکار کے گلا صاف کیا اور یوں تقریر کے لیے تیار ہوا جیسے کسی عدالت میں کھڑا ہے۔

''سلیم صاحب! اصل قصہ یہ ہوا کہ اب سے کوئی آدھ گھنٹہ قبل حسب معمول انور اپنے مالک کو تلاش کرتا ہوا تیسری منزل کے آخری کمرے میں پہنچا تو اس نے مرحوم کو ایک میز پر اس عالم میں بیٹھے پایا جیسے وہ لکھتے لکھتے اونگھ گئے ہوں۔۔۔ان کے آگے چند کاغذ پڑے تھے اور ہاتھ میں قلم تھا، کاغذ پر چند حروف آپ کا

نام مسٹر سلیم اور رانی پور کا پتہ لکھ پائے تھے کہ زہر نے اپنا کام دکھا دیا اور پھر وہ اس سے آگے نہ لکھ سکے ۔۔۔ پہلے یہ خیال ہوا کہ ان کی موت حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے واقع ہوئی ہے لیکن جب ڈاکٹر نے معائنہ کیا تو یہ انکشاف ہوا کہ دانستہ یا غلطی سے افیون زیادہ کھا جانے سے یہ مہلک حادثہ پیش آیا ہے ۔۔۔ بہر حال یہ فیصلہ کرنا عدالت کا کام ہے اور عدالت کی نگرانی میں مرحوم کا وصیت نامہ کھولا جائے گا۔ آپ کو میرے ہمراہ چلنا ہوگا۔''

عدالت کے کل ۱۲ ارکان تھے جنہوں نے 5 منٹ میں فیصلہ دے دیا کہ جمال کی موت ناگہانی طور پر زیادہ افیون استعمال کرنے سے ہوئی ہے اور یہ اقدام خودکشی کا نہیں ہے۔ جیوری کے اس فیصلے سے گاؤں کے مولوی جو مرحوم کے دفنائے جانے کی آخری رسوم ادا کرنے والے تھے انہیں عدالت کے فیصلے سے اتفاق نہ تھا۔۔۔ وہ برملا کہہ رہے تھے ''جمال صاحب نے خودکشی کی ہے اور میں ایسے شخص کے جنازے میں بھی شریک ہونے کو تیار نہیں ہوں۔'' وصیت نامہ کھولا گیا تو اس میں چوکیدار اور گھر کی دیکھ بھال کرنے والی خاتون کو معقول رقم عطا کرنے کے علاوہ ساری جائداد میرے نام کر دی گئی تھی لیکن اس شرط کے ساتھ کہ میں جب تک زندہ ہوں خان ہاؤس میں مقیم رہوں گا۔

یہ سارا واقعہ اسی تیزی سے پیش آیا کہ غور کرنے اور سوچنے کی تمام قوتیں سلب ہو گئیں جائداد ملنے کی اگرچہ مجھے دل ہی دل میں خوشی تھی لیکن جب چچا جمال کی عجیب و غریب شرائط سامنے آئیں تو ذہن مفلوج ہو جاتا دراصل مجھے یقین ہو گیا تھا کہ چچا جمال نے خودکشی کی ہے۔۔۔ مجھے ان کے الفاظ یاد آ رہے تھے۔

''ہم اب دوبارہ نہ مل سکیں گے۔۔۔''

سورج غروب ہونے سے پہلے ان کی وصیت کے مطابق چچا جمال کی ڈیڈ باڈی ایک تابوت میں رکھ

کر بند کر دی گئی جس کی انہوں نے مجھے ہدایت کی تھی۔تہہ خانے میں تابوت رکھ کر تہہ خانے کا دروازہ میں نے اپنے سامنے سیل کرایا۔رانی پور کے وہ سب لوگ جو جنازے کی تعزیت کے لیے آئے تھے ایک ایک کر کے رخصت ہو چکے تھے ابھی میں اپنے کمرے میں آ کر بیٹھا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی اور انور اندر داخل ہوا۔۔۔اس کی آنکھیں ویران اور سرد تھیں چہرے پر ایک عجیب قسم کی وحشت برس رہی تھی وہ کہنے لگا۔

جناب عالی!

میں صرف یہ اطلاع دینے آیا ہوں کہ میں اب ایک لمحے کے لیے بھی اس منحوس مکان میں ٹھہرنا نہیں چاہتا۔۔۔میں آپ سے کسی تنخواہ اور کسی معاوضے کا مطالبہ نہیں کر رہا۔۔۔۔مجھے آپ اجازت دیجیے۔

"کیوں؟"

تمہیں یہاں کیا تکلیف ہے؟ میں نے حیرت سے پوچھا۔

"جناب تکلیف تو کوئی نہیں۔۔۔" انور رک کر بولا پھر کمرے میں چاروں طرف پریشان نظروں سے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"سلیم صاحب! مرحوم جمال صاحب جب تک زندہ تھے اس مکان میں بڑے بڑے پراسرار اور نا قابل یقین تماشے میں نے دیکھے ہیں اور اب ان کے مرنے کے بعد بھی ایسے ہی واقعات پیش آئینگے۔میں اب اس آسیب زدہ مکان میں نہیں رہنا چاہتا۔"

میں نے انور سے ان پراسرار اور نا قابل یقین واقعات کی تفصیلات پوچھنے کی بڑی کوشش کی لیکن اس کی حالت اتنی ابتر اور شکستہ تھی کہ وہ کچھ بتا نہ سکا اور جانے پر اصرار کرتا رہا، آخر میں نے اس سے کہا کہ چند دن مزید ٹھہر کر چلے جانا۔یہ سن کر اس نے مودبانہ انداز میں گردن جھکالی اور آنسو پونچھتا ہوا باہر چلا گیا۔تھو

ڑی دیر بعد میں نے گھر کی دیکھ بھال کرنے والی خادمہ مسز فوزیہ کو طلب کیا اور جب اسے بتایا کہ انور نوکری چھوڑنا چاہتا ہے تو بڑھیا کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اس کے مرجھائے ہوئے ہونٹ اور خشک ہو گئے اور وہ اپنی دھنسی ہوئی زرد آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگی میں نے دیکھا کہ خوف سے اس کے دونوں ہاتھ کانپ رہے ہیں اس نے جلدی سے اپنی اس کیفیت پر قابو پالیا اور کہنے لگی۔

''سرکار! آپ اس بوڑھے کو ہرگز نہ جانے دیجیے وہ پاگل ہو گیا ہے اپنے مالک کی بے وقت موت نے اس کا دماغ ٹھکانے نہیں رہا میں اسے سمجھا دوں گی۔۔۔۔''

اب میں نے مسز فوزیہ سے بھی اس مکان اور چچا جمال کی گزشتہ زندگی کے بارے میں پوچھنا چاہا تو اس نے نفی میں گردن ہلائی اور کہا۔

''سرکار! میں کچھ نہیں بتا سکتی مجھے کچھ معلوم نہیں۔۔۔۔ میں تو ان کے کسی معاملے میں کبھی دخل نہیں دیتی تھی۔''

چچا جمال کی موت کے 3 روز بعد کا ذکر ہے میں رات کا کھانا کھا کر دیر تک ڈائری لکھتا رہا اور جب سونے کے لیے بستر پر لیٹا تو رات کا ایک بج رہا تھا مکان کے چاروں طرف ایک بھیانک سناٹا اور تاریکی مسلط تھی اور دور جنگل میں کوئی الو اپنی منحوس آواز میں چیخ رہا تھا۔ بستر پر لیٹتے ہی میں نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ چچا جمال میرے سامنے کھڑے ہیں انہوں نے وہی بغیر آستین والا سیاہ لبادہ پہن رکھا تھا اور اپنی چمکیلی آنکھوں سے مجھے گھور رہے تھے یکایک۔ ان کے لب کھلے اور انہوں نے تحکمانہ انداز سے مجھ سے کہا۔

''سلیم'' تم بلا تاخیر میری لائبریری میں جاؤ! بر ساتویں الماری کے دوسرے خانے میں کتابیں رکھی

ہیں انہیں بغور دیکھو ان کتابوں کے اندر جو ہدایات ہیں ان پر عمل کرو۔

یہ خواب دیکھ کر میری آنکھ کھل گئی اور میں نے اپنا دل بے تابی سے دھڑکتے پایا۔۔۔۔ چچا جمال کی شکل میری آنکھوں کے آگے گھوم رہی تھی اور خواب میں کہے گئے الفاظ کانوں میں مسلسل گونج رہے تھے میں پھر ساری رات نہ سو سکا اور سورج کی پہلی کرن جونہی نمودار ہوئی مجھے محسوس ہوا جیسے میرا سارا ڈر دور ہو گیا۔ پھر میں دیر تک ایک بجے کی نیند سوتا رہا۔ دوبارہ آنکھ کھلی تو میں تازہ دم تھا، ناشتے سے فارغ ہو کر حسب معمول تہہ خانے کی جانب گیا اور دروازے کی سیل کا معائنہ کیا۔ اسے کسی نے نہیں چھیڑا تھا۔۔۔ میں مطمئن ہو گیا۔

دن بھر کی مصروفیات کے بعد۔۔۔ رات میں جونہی بستر پر لیٹا چچا جمال خواب میں دکھائی دیئے۔ اس مرتبہ ان کی حالت پہلے سے ابتر تھی اور چہرہ بڑا بھیانک نظر آ رہا تھا، انہوں نے وہی الفاظ دہرائے جو گزشتہ رات کہے تھے۔۔۔ میں پھر ساری رات مضطرب رہا۔ تیسری رات چچا میرے سامنے پھر کھڑے تھے اور وہی الفاظ دہرا رہے تھے اس مرتبہ ان کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے اور لہجے میں حد درجہ کی تلخی اور تحکم تھا۔۔۔ آنکھ کھلی تو میں نے اپنا جسم پسینے سے شرابور پایا ایسی ذہنی اذیت سے مجھے کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا۔ میں نے اسی وقت لیمپ ہاتھ میں لیا اور دبے پاؤں چلتا ہوا لائبریری کی طرف گیا دروازے کا قفل کھولا اور ساتویں الماری کے قریب پہنچا جس کے اوپر سیاہ پردہ پڑا ہوا تھا جب میں نے اس پردے کو چھوا تو میرے جسم میں سنسنی سی پھیل گئی جیسے میں نے کسی گندی شئے کو ہاتھ لگا دیا ہو لکڑی کی بنی ہوئی اس الماری کے 4 خانے تھے جن میں صدیوں پرانی بوسیدہ کتابیں بھری تھیں۔ اس کے دوسرے خانے میں سے پہلی کتاب کو اٹھا کر جونہی میں نے پہلا صفحہ الٹا تو میرے ہاتھ کانپ گئے اور کتاب فرش پر گر گئی۔ بتا نہیں سکتا کہ

مجھ پر کتنی ہیبت اس کتاب کو دیکھ کر ہوئی اور اس کتاب پر کیا منحصر اس خانے میں جتنی کتابیں رکھیں تھیں ان سب کا موضوع ہی ایسا تھا اور یہ سب کی سب لاطینی زبان کی قلمی کتابیں تھیں ان میں کہیں کہیں سرخ روشنائی سے مختلف عبارتوں کو انڈر لائن کیا گیا تھا۔ جن پر چچا جمال کے دستخط اور تاریخ درج تھی میں ان تمام نشان زدہ کتابوں کو اٹھا کر اپنے کمرے میں لے آیا اور ان کی عبارتیں سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔۔۔ لاطینی زبان میں نے عرصے پہلے ایک شخص سے سیکھی تھی وہ اب میرے کام آئی۔۔۔ لیکن حروف اتنے پرانے اور شکستہ تھے کہ پڑھنے میں نہیں آ رہے تھے۔

میں صبح تک ان عبارتوں میں سر کھپاتا رہا اور بالآخر ان میں سے ایک پیراگراف کا ترجمہ کرنے میں کامیاب ہو ہی گیا جو یوں تھا۔

"اس کائنات کی بیکراں وسعتوں میں لاکھوں بدروحیں آسیب اور شیطانی قوتیں کارفرما ہیں جو دن رات کے ہر ہر لمحے میں زمین کی طرف یلغار کرتی ہیں اور جس روح کو کمزور دیکھتی ہیں اس پر قابو پانے کی کوشش کرتی ہیں خصوصاً سورج غروب ہونے کے بعد اور صبح کاذب تک ان روحوں کی قوت بہت بڑھ جاتی ہے یہ جہاں چاہے جا سکتی ہیں پس ان کو روکنے کے لیے مختلف تدبیروں پر عمل کیا جاتا ہے مرنے کے بعد جب کوئی روح جسم سے نکل جاتی ہے تو بدروحیں اسے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے بیتاب ہوتی ہیں اگر اس وقت مردے کی قبر اور جسم کی حفاظت نہ کی جائے تو وہ ہمیشہ کے لئے عذاب میں گرفتار ہو جاتا ہے۔"

اس عبارت کے حاشیے میں چچا جمال نے لکھا تھا۔

"بیٹا سلیم! جب میں مر جاؤں اور تم میری ہدایات کے مطابق تہہ خانے میں مجھے دفن کر کے دروازہ سیل کر دو۔۔۔ اس کے بعد تہہ خانے کو بلاؤں سے محفوظ کرنے کے لیے قبرستان جانا اور ایک پرانی کھوپڑی

کو پیس کر اس کا سفوف بنا لینا بعد ازاں ایک کمسن بچے کے خون میں یہ سفوف حل کر کے چودھویں رات کو تہہ خانے کے دروازے پر کھوپڑی کی تصویر بنا دینا یہ عمل تین مرتبہ چاند کی ہر چودھویں رات کو کرنا ضروری ہے۔"

جب یہ عبارت میں نے پڑھی تو دہشت سے میرا رواں رواں کانپنے لگا اور میں نے دیوانگی کے عالم میں کتابیں اٹھا کر فرش پر پھینک دیں۔

"خدا کی پناہ!" اگر مجھے علم ہوتا کہ وہ منحوس بڈھا مرنے کے بعد مجھ سے ایسے بیہودہ اور ناپاک کام لینا چاہتا ہے تو میں کبھی اس سے وعدہ نہ کرتا۔۔۔ میں دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا کر رونے لگا اور دیر تک اپنی حالات پر روتا رہا۔ کاش! میں یہاں نہ آتا اور اپنے آپ کو اس عذاب میں مبتلا نہ کرتا۔

ان کتابوں سے ظاہر ہو گیا تھا کہ میرا چچا نہ صرف کالے جادو پر یقین رکھتا تھا بلکہ اس پر عمل پیرا بھی تھا اور خدا بہتر جانتا ہے کہ اس نے اپنی طویل زندگی میں اس جادو کے زور سے کیا کارنامے انجام دیئے ہوں گے اور اب مرنے کے بعد بھی اس مشغلے میں الجھا ہوا ہے۔

اس روز میری بھوک پیاس سب اڑ گئی بار بار میری نظریں اسی تہہ خانے کی طرف جاتی جہاں اس جادوگر کی لاش تابوت میں رکھی تھی ایک بار میرے دل میں آیا کہ تہہ خانے کے دروازے کی سیل توڑ دوں اور لاش کو تابوت سے نکال کر نذر آتش کر دوں لیکن ایسا کرنا میرے بس میں نہ تھا گاؤں بھر کے لوگ میرے اس فعل پر نفرتیں کرتے اور کہتے کہ چچا نے اپنی ساری جائیداد بھتیجے کو بخش دی اور بھتیجے نے یہ صلہ دیا۔۔۔ انور اور مسز فوزیہ کا رویہ بھی میرے ساتھ عجیب تھا اول تو وہ میرے قریب ہی نہیں بھٹکتے اور اگر قریب آتے بھی تو سہمے سہمے رہتے۔

رات کو میں دریا کے کنارے ٹہلنے نکل گیا۔۔۔تھوڑی دیر میں آسمان کے کنارے مشرق سے چو دھویں کے چاند نے جھانکا اور اپنی سنہری کرنیں دریا اور جنگل میں بکھیرتا ہوا آہستہ آہستہ اوپر اٹھنے لگا۔ میں دور تک ٹہلتا چلا گیا وقت کا احساس ہی نہ رہا جب میں واپس لوٹا تو چاند پوری آب و تاب کے ساتھ آسمان کے عین درمیان میں روشن تھا۔۔۔ہر شے چاندنی میں نہا رہی تھی تمام راستے مجھے کوئی آدمی نظر نہ آیا اور میں یہاں کے لوگوں کی بدذوقی اور فطرت کے حسن سے بے نیازی پر دل ہی دل میں کڑھتا ہوا جب خان ہاؤس کے اجڑے ہوئے باغ میں پہنچا تو یک ثانیے کے لیے میری نگاہوں کے سامنے کچھ فاصلے پر کسی آدمی کا سایہ زمین پر پڑتا دکھائی دیا۔۔۔میں نے غور سے دیکھا تو یہ سایہ اسی جانب بڑھ رہا تھا جدھر خان ہاؤس کے مغربی گوشے میں لائبریری کا کمرہ تھا۔

میں ایک درخت کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔۔۔بلاشبہ یہ کوئی آدمی تھا جو مکان کے اندر جانا چاہتا تھا چند لمحے بعد وہ جھاڑیوں کے اندر سے نکلا اور کھلی جگہ میں آ گیا اب میں نے اس کا چہرہ دیکھا جو دودھ کی مانند سپید تھا۔

اور اس کے سر کے بال بھی چاندی کے تاروں کی مانند چمک رہے تھے اس کا قد 6 فٹ سے نکلتا ہوا اور سر سے پیر تک سیاہ لبادے میں لپیٹا ہوا تھا، مجھ سے اس کا فاصلہ اندازاً 30 گز تھا تھوڑی دیر تک وہ مکان کی طرف دیکھتا رہا پھر آہستہ آہستہ نپے تلے قدموں سے تہہ خانے کی طرف بڑھنے لگا۔۔۔اب میں نے دیکھا وہ لنگڑا کر چل رہا ہے اور اس کی کمر بھی جھکی ہوئی ہے میں اس کے تعاقب میں دبے پاؤں چل رہا تھا ۔۔۔میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ تہہ خانے کے پاس جا کر کیا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

تہہ خانے کے گرد اونچی گھاس اور جھاڑ جھنکار کثرت سے تھے اور ناممکن تھا کہ کوئی شخص ادھر جائے

اور اس کے پیر میں کانٹا نہ چبھے۔ لیکن یہ دیکھ کر مجھ پر خوف طاری ہو گیا کہ جو شخص ننگے پیر تھا اس اطمینان اور بے پروائی سے اس جھنکاڑ کے اندر چل رہا تھا جیسے اس کے پیروں تلے قالین بچھا ہوا ہے، یکا یک بادل کے ایک آوارہ ٹکڑے نے چاندنی کا راستہ روک لیا اور چاروں طرف گھپ اندھیرا چھا گیا میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور تہہ خانے کے قریب پہنچ گیا میں چاہتا تھا کہ چپکے سے جا کر اس شخص کو پکڑ لوں اتنے میں چاندنے پھر بادلوں میں سے جھانکا اور میں نے دیکھا کہ وہ پراسرار شخص گھٹنوں کے بل جھکا ہوا تہہ خانے کے دروازے کا معائنہ کر رہا ہے غالباً وہ دیکھ رہا تھا کہ اسے کس طرح کھولا جا سکتا ہے اتنے میں مغرب کیجانب سے ایک بہت بڑی چمگادڑ پرواز کرتی ہوئی آئی اور اس کے پروں کا سایہ اس شخص پر پڑا اس نے فوراً گردن اٹھا کر اوپر دیکھا اور مسکرایا اس کے چمکتے ہوئے نوکیلے دانت دیکھ کر مجھے بڑی حیرت ہوئی دوسرے ہی لمحے وہ تہہ خانے کے دروازے کے قریب لیٹ گیا اور اس وقت میری آنکھوں نے جو دہشت انگیز منظر دیکھا وہ میں کبھی نہ بھول سکوں گا۔ دیکھتا ہوں کہ وہ شخص آہستہ آہستہ سکڑنے لگا پہلے مجھے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ آیا میں چند قدم آگے بڑھا اور میری آہٹ پا کر سکڑتے ہوئے اس شخص نے جو یقیناً کوئی بدروح تھی میری جانب دیکھا اور اچھل کر کھڑا ہو گیا۔۔۔ خدا جانے وہ کون سی طاقت تھی جس نے مجھے اس بدروح سے لپٹ جانے پر مجبور کر دیا۔ ایک ہی جست میں۔۔۔۔ میں اس پر جا پڑا اس کا دایاں پنجہ میرے ہاتھ میں آ گیا عین اسی وقت کسی نے پیچھے سے میرے سر پر کوئی وزنی شے ماردی اور میں اس چوٹ کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گیا۔

ایک گھنٹے بعد مجھے ہوش آیا تو میں نے اپنے آپ کو تہہ خانے کے دروازے کے قریب پڑا پایا میرا دماغ چکرا رہا تھا اور سر کے اس حصے میں جہاں نادیدہ دشمن نے ضرب لگائی تھی شدید ٹیسیں اٹھ رہی تھیں یہ حادثہ ایک خواب کی مانند مجھے یاد تھا۔۔۔ اور یقیناً میں اسے خواب ہی سمجھتا اگر میرے ہاتھ کی مٹھی میں دبا ہوا وہ

انسانی پنجہ نہ ہوتا جو چچا جمال کے تہہ خانے کا دروازہ کھولنا چاہتا تھا حواس بحال ہونے کے ساتھ ہی مجھے اس پنجے کی موجودگی کا احساس ہوا بلاشبہ وہ میرے ہاتھ میں تھا۔ لمبی سپید پانچ انگلیاں والا انسانی پنجہ جس میں ہڈیاں تھیں اور ان پر صرف کھال منڈھی ہوئی تھی۔

چاند ایک بار پھر بادل کی اوٹ میں چھپ چکا تھا اور میرے چاروں طرف گہری تاریکی مسلط تھی ۔۔۔ میں پہلے اس پنجے کو کسی پودے سے اکھڑی ہوئی شاخ سمجھا تھا لیکن جب اسے اچھی طرح ٹٹول کر دیکھا تو دہشت کی ایک نئی لہر میرے جسم میں دوڑ گئی ۔ ورپچھلے پہر کی سردی کے باوجود میری پیشانی پسینے سے بھیگ گئی۔

گرتا پڑتا ۔۔۔ میں اپنے کمرے میں پہنچا ۔۔۔ ٹیبل لیمپ روشن کیا اور ایک بار پھر اس انسانی پنجے کا معائنہ کیا یہ کسی لاش سے علیحدہ کیا ہوا پنجہ معلوم ہوتا تھا کسی ایسے شخص کی لاش جسے مرے ہوئے ۲ سال کا عرصہ گزر چکا ہو میں نے انتہائی کراہیت محسوس کرتے ہوئے اس پنجے کو ایک کونے میں پھینک دیا اور بستر پر لیٹ کر اس واقعے پر از سر نو غور کرنے لگا یہ بات تو یقینی تھی کہ وہ شخص جسے میں نے تہہ خانے کے قریب کھڑے دیکھا تھا اور جس پر میں نے حملہ کیا اس دنیا کی مخلوق ہرگز نہ تھی وہ انسانی روپ میں ضرور کوئی بدروح تھی جو چچا جمال کی لاش کو نقصان پہنچانے کے لیے آئی تھی اس کے ساتھ ہی یہ خیال بھی میرے دماغ میں آیا کہ چونکہ چچا جمال خود بھی کالے جادو سے کام لیتے تھے اس لیے انہیں معلوم تھا کہ بدروحیں انہیں ہلاک کرنے کے درپے ہیں ۔۔۔ لیکن انہوں نے خودکشی کیوں کی؟ اور اگر خودکشی نہیں کی تو کیا انہیں کسی بدروح نے ہلاک کیا ہے؟ یہ وہ سوالات تھے جن کا جواب میرے ذہن میں نہ تھا ۔۔۔ اچانک مجھے یاد آیا کہ چچا جمال نے ان کا غذات کا ذکر کیا تھا جو ان کی میز کی دراز میں رکھے تھے ۔۔۔ شاید ان کاغذات کے مطالعے سے صحیح حل کا

سراغ مل سکے اور میں نے اس کام کو صبح نمٹانے کا فیصلہ کر کے اپنے آپ کو نیند کے حوالے کر دیا۔

صبح اٹھتے ہی میں نے سب سے پہلے انور کو اپنے کمرے میں بلوایا۔ گزشتہ کئی روز سے میرا اس کا آمنا سامنا نہیں ہوا تھا۔۔۔ وہ میرے سائے سے بھی دور بھاگتا تھا وہ آیا تو انتہائی بدحواس اور گھبرایا ہوا تھا۔۔۔ میں نے اسے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کر کے اسے ایک گلاس پانی پیش کیا وہ سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ چچا جمال کے بارے میں براہ راست پوچھنے کے بجائے میں نے اسے ایک نئے انداز سے کریدنا چاہا۔۔ میں نے اس سے کہا۔

"کل رات ایک پراسرار اجنبی کو میں نے تہہ خانے کے گرد گھومتے ہوئے دیکھا ہے اس شخص کا قد بہت لمبا تھا اس نے چچا جمال کی طرح گردن سے ٹخنوں تک سیاہ لبادہ پہن رکھا تھا۔۔۔ اس کے سر کے بال بالکل سفید تھے اور ایک عجیب بات یہ تھی کہ وہ لنگڑا کر چل رہا تھا۔۔۔ جب۔۔۔ وہ۔۔" ابھی میں اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ۔

انور تھر تھر کانپنے لگا۔۔۔ اس کے چہرے کا رنگ پہلے سرخ ہوا پھر زرد اور آخر میں دھلے کپڑے کی طرح سفید پڑ گیا آنکھوں کے حلقے ساکن ہو گئے گردن آگے کو ڈھلک گئی اور وہ دھڑام سے فرش پر گر پڑا میں نے اسے سنبھالتے ہوئے دل میں کہا ایک نہ شد دو شد یہ بھی اپنے آقا کے ساتھ ہی چل بسا لیکن نہیں۔۔۔ چند منٹ بعد انور نے آنکھیں کھول دیں میری جانب ڈری ڈری نظروں سے دیکھا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ رات ایک لنگڑے آدمی کو تہہ خانے کے پاس دیکھا؟ اس نے سیاہ لباس پہن رکھا تھا۔ خدا رحم کرے۔۔۔ شاہد واپس آ گیا۔۔۔؟ وہ بڑبڑایا۔۔۔

"یہ شاہد کون ہے؟" میں نے اس سے پوچھا۔

انور نے کوئی جواب نہ دیا وہ جلدی سے اٹھا کمرے کا دروازہ کھولا اور بے تحاشہ دوڑتا ہوا برآمدے میں گیا سیڑھیاں طے کیں اور مکان سے باہر نکل گیا میں اسے حیرت سے دیکھتا رہا۔اس کے بعد میں نے دوبارہ اسے رانی پور میں نہیں دیکھا۔۔۔وہ اپنا سامان بھی نہ لے جا سکا۔

مسز فوزیہ نے شاہد کے بارے میں جو کہانی سنائی وہ یہ تھی۔

شاہد احمد آج سے 5 سال قبل اس گاؤں میں آیا تھا جلد ہی اس کے جمال سے دوستانہ تعلقات ہو گئے۔۔۔گاؤں والے ان دونوں سے بہت ڈرتے تھے کیونکہ یہ دونوں شخص کالے جادو کے ماہر تھے۔مشہور تھا کہ ان کے قبضے میں بدروحیں ہیں ہمزاد ہیں جن کے ذریعے یہ جس کو چاہیں ہلاک کرا سکتے ہیں۔ایک سال قبل ان دونوں میں کسی بات پر جھگڑا ہو گیا اور خاصی تو تو میں میں ہوئی دونوں نے ایک دوسرے کو جان سے مارنے کی دھمکیاں دیں اس جھگڑے کے چند دن بعد ہی شاہد پراسرار طور پر غائب ہو گیا۔پھر کسی نے اسے نہ دیکھا۔۔۔کہنے والے کہتے ہیں کہ جمال نے شاہد کو مار ڈالا۔لیکن کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ پولیس کو اطلاع دیتا۔۔۔گاؤں کے وکیل خالد کو شاہد کے بارے میں کچھ معلومات ہیں اگر اس سے پوچھا جائے تو شاہد بتا دے کیونکہ اب جمال بھی اس دنیا میں نہیں ہے۔

مزید وقت ضائع کیے بغیر میں خالد کے دفتر پہنچا۔مجھے بغیر اطلاع اور بے وقت آتے دیکھ کر اس کے سنجیدہ اور پرسکون چہرے پر پریشانی کے گہرے آثار نمودار ہوئے اس نے کام چھوڑا اور میری طرف متوجہ ہو گیا میں نے سب سے پہلے دروازے اور کھڑکیاں بند کیں اور یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ آواز باہر نہ جائے اپنی کرسی وکیل کی طرف گھسیٹ لی اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

”مجھے شاہد احمد کے بارے میں معلومات درکار ہیں کیا آپ کچھ بتا سکیں گے؟“

میں وکیل کے چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا اس نے مضطرب ہو کر پہلو بدلا دو منٹ تک خاموش خلاؤں میں گھورتا رہا۔۔۔ پھر بولا۔۔

”مسٹر سلیم! میں جانتا ہوں کہ آپ گزشتہ چند روز سے پراسرار واقعات کے درمیان گھرے ہوئے ہیں۔۔۔ آپ نے اچھا کیا کہ میرے پاس چلے آئے میں بے شک آپ کے مرحوم چچا کا قانونی مشیر تھا لیکن آپ برا نہ مانیں تو کہوں کہ میں نے کبھی اس شخص کو پسند نہیں کیا۔۔۔ وہ افریقہ سے کالا جادو سیکھ کر آیا تھا اور اسے یہاں کے معصوم اور بے گناہ لوگوں پر آزمانا چاہتا تھا۔۔۔ میں نے انہیں سمجھایا اور روکنے کی بہت کوشش کی مگر وہ نہ مانے اسی دوران شاہد احمد بھی یہاں آگئے جو بلیک میجک کے ماہر تھے اور آپ کے چچا نے انہیں فوراً دوست بنا لیا کہ وہ انکے مطلب کے آدمی تھے۔۔۔ لیکن 5 سال بعد ایک روز اچانک ان کی دوستی ختم ہو گئی اور وہ غائب ہو گئے۔۔۔ خیال ہے کہ آپ کے مرحوم چچا نے انہیں مار ڈالا۔۔۔ اور لاش کہیں غائب کر دی؟ تاہم شاہد احمد کی روح نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔۔۔ اور جیسا کہ آپ نے گزشتہ رات دیکھا کہ تہہ خانے کا دروازہ کھولنے والا شاہد احمد۔۔۔ یا اس کی روح تھی؟“

”آہ۔۔۔ میرے خدا۔۔۔! آپ کو کیسے پتہ چلا؟“ میں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا۔

”آپ کا ملازم انور تھوڑی دیر قبل میرے پاس آیا تھا وہ سب کہانی سنا گیا ہے۔۔۔“

”وکیل صاحب! تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود آپ بلیک میجک پر یقین رکھتے ہیں؟“

وکیل نے اقرار کرتے ہوئے کہا۔ ”ایک روح شاہد احمد کی تابع ہے اپنی زندگی میں وہ اس سے کام

لیتا رہا اور اب مرنے کے بعد بھی۔۔۔ جب کہ شاہد احمد خود ایک روح ہے وہ اپنے موکل سے کام لے رہا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہد احمد کا موجودہ جسم بے کار ہوتا جا رہا ہے اس لیے وہ کسی تازہ لاش میں سمانا چاہتا ہے اور تازہ لاش تمہارے چچا کے سوا اسے کہیں سے نہیں مل سکتی اس لیے وہ یہاں آ گیا ہے اور اس کوشش میں ہے کہ اس لاش پر قبضہ کر لیا جائے۔ کیونکہ اس کی روح کے پاس بہت پرانا جسم تھا جو بے کار ہو چکا ہے اب وہ دن میں دکھائی نہیں دیتا لیکن رات کو نظر آتا ہے۔۔۔ البتہ شاہد احمد کو میں دن میں کئی بار دیکھ چکا ہوں۔ تمہارے چچا جمال اس کی وجہ سے بے حد خائف تھے۔ انہوں نے شاہد کی روح کو دور کرنے کی بڑی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ جمال جانتا تھا کہ ایک نہ ایک دن موت کا آہنی پنجہ اسے دبوچ لے گا اور اس کے بعد شاہد اس کے جسم پر قبضہ کر لے گا۔ اس سے نجات پانے کے لیے اسے ایک تدبیر سوجھی تمہیں یہاں بلایا اور چند وائریکشن دیں اس کے بعد کثیر تعداد میں افیون کھا کر خودکشی کر لی ممکن ہے اس نے اپنی لاش کو ان روحوں سے بچانے کے لیے کوئی خاص انتظام بھی کیا ہوا۔ لیکن جیسا کہ انہوں نے آپ کو خواب میں آ کر بتایا۔ روحیں اس کی لاش کو تہہ خانے سے نکالنے کے لیے بے چین ہیں اب اس کی ایک ہی صورت ہے کہ ہم اپنی جان پر کھیل کر شاہد احمد اور اس کی ساتھی روح کو ان کے مقصد میں ناکام بنا دیں میں ایک عامل کو جانتا ہوں جو ان بدروحوں سے مقابلہ کر سکتا ہے اسے میں اپنے ہمراہ لیتا آؤں گا۔ اس کا نام بشیر احمد ہے اور عمر ایک سو 10 سال ہے۔ اب آپ خان ہاؤس جائیں اور جمال کے کاغذات کی چھان بین کریں ممکن ہے ہمیں ان روحوں کے بارے میں کچھ اور باتیں معلوم ہوں۔"

اسی روز میں نے چچا جمال کی لائبریری میں رکھی ہوئی میز کی دراز سے ایک لمبا سر بمہر لفافہ نکالا جس پر میرا نام لکھا تھا۔۔۔ جب میں نے اسے کھولا تو جمال چچا کے قلم سے لکھا ہوا ایک رقعہ نکلا اور اسے پڑھ کر

واقعات کی تمام گمشدہ کڑیاں میرے سامنے آگئیں۔

"پیارے سلیم! جب تم میرا یہ خط پڑھو گے میں اس دنیا سے رخصت ہو چکا ہوں گا میں نے تمہیں جو ہدایتیں دی ہیں امید ہے تم ان پر عمل کرو گے تاکہ بدروحیں تہہ خانے میں داخل نہ ہو سکیں۔۔۔اگر تم محسوس کرو کہ یہ روحیں تمہیں نقصان پہنچانا چاہتی ہیں تو فوراً شاہد احمد کی لاش تلاش کر کے اسے جلا دینا۔۔۔تم نے اس کی روح کو خان ہاؤس کے نواح میں رات کے وقت گھومتے دیکھ لیا ہوگا جیسا کہ میں نے بھی کئی مرتبہ اسے دیکھا ہے اسے آج سے ٹھیک ایک سال پہلے میں نے پسلی میں خنجر گھونپ کر ہلاک کر دیا تھا اگر میں ایسا نہ کرتا تو وہ مجھے مار ڈالتا وہ خنجر اب بھی شاہد احمد کی لاش کے ڈھانچے میں پیوست ہوگا۔۔۔میں نے جب شاہد کو مارا تو اس کی لاش اسی تہہ خانے میں رکھ دی تھی جہاں اب میری لاش رکھی ہے۔

لیکن شاہد احمد کی تابع ایک روح نے دروازہ توڑ کر لاش نکال لی اور اسے کہیں چھپا دیا۔۔۔میں کوشش کے باوجود اسے تلاش نہیں کر پایا۔۔۔یہی وجہ ہے کہ شاہد کی روح مجھ سے انتقام لینے کے لیے میرے پیچھے پڑ گئی۔ میں جانتا تھا کہ اس سے بچنا محال ہے پس میں نے اپنے آپ کو موت کے حوالے کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اور تمہاری ضرورت پڑی کیونکہ میرے مرنے کے بعد تم ہی ان ہدایات پر عمل کر کے میری روح کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پرسکون کر سکتے ہو بلکہ شاہد احمد کی بدروح کو بھی جلا کر بھسم کر سکتے ہو مجھے امید ہے کہ تم خاندانی عداوت اور رنجش کو فراموش کر کے میرا یہ کام ضرور کرو گے اسی لیے میں نے اپنی روح کو نجات دلانے کے لیے تمہارے سپرد یہ کام کیا ہے ایک بات اور سمجھ لو کہ اگر شاہد احمد کی روح نے میری لاش حاصل کر لی تو شاہد احمد کی لاش کے ساتھ میری لاش کو بھی جلا کر راکھ کر دینا؟ ورنہ میں ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہوں گا۔

تمہارا بدنصیب چچا جمال

یہ خط لے کر میں وکیل کے پاس پہنچا اس نے بھی اسے پڑھا اور بتایا کہ میں نے ایک عامل سے بات کر لی ہے وہ ان بدروحوں کو بھگانے پر رضامند ہو گیا ہے، اور وہ رات میں کسی وقت آپ کے پاس پہنچ جائیگا۔ اگر روحیں یہاں سے چلی جاتی ہیں تو جمال کی لاش کو کوئی خطرہ نہیں۔۔۔ میرا خیال ہے کہ آج رات پھر شاہد احمد اور اس کی ساتھی روح تہہ خانے میں گھسنے کی کوشش کریں گے۔۔۔ اس لیے آج ہی ان پر وار کرنا ہوگا۔۔ میں عامل کو لے کر رات کے 12 بجے تک خان ہاؤس پہنچ جاؤں گا۔

''لیکن اس خط میں لکھا ہے کہ جب تک شاہد احمد کی لاش نہیں ملے گی اس کی روح کو ختم کرنا مشکل ہے۔'' میں نے کہا۔

''بے شک، ہمیں اس کی لاش ڈھونڈنی پڑے گی۔'' وکیل بولا۔ وہ لرزہ خیز رات ایسی تھی۔ کہ میں جب اس کا تصور کرتا ہوں تو خوف سے میرا دل بیٹھنے لگتا ہے ایسا معلوم ہوتا تھا وقت رک گیا ہو میں اس ویران مکان کے دہشتناک ماحول میں بالکل تنہا تھا۔ مسز فوزیہ سرشام چلی جاتی تھیں اور بڈھا انور فرار ہو چکا تھا۔ چاند پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔۔۔ میں نے اپنے کمرے کی کھڑکی میں لیمپ روشن کر کے رکھ دیا تھا کہ وکیل اور عامل کو پتہ چل جائے کہ میں اپنے کمرے میں ہوں۔ میں بے چینی سے ان کا انتظار کر رہا تھا۔ بار بار میری نگاہ گھڑی کی طرف جاتی اور ذرا سی آہٹ پر میں چونک پڑتا۔ ایک بج گیا ان دونوں حضرات کا کئی پتہ نہ تھا۔۔۔ تہہ خانے کی جانب سے ہوا کے دوش پر چلتی ہوئی ایک عجیب آواز میرے کانوں میں آئی جیسے کوئی پرندہ پھڑ پھڑا رہا ہو میں نے کھڑکی سے دیکھا تو ایک بڑی سی چمگادڑ تہہ خانے کے دروازے پر منڈلا رہی تھی۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے یہ چمگادڑ باغ کی جانب اس مقام پر گئی جہاں ایک بہت

پرانا درخت کھڑا تھا جس کی عمر 300 سال سے کم نہ ہوگی یہ چمگادڑ اس درخت کے کھو کھلے تنے میں داخل ہو کر غائب ہوگئی چاند کی واضح اور صاف روشنی میں۔۔۔۔ میں آنکھیں پھاڑے اس درخت کو دیکھ رہا تھا کہ مجھے اس کی جڑوں کے پاس ایک سایہ دکھائی دیا جو آہستہ آہستہ شاہد احمد کی شکل اختیار کر رہا تھا۔۔۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ سایہ ایک منحنی سے قد آور انسان کی شکل اختیار کر گیا۔ میں کھڑکی کے قریب کھڑا بے حس و حرکت دھڑکتے دل کے ساتھ یہ منظر دیکھ رہا تھا اتنے میں شاہد احمد کے قریب میں نے اس سے لمبے ایک اور شخص کھڑے دیکھا اس کا لباس بھی سیاہ تھا وہ دونوں خاموشی سے کھڑے تہہ خانے کی جانب دیکھ رہے تھے پھر وہ چند قدم آگے بڑھے اب چاندنی میں ان کے خوفناک سفید چہرے مجھے صاف دکھائی دے رہے تھے لیکن اس موقع پر ایک دہشت انگیز انکشاف ہوا اور میرے جسم کا خون کھنچ کر کلیجے میں سمٹ آیا۔۔۔ ان دونوں کا سایہ نہ تھا؟ بلکہ وہ ایک شیشے کی مانند دکھائی دے رہے تھے۔ کیونکہ ان کے جسموں کے پار بھی آسانی سے دوسری طرف کا منظر نظر آ رہا تھا۔۔۔ شاہد کی تابع روح اب مجسم آدمی کی شکل میں میرے سامنے تھی اس کی آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں جب وہ وہاں سے ہٹ کر آہستہ آہستہ تہہ خانے کی طرف چلا تو میں نے دیکھا اس درخت کے تنے میں ایک بڑا سوراخ ہے تب یکلخت مجھے خیال آیا کہ شاہد کی لاش اس کھوکھلے تنے کے اندر پڑی ہوگی۔۔۔

میں نے وکیل اور عامل کی آمد کا انتظار کیے بغیر لیمپ اٹھایا اور دروازہ کھول کر دبے پاؤں سیڑھیاں اترتا ہوا مکان سے باہر نکل آیا اور پیش آنے والے مہلک خطرے سے بے نیاز ہو کر سیدھا تہہ خانے کی طرف چلا۔۔۔ کیونکہ وہ دونوں ناپاک روحیں وہاں تہہ خانے کا دروازہ کھولنے کی کوشش میں مصروف تھیں ۔۔۔ میں جب ان کے بالکل قریب جا پہنچا تو انہوں نے پلٹ کر میری جانب دیکھا مجھ سے ان کا فاصلہ

10 سے 12 فٹ سے زیادہ نہ تھا۔ شاہد احمد کی روح مجھے دیکھنے کے باوجود دروازہ کھولنے میں مصروف رہی اور اس نے میری آمد کا کوئی نوٹس نہ لیا؟ البتہ اس کی تابع روحوں کی سرخ سرخ آنکھیں انگارے برسانے لگیں وہ درندوں کی مانند منہ کھول کر میری طرف بڑھیں اور اس وقت مجھے اپنی حماقت کا احساس ہوا میرے پاس ان بد روحوں سے محفوظ رہنے کے لیے کوئی شے نہ تھی میں نے لیمپ وہیں پھینکا اور بے تحاشہ دریا کی جانب بھاگا۔ شاہد احمد کی تابع روح میرے تعاقب میں تھی۔

میں تمام رکاوٹوں اور مشکلوں کو پھلانگتا ہوا تیزی سے دریا کی جانب بھاگ رہا تھا مجھے اپنی جان خطرے میں نظر آ رہی تھی کئی مرتبہ میں نے مڑ کر دیکھا۔ وہ شیطانی روح انسانی بھیس میں مسلسل میرا تعاقب کر رہی تھی۔ دریا کی جانب میں اس لیے بھاگ رہا تھا کہ میں نے چچا جمال کی جمع کردہ بلیک میجک پر مبنی کتابوں میں پڑھا تھا کہ بدروحیں پانی کو عبور نہیں کر سکتیں جب تک ان کو تابع کرنے والا ساتھ نہ ہو۔ دریائے سندھ کا یخ بستہ پانی چاندنی رات میں ایک سبک رفتاری کے ساتھ بہہ رہا تھا میں نے بے دھڑک اس میں چھلانگ لگا دی اور درمیان میں جا پہنچا جب پلٹ کر دیکھا تو میری جان میں جان آئی کیونکہ بدروح کے قدم دریا کے کنارے رک گئے تھے اور وہ خونخوار نظروں سے مجھے گھور رہی تھی۔

اب میں پانی کے بہاؤ پر تیزی سے تیرنے لگا اس وقت مجھے یخ بستہ پانی کا قطعاً احساس نہ ہوا کافی دور جا کر جب مجھے اطمینان ہوا کہ روح ادھر نہ آسکے گی تو میں دریا سے نکل کر کنارے میں نکل آیا۔ اس وقت تو سچ پوچھیے مجھے اپنے تن بدن کا ہوش نہ تھا، بھیگے ہوئے کپڑے میرے جسم سے چپکے ہوئے تھے اور میں دیوانہ وار اس سڑک کی جانب دوڑ رہا تھا، جو گاؤں کی طرف جا رہی تھی۔ یکایک میں نے دور سے آتی ہوئی ایک گاڑی کی ۔۔۔ ہیڈ لائٹ دیکھی اور میں سڑک کے عین درمیان میں کھڑا ہو گیا اور اسے رکنے کا اشارہ کرنے

لگا۔۔۔گاڑی میرے قریب آ کر رکی اور اس میں سے عامل اور وکیل صاحب باہر نکلے میں نے ہانپتے کانپتے انہیں سارا ماجرا سنایا وکیل صاحب اور عامل خاموشی سے سارا واقعہ سنتے رہے پھر کوئی لفظ کہے بغیر انہوں نے مجھے گاڑی میں بٹھایا اور گاڑی پوری رفتار سے دوڑنے لگی چند منٹ میں ہم خان ہاؤس پہنچ گئے۔

''جلدی کرو۔'' وکیل صاحب نے مضطرب ہو کر کہا۔

''انہوں نے اب تک تہہ خانے کا دروازہ توڑ دیا ہوگا۔؟''

''گھبراؤ مت! ابھی سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔'' سفید ریش عامل نے اطمینان سے کہا اور جیب سے ایک لمبی مشعل نکالی اور اسے دیاسلائی سے روشن کر دیا۔۔۔مشعل جلتے ہی اس میں سے نیلے رنگ کا اونچا شعلہ نکلنے لگا۔۔۔پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوئے۔

''میرے بچے! تم قسمت کے اچھے ہو کہ دریا میں چھلانگ لگا کر جان بچا گئے تم نے بڑی حماقت کی کہ ان کے مقابلے پر چلے گئے۔انہیں فنا کرنے کے لیے مادی ہتھیاروں کی ضرورت نہیں۔۔۔روحانی ہتھیاروں کی ضرورت ہے۔''

عامل معمر اور نحیف ہونے کے باوجود جوانوں کی سی تیزی اور جرات دکھا رہا تھا تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے وہ تہہ خانے کی طرف گئے۔دروازہ ٹوٹا ہوا تھا اور دونوں روحیں چچا جمال کی لاش کو اٹھائے باہر آ رہی تھیں ایک ثانیے کے لیے عامل رکا اور کچھ کلمات بڑبڑاتا ہوا بدروحوں کی طرف لپکا۔روحوں نے اسے اپنی جانب آتے دیکھا تو ان کے منہ سے بھیانک چیخیں نکلیں۔انہوں نے چچا جمال کی لاش اپنے کاندھے سے اتار پھینکی اور ویران باغ کی طرف بھاگیں۔جہاں 3 صدیوں پرانا درخت خاموشی سے یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔عامل مشعل لیے ان کے تعاقب میں دوڑا اب وہ پوری قوت سے چلایا۔

"جلدی کرو! اس درخت کے کھوکھلے تنے میں شاہد احمد کی لاش یا ڈھانچہ پڑا ہوگا۔۔۔۔اسے باہر نکال کر آگ لگا دو۔"

بدروحیں مسلسل چیخ رہی تھیں اور ان کی آوازوں سے گردونواح کا سارا علاقہ لرز رہا تھا جب عامل درخت کے پاس پہنچا تو بدروحوں نے اسے ڈرانے کی کوشش کی لیکن عامل نہ گھبرایا اور مشعل آگے کر دی روحیں اب چیختی ہوئی مکان کے اس حصے کی جانب بھاگیں جہاں لائبریری کا کمرہ واقع تھا میں نے کانپتے ہاتھوں سے درخت کے کھوکھلے تنے میں سے ساری ہڈیاں باہر نکال لیں آخر میں ایک کھوپڑی ہاتھ آئی اسے بھی میں نے دوسری ہڈیوں کے ساتھ ڈال دیا۔ عامل نے مشعل سے انہیں آگ لگا دی چشم زدن میں ہڈیاں جل کر راکھ ہو گئیں۔۔اب جو ہم نے دیکھا تو صرف شاہد احمد کی روح باقی تھی اور اس کی تابع روح غائب ہو چکی تھی۔

"دوسری روح کو اس ابدی عذاب سے نجات مل گئی۔"

عامل نے اونچی آواز سے کہا۔"لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ شاہد احمد کی روح واپس کیوں نہیں جاتی ۔انہوں نے مجھے حکم دیا کہ ایک بار پھر درخت کے تنے کی تلاشی لوں شاہد کوئی ہڈی جلنے سے بچ گئی ہو شاہد احمد کی روح بار بار وحشیانہ انداز میں ہماری جانب حملہ آور ہوتی اور مشعل سے ڈر کر واپس لوٹ جاتی۔عامل کی پیشانی پسینے سے شرابور تھی اس نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔

"خدایا! ہم پر رحم کر۔اگر یہ مشعل جل کر ختم ہوگئی تو یہ بدروح ہم سب کو ہلاک کردے گی۔"

یکا یک مجھے یاد آیا اور میں پاگلوں کی طرح دوڑتا ہوا مکان کے اندر گھسا بیک وقت کئی کئی سیڑھیاں پھلانگتا۔ برآمدے میں پڑی کرسیوں اور دوسرے سامان سے ٹکراتا گرتا پڑتا بالآخر اپنے کمرے میں پہنچ

گیا۔ میں نے کونے میں پڑا ہوا انسانی پنجہ اٹھایا اور اسے لے کر باہر کی طرف بھاگا۔۔۔ مشعل بجھنے والی تھی کہ میں نے یہ پنجہ زمین پر پھینک کر عامل کو اسے جلانے کا اشارہ کیا۔ عامل نے مشعل کی بجھتی ہوئی لو سے اُسے آگ لگا دی۔۔۔۔ شاہد احمد کی روح نے ایک ہیبت ناک چیخ ماری اور اس کے جسم میں آگ لگ گئی۔ چند سیکنڈ کے بعد راکھ کے ڈھیر کے سوا وہاں کچھ نہ تھا۔

بڈھے عامل نے یہ راکھ سمیٹ کر ایک کپڑے میں باندھ لی۔ بعد ازاں ہم نے چچا جمال کی لاش اٹھائی اور اسے قریبی قبرستان میں دفنا دیا۔ جب ہم اس کام سے فارغ ہوئے تو صبح صادق کی پہلی کرن مشرقی کنارے سے پھوٹ رہی تھی اور خان ہاؤس پر نہ جانے کب سے چھائے ہوئے تاریک اور منحوس سائے بھاگ رہے تھے۔ ☆☆

ایس۔ امتیاز احمد (کراچی)

یاد رکھنے کی باتیں

* جب پیسہ ہوتا ہے تو بچوں کی خوشی دوبالا ہو جاتی ہے۔
* ایک بے وقوف کی ایک غلطی میں دوبارہ کرتا ہے۔
* مصیبت میں بے صبری مصیبت ہے۔
* وہ زندگی کی فراغت جس میں شکر نہ ہو اور وہ خوشی کی تنگی جس پر صبر ہو وقتی ہوتا ہے۔
* تین آدمی تین موقعوں پر پہچانے جاتے ہیں۔ بہادر جنگ کے وقت، دانا غصے کے وقت اور دوست ضرورت کے وقت۔
* اپنی حیثیت کے مطابق صدقہ دینا بہترین عمل ہے۔
* خواب میں اپنی [illegible] سمجھنے سے زندگی کی پریشانیاں ختم نہیں ہوتیں۔
* تکبر سے بچو سب سے بڑا [illegible] والدین اور استاد ہے۔

عثمان غنی [illegible] پشاور

کیا یہی دوستی ہے؟

زندگی ایک دریا ہے جو دکھوں اور خوشیوں کے سمندر میں جا گرتا ہے۔ زندگی میں کئی ایسے تجربے حاصل ہوتے ہیں۔ کئی واقعات ہوتے ہیں جو زندگی کے رخ بدل دیتے ہیں۔ کئی سبق آموز باتیں سیکھنے کو ملتی ہیں۔ دوستی کی مثال لیجئے کہ کسی فرد کو دوست بنانا آسان ہے مگر دوستی نبھانا بہت مشکل ہے۔ کسی زمانے میں دنیا میں مخلص آدمیوں کی تعداد زیادہ تھی جن کی دوستی محبت کی لوگ مثالیں دیتے تھے۔ آج کل لوگ انسانوں سے کم اور دولت سے زیادہ پیار کرتے ہیں۔ دوستی کے اہم رشتے میں خود غرضی شامل ہوتی ہے۔ جب ہمیں کوئی کام پڑے یا برا وقت ہو تو ہمارا دوست ہم سے دور بھاگ جاتا ہے۔ نظریں پھیر کر راستہ بدل جاتا ہے۔ کیا یہی دوستی ہے؟

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

میں بتاؤ کہ وہ کہاں ہیں اور ہم انہیں کیسے ختم کر سکتے ہیں۔

شاہ جن بولا۔ وادیِ مرگ کی تیسری طاقت وہ یہی ریاست ہے اگر اسے ختم کرنا ہے تو آپ کو اس پورے ریاست کو ہی ختم کرنا ہوگا۔ شاہ جن کی بات سن کر سب پریشان ہو گئے۔

ریحان نے ان سے پھر سے کہا۔ مگر شاہ جن اتنے بڑی ریاست کو ختم کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔ کیونکہ ہم تو اس کے ایک چیز کو بھی ہاتھ نہیں لگا سکتے ہیں اس کی ہر چیز ایک دھواں ہے۔

شاہ جن نے جواب دیا۔ اس ریاست کی پوری طاقت ایک انگوٹھی میں بند ہے اگر آپ نے وقت پر اس انگوٹھی کو توڑ دیا تو سمجھو کہ منٹوں میں ہی یہ ریاست ریزہ ریزہ ہو جائے گی مگر یہ کام بہت مشکل ہے کیونکہ اس انگوٹھی کی حفاظت یہاں کے طاقتور بدروحیں کر رہی ہیں اب کو ان بدروحوں سے لڑ کر ہی ان انگوٹھی کو ختم کرنا ہے۔

ریحان نے کہا۔ ان میں لڑ سکتا ہوں مگر مجھے پہلے یہ بتائیں کہ وہ انگوٹھی ہمیں ملے گی کہاں۔

شاہ جن بولا۔ آپ سب کو سمندر کے اس پار جانا ہوگا وہاں پر آپ کو پتھر کی ایک جادوئی چارپائی ملے گی آپ کو اس میں سونا ہوگا سوتے ہی آپ خود ہی اس انگوٹھی تک پہنچ جائیں گے مگر انگوٹھی آپ کو دس منٹ کے اندر ہی حاصل کرنی ہے اور وہاں پر ہی توڑنی ہے مگر ایک بات یاد رکھنا اگر تمہیں وہاں پر کچھ ہو گیا یا آپ کی وجہ سے ان بدروحوں سے مقابلہ نہ کر پائے تو یا انہوں نے تمہیں وہاں پر مار دیا یا دس منٹ تک انگوٹھی کو نہ توڑ پائے تو تم خواب سے باہر نکل نہیں پاؤ گے اور خواب میں ہی آپ مر جاؤ گے اور آپ کی روح وہاں کی غلام بن جائے گی مگر ایک اور بات اگر آپ نے وہ انگوٹھی توڑ بھی تو آپ خود ہی خواب سے بیدار کر دیا جائے گا اور یہ ریاست منٹوں میں تباہ ہو جائے گی اور آپ سب کو جلدی سے چھوٹی ریاست میں جانا ہوگا اگر جلدی آپ سب نہ پہنچ پائے تو آپ سب بھی اس ریاست میں ہی ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے اس کے بعد جن خاموش ہو گیا۔

موزرین نے ان سے پوچھا۔ مگر شاہ جن آپ کا کیا ہوگا۔

شاہ جن نے کہا۔ اگر آپ سب نے مجھے ابھی آزاد کر دیا تو میں اپنی ریاست میں پہنچ جاؤں گا

ریحان نے کہا۔ شاہ جن تم نے ہمیں وہ سب کچھ بتایا جس کی ہمیں ضرورت تھی اس لیے اب میں تمہیں آزاد کرتا ہوں۔

شاہ جن بولا۔ آپ کا بہت بہت شکریہ میرے آقا۔ اس کے ساتھ ہی شاہ جن ایک دھویں کی شکل میں غائب ہو گیا۔ جبکہ ریحان نے حنا اور عالیہ سے کہا۔

چلو سمندر کے اس پار۔

اس کے ساتھ ہی ریحان نے برف کا منتر پڑھا جس سے سمندر کے اس پار برف کا راستہ بن گیا جس پر ریحان روانہ ہو گیا موزرین نے بھی وہی منتر پڑھا تو سمندر میں دوسرا راستہ بھی بن گیا جس پر موزرین اور سیمرن روانہ ہوئیں حنا اور عالیہ ریحان کے پیچھے روانہ ہوئی تھیں تھوڑی دیر جا کر وہ سب

سب ہی سمندر کے اس پار پہنچ چکے تھے۔ اب ان سب کو جادوئی چارپائی کی تلاش تھی ان سب نے اپنا سفر شروع کر دیا اور تھوڑی دیر میں اسے پتھر کی ایک انوکھی چارپائی دکھائی دی جس سے کالا دھواں نکل رہا تھا سب ہی سمجھ چکے تھے کہ یہ ہی وہ جادوئی چارپائی ہے وہ سب ہی اس کے نزدیک گئے ریحان نے ان کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

یہی وہ چارپائی ہے جس پر سو کر مجھے اس انگوٹھی تک پہنچنا ہے اور اسے ہر حال میں توڑنا ہے۔

یمرن بولی۔ یہ بہت خطرناک کام ہے اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو۔

یمرن نے اتنا کہا تھا کہ ریحان بولا۔ مجھے کچھ بھی نہیں ہوگا۔

اور پھر وہ سو گیا۔ اور پھر وہ خواب کی دنیا میں چلا گیا۔ وہ میدان میں داخل ہو گیا بدروحوں نے دیکھتے ہی ان پر حملہ کر دیا جبکہ ریحان پہلے ہی سے اس کے نمٹنے کے لیے تیار تھا ان بدروحوں کے منہ سے سفید دھویں ان کی طرف جانے لگے جس پر ریحان نے برف کا منتر پڑھا تو ان سفید دھویں کے ساتھ کئی بدروحیں بھی برف میں قید ہو چکی تھیں اب ریحان پھر سے انگوٹھی کی طرف بڑھنے لگا مگر ان پر جو اگلا وار ہوا بہت ہی بھیانک تھا کسی اندھی طاقت نے ان پر وار کر دیا تھا جس سے ریحان پیچھے کی طرف کئی فٹ دور جا گرا اس وار کے لیے ریحان بالکل بھی تیار نہیں تھا یہی وجہ تھی کہ اس کا ایک ہاتھ زخمی ہو گیا تھا اور ان سے خون بہنے لگا تھا ادھر چارپائی پر بھی ریحان کے ہاتھ سے خون بہنے لگا۔ جسے دیکھ کر سب نہایت ہی پریشان ہو گئیں وہ سب سمجھ چکی تھیں کہ جنگ وہاں پر شروع ہو چکی ہے سب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے یمرن نے اپنے بازو سے پٹی کھولی جو ریحان نے اسے باندھی تھی۔ وہ پٹی یمرن نے اپنے بازو پر سے کھول کر ریحان کے ہاتھ پر باندھ دی اور یمرن کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے جو ریحان کے چہرے کو بھگو چکے تھے ادھر خواب میں بھی ریحان کو اپنے چہرے پر ان آنسو کی بوندیں محسوس ہو چکی تھیں ریحان سمجھ چکا تھا کہ میرے ہاتھ سے جو خون نکلا ہے وہ چارپائی پر بھی میرے اصل جسم سے بھی نکلا ہے اب ریحان کے پاس ایک ہی راستہ تھا انگوٹھی تک کسی بھی حال میں پہنچ کر اسے توڑنے کا کیونکہ بدروحوں کی تعداد میں کمی ہو رہی تھی ہر طرف بھیانک آوازوں سے ماحول گونج رہا تھا ریحان نے اپنی گھڑی دیکھی پانچ منٹ ہی باقی رہ گئے تھے ریحان اب ان بدروحوں سے لڑ کر اپنا وقت برباد نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے وہ پھر سے اٹھ کر انگوٹھی کی طرف بڑھنے لگا مگر تھوڑی دور جا کر ریحان کے کندھے پر ایک زوردار وار ہوا جو غائبی طاقت نے ان پر کیا تھا ریحان اس وار کے لیے ذرا بھی تیار نہیں تھا ریحان خود کو سنبھال نہیں پایا اور زمین پر لڑھکتا ہوا کافی دور جا گرا جس سے نہ صرف اس کے کندھے سے خون بہنے لگا بلکہ اس کے ناک اور منہ سے بھی خون بہنے لگا جسے دیکھ کر بھی لڑکیوں کے منہ سے ایک دردناک چیخ نکلی وہ ریحان کو کیا ہو رہا ہے۔ اس کے ناک اور منہ سے خون بھی رو کر بہہ رہی تھیں اس پر موزرین نے ریحان کو ہلانا شروع کر دیا۔

ریحان اٹھو اٹھو ریحان چھوڑ دو انگوٹھی کو۔

موزرین روتے ہوئے ریحان کو جگانے کی کوشش کر رہی تھی مگر ریحان چارپائی پر ایسے لیٹا

ہوا تھا جیسے وہ مردہ ہو صرف اس کی سانس چل رہی تھی موزین نے اپنے دوپٹے سے ریحان کا خون صاف کیا اور پھر سے ریحان کو نیند سے بیدار کرنے میں لگ گئی موزین کو دیکھ کر تینوں بھی ریحان کو جھنجوڑنے لگیں وہ بھی ریحان کو اس جادوئی چارپائی سے نیچے اتارنا چاہتی تھیں مگر وہ ریحان کو ہلا بھی نہیں سکتی تھیں اتنے میں ریحان نے اپنے منہ سے خون صاف کیا اور اٹھ کر کہا۔

اب میں تم سب کو دیکھتا ہوں اس کے ساتھ ہی ریحان نے اپنا عمل شروع کر دیا اور اپنے جسم پر پھونک ماری اور زور سے غصے سے چلا کر کہا۔ آؤ اب ریحان نے ایک بار پھر سے اپنی کوشش جاری کی اور انگوٹھی کی طرف بڑھنے لگا اب جو بھی بدروح اس کے ساتھ ٹکرائی اسے آگ لگ جاتی۔ اس طرح ریحان انگوٹھی تک پہنچ چکا تھا اس نے اپنی تلوار نکالی اور انگوٹھی پر ایک زوردار وار کیا تلوار انگوٹھی سے ٹکرا کر بڑا زوردار چنگاریاں ہوا میں بلند ہوئیں۔ اور وہاں پر اب انگوٹھی کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ہی زمین ہلنے لگی اور ریحان خون کی قے سے نکلنے لگا اور تھوڑی دیر بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔ ریحان نے جیسے ہی اپنی آنکھیں کھولیں تو موزین رو کر بے اختیار ریحان کے گلے سے لگ گئی۔

ریحان تم واپس آ گئے۔ تم ٹھیک تو ہو نا۔ تم ٹھیک تو ہو۔ وہ پاگلوں کی طرح ریحان سے پوچھ رہی تھی ریحان کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ اس نے موزین کو خود سے الگ کیا اور کہا۔

ہاں تم بھی رو رہی ہو مجھے لگا کہ تم بہادر ہو موزین مجھے کچھ نہیں ہوا ہے۔ میں ٹھیک ہوں خود کو سنبھالو جو تم نے سب کر دیا ہے۔ مگر موزین چپ ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی اس پر ریحان نے پھر سے کہا۔ موزین دیکھو میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے تم مجھ سے ڈر رہی ہو بالکل بھائی بھی اپنی بہن سے ناراض ہوا ہے۔ دیکھو میں نے واوی مرگ کی تیسری طاقت کو بھی ختم کر دیا ہے ریحان نے چاروں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ جہاں پر سب کچھ ختم ہو رہا تھا ہر طرف تباہی ہی تباہی تھی بدروحوں کی چیخ و پکار ہر طرف سے سنائی دے رہی تھی اس طرح وہ جادوئی چارپائی بھی ختم ہوئی اور زمین ہر طرف سے پھٹنے لگی تھی جیسے زلزلہ آیا ہوا موزین نے خود کو سنبھالا اور ریحان سے کہا۔

اس بار تو میں تمہیں معاف کر رہی ہوں مگر دوسری بار تم مجھ سے ناراض ہوئے تو میں تو میں اپنی جان دے دوں گی اس پر ریحان نے موزین کے معصوم چہرے کو تھپتھپا دیا اور کہا۔

ایسا کبھی مت کہنا جب تک میں زندہ ہوں تمہیں پتہ نہیں ہوگا۔

اس پر موزین نے اپنے آنسو صاف کئے اور کہا اب چلو ورنہ ہم بھی اس میں تباہ ہو جائیں گے اس پر سب نے مسکراتے ہوئے کہا ہاں چلو سمرین تو ابھی دل ہی دل میں چاہ رہی تھی کہ میں ریحان کو گلے لگا لیتی اور کبھی اس کو خود سے جدا نہ ہونے دیتی مگر ریحان نے ابھی تک اس سے کوئی بات نہیں کی تھی ان کے سامنے ایک دروازہ ظاہر ہوا جو کہ شفاف تھا جو چمک رہا تھا ایک چمک کی چیز میں بھی نہیں تھی جس طرح اس دروازے میں تھی وہ دروازے کی طرف بڑھتے ہی تھے کہ پیچھے سے دروازے کی طرف بڑھ رہی تھیں وہ ایک ریحان اور ایک موزین کے جسم میں چلی گئی وہ

دروازے کے ساتھ ریاست بھی ختم ہوئی۔ وہ سب اب چوتھی ریاست میں پہنچ چکے تھے ظہر کا وقت تھا اس لیے چوتھی ریاست کا نظارہ واضح طور پر دکھائی دے رہا تھا جبکہ وہ سب چھلانگ کی وجہ سے زمین پر پڑے تھے جیسے ہی سب اٹھ گئے اور سب نے چاروں طرف دیکھا تو سب ہی حیران رہ گئے تھے کسی کو بھی اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ کیونکہ نظارہ ہی کچھ ایسا تھا کہ سب کو اپنا اپنا عکس دکھائی دے رہا تھا۔ کیونکہ وہ ریاست تھی آئینوں کی جہاں پر ہر طرف آئینے ہی آئینے تھے ایک ایسے آئینے جس کے بارے میں آج سے پہلے نہ تو انہوں نے سنا تھا اور نہ ہی دیکھا تھا دور دور تک کچھ حل بھی دکھائی دے رہے تھے وہ بھی آئینوں سے ہی بنے تھے وہ آئینے حد سے بھی زیادہ بڑے پتھر اور لوہے سے بھی زیادہ مضبوط اور آئینوں سے زیادہ شفاف تھے۔ غرض یہ تھا اس ریاست کی ہر چیز ہی آئینوں سے بنائی گئی تھی اس ریاست کے پتھر اور پیڑ پودے بھی شیشے تھے جو ہوا میں تو لہرا رہے تھے مگر ان سے ایک چمک نکلتی تھی جو یہ ثابت ہو گیا تھا کہ اس ریاست کے درخت گھاس پودے یہ سب ہی آئینوں کی شکل میں یعنی ایک شیشے کی طرح وہ بھی تھے یہ ایک حیران کن منظر تھا یہ سب دیکھ کر بھی دل و دماغ کو یقین نہیں ہو رہا تھا سب کے چہرے ان آئینوں میں کس طرح دکھائی دے رہے تھے جیسے وہ آئینے کو نہیں اپنے آپ کو دیکھ رہے ہوں ابھی بھی وہ سب ان آئینوں میں کھوئے ہوئے تھے کہ آخر یہ سپنا ہے یا حقیقت ہے ریحان نے ایک آئینے کو ہاتھ لگایا مگر جلد ہی اپنے ہاتھ کو ہٹا لیا کیونکہ وہ بہت گرم تھا ان آئینوں میں چند آئینے ایسے بھی تھے جس پر سورج کی روشنی پڑتے ہی ان سے ایک ایسی روشنی نکل رہی تھی جو عام روشنی سے بالکل مختلف تھی کیونکہ وہ روشنی بھی ایک آئینے کی طرح ہی شفاف تھی ریحان نے سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

کوئی بھی عقل سے بھی آئینوں سے نکلتے ہوئے روشنیوں سے ٹکرانا پائے اور کسی بھی آئینوں کو کوئی بھی ہاتھ نہیں لگائے گا۔ ریحان نے اپنی جادوئی نقشے والی کتاب نکالی جس کے صفحات اور بھی زیادہ بڑھ گئے تھے۔ اس نے آئینوں کے بارے میں چند معلومات حاصل کی تھیں اور نقشے میں یہ بھی دیکھا کہ اب اسے کہاں اور کس طرف جانا ہے اس نے کتاب بند کی اور معوز زین سے کہا۔

معوز زین یہ آئینے کوئی عام آئینے نہیں ہیں یہ جادوئی آئینے ہیں یہ حد سے بھی زیادہ خطرناک ہیں مجھے تو یہ لگتا ہے کہ اس ریاست کی کوئی بھی مخلوق نہیں ہوگی اس ریاست کا راز ان آئینوں میں ہی چھپا ہوگا۔ معوز زین بولی۔

ہاں ریحان مجھے بھی یہی لگتا ہے کیونکہ ابھی تک یہاں پر کسی وجود کا نام و نشان بھی نظر نہیں آ رہا ہے ہمیں اس میں احتیاط کے ساتھ کام لینا ہوگا۔

یمران بولی۔ معوز زین تمہیں پتا لگتا ہے کہ ان آئینوں کا اور اس ریاست کا مطلب کیا ہے۔

یمران یہ تو وقت ہی بتانے گا فی الحال تو ہمیں نقشے والی جگہ پر جانا ہوگا۔

ہاں یہ ٹھیک ہے حنا نے معوز زین کی بات سن کر کہا۔

ریحان کیا کہتے ہو کیا تم تیار ہو عمیر نے ریحان کی طرف مسکراتے ہوئے کہا۔ جس پر یمران کو

نہایت ہی برا لگا ریحان نے یہ موقع غنیمت سمجھا اور عالیہ کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا عالیہ تم کتنی سمجھدار ہو فضول باتوں میں کیا رکھا ہے اس لیے ہمیں آگے بڑھنا چاہیے ریحان نے جان بوجھ کر ایسا کہا تھا کیونکہ وہ یمرن کو خود سے الگ رکھنا چاہتا تھا اور اس کا صرف یہی طریقہ تھا یمرن کو غصہ تو بہت آیا مگر اس نے خود پر کنٹرول پا لیا تھا اس پر موورزین نے بھی ریحان کو ایک اہم بات یاد دلاتے ہوئے کہا۔ ریحان ذرا اپنے ہاتھ پر نظر ڈالو جس پر تم نے نہایت پیار سے پٹی باندھی ہوئی ہے کیا تم آگے چلنے کے لیے تیار ہو موورزین نے ریحان کو یمرن کی طرف سے ایک اہم جواب دیا تھا ریحان نے جیسے ہی اپنے ہاتھ پر پٹی دیکھی جو ابھی تک اس نے اس کی طرف خیال نہیں کیا تھا ریحان کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا کیونکہ وہ سمجھ چکا تھا کہ یہ وہی پٹی ہے جو اس نے یمرن کے نازک بازو پر باندھی تھی اس پر ابھی بھی سو یمرن کے بازو کا خون تھا جسے دیکھ کر ریحان کو ایک دھچکا لگا اس نے فوراً یمرن کے بازو کو دیکھا جس پر زخم اب بھی گہرا تھا مگر یمرن نے غصہ سے ریحان سے منہ موڑ لیا اور کہا

-

ہمیں مزید دیر نہیں کرنی چاہیے مجھے لگتا ہے کہ یہاں پر کسی کو کوئی تکلیف نہیں ہے اس لیے ہمیں اب آگے بڑھنا ہے یمرن نے آگے کی طرف موڑتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا ریحان نے نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے دل کو اس وقت یمرن پر بہت پیار آیا اس کا دل چاہ رہا تھا کہ ابھی جا کر یمرن کے نازک اور پھول سے بدن کو اپنے بانہوں میں لے لوں تاکہ وہ اپنی تمام درد و غم بھول جائے مگر ریحان کو دماغ یہ بات ماننے کو تیار نہیں تھا اس لیے ریحان بغیر کچھ کہے آگے کی طرف روانہ ہو گیا۔ جبکہ موورزین نے جیلیے سے مسکراتے ہوئے اپنے ہاتھ ملا لیے اسی طرح وہ سب آگے کی طرف ریحان کے پیچھے روانہ ہو گئیں۔ تھوڑی دیر سفر کرنے کے بعد وہ اپنی مطلوبہ جگہ پر پہنچ گئے وہاں پر دو گول آئینے تھے جو نہایت تیزی کے ساتھ گھوں گھول گھوم رہے تھے اور اس کے اندر کوئی دوسری جگہ دھندلی دھندلی دکھائی دے رہی تھی جبکہ وہ دونوں آئینے تیز تیز گھوم رہی تھی اس لیے اس کے اندر کا نظارہ دھندلا سا دکھائی دے رہا تھا اس کے چاروں طرف اب دوسری کوئی جگہ نہیں تھی جبکہ وہاں آئینوں کے بڑے بڑے دیوار تھے جس سے اس پار چند ہی دکھائی دے رہے تھے مگر آگے کا راستہ نہیں تھا ریحان نے نقشے کو غور سے دیکھا اور موورزین سے کہا۔

نقشے میں تو اس سے آگے کا اور بھی راستہ ہے جو یہاں سے بہت دور ہے ایسا لگ رہا ہے کہ جیسے ہمیں وہاں پر پہنچ کر دو تین دن لگ جائیں گے۔

دوتین دن سناہ۔ عالیہ نے پریشانی سے کہا۔

موورزین نے کہا یہ سب تو ٹھیک ہے ریحان مگر اس سے آگے کیسے جائیں۔ یہاں پر تو آگے کا راستہ ہی نہیں ہے۔ ریحان نے کہا۔

موورزین ذرا ان دونوں گول آئینوں کو غور سے دیکھو مجھے لگتا ہے کہ اس کے اندر جانا ہوگا۔ کیونکہ یہ مجھے ہوائی آئینے لگتے ہیں جو شاید ہمیں کسی اور جگہ پر پہنچا دیں ریحان کی اس بات پر

ادھر حنا آئینہ کو دیکھ رہی تھی۔ اور پھر آئینے کی طرف دھیرے دھیرے بڑھنے لگی مگر جیسے ہی اس کی نظر دوسری طرف آئینوں پر پڑی تو خوف سے اس کی سانسیں رکنے لگیں۔ اس کا مکمل جسم پسینے میں بھیگ گیا تھا وہ تھر تھر کانپ رہی تھی اس کے پورے وجود میں سنسنی پھیل گئی تھی کیونکہ سب آئینوں میں انتہائی بھیانک چہرہ ظاہر ہوا تھا جو ایک چڑیل یا ڈائن کا لگ رہی تھی اس کے بکھرے ہوئے بال تھے جو اس کے بھیانک چہرے پر گر رہے تھے اس کی ایک آنکھ مکمل سرخ تھی اور ایک میں آنکھ کی جگہ سرخ گڑھا تھا اس کا چہرہ مکمل جلا ہوا تھا جس سے دھیرے دھیرے جگہ جگہ پر تازہ خون نکل رہا تھا اس کے ہونٹ مکمل کٹے ہوئے تھے جیسے کسی نے اس کے آدھے ہونٹ کھا لیے ہوں۔ اس کے آدھے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ تھی حنا کی آواز خوف سے مکمل دب چکی تھی ادھر ان سب نے حنا کو کھڑے ہوئے دیکھا تبھی اس کی طرف ہاتھ لہرا رہے تھے مگر حنا اب کسی اور دنیا میں تھی ڈر اور خوف کی دنیا میں اچانک اس بھیانک چہرے نے زور سے ہنسنا شروع کر دیا۔ جس سے حنا کا اور بھی برا حال ہوا ڈر اور خوف سے اس کا سر چکرایا اور اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں وہ دھیرے دھیرے پیچھے کی طرف بند آنکھوں سے جا رہی تھی اور جیسے ہی وہ مکمل بے ہوش ہوئی تو وہ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے پیچھے کی طرف جیسے ہی گری اس کا سر اس ہوائی آئینے کے اندر جا چکا تھا جس سے وہ بھی ایک جھٹکے کے ساتھ آئینے کے اندر جا چکی تھی اس کا بے ہوش جسم اب ان سب کے سامنے تھا سب نے یہی سمجھا کہ شاید یہ آئینے کے اندر گھومنے کی وجہ سے اس کا سر چکرایا ہوگا جس سے یہ بے ہوش ہو چکی ہے سمرن نے حنا کو اٹھایا حنا حنا کیا ہوا تمہیں سمرن نے گھبراتے ہوئے حنا کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ مگر حنا ابھی تک بے ہوشی کے عالم میں تھی ریحان نے بیگ سے بوتل نکالی اور حنا پر پانی چھڑکا جس سے اس نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھول دیں حنا تم ٹھیک تو ہو کیا ہوا تھا تمہیں سمرن نے ہوش میں آتے ہی حنا سے سوال کیا جس پر حنا نے خوف سے ہکلاتے ہوئے کہا وہاں وہاں۔ پر وہ وہ چڑیل چڑیل چڑیل کا نام سن کر سب نے حیران ہوتے ہی ایک ساتھ سب کے منہ سے چڑیل کا لفظ نکلا ہاں وہاں پر جتنے بھی آئینے تھے اس میں اچانک ایک جلا ہوا چہرہ نمودار ہوا حنا نے سب کو اس بھیانک عکس کی نقوش بتائے جسے سننے کے بعد کسی کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ آخر وہاں پر چڑیل کا عکس آیا کہاں سے گیا۔

ریحان نے سب سے کہا حنا ٹھیک کہہ رہی ہے۔ ہمیں اب احتیاط کے ساتھ کام لینا ہوگا۔ یہ جادوئی اور ہوائی آئینہ کوئی عام آئینہ نہیں ہے۔ اس کے اندر جا کر ہم نے سینکڑوں میلوں کا سفر طے کیا ہے میں نے نقشہ دیکھ کے اس پر سب کی حیرانگی اور بھی بڑھ گئی۔ ریحان نے پھر سے نقشہ نکالا اور ایک جگہ پر رکھ کر بولا نقشے میں تو یہی جگہ ہے مگر کمال کی بات ہے یہاں پر تو کچھ بھی نہیں ہے صرف جناؤں کی طرح صرف آئینے ہی آئینے ہیں ریحان نے بیٹھ کر موزین نے چاروں طرف دیکھا۔

مجھے نہیں لگتا کہ یہاں پر کوئی ایسی چیز ہے جس سے ہمیں کوئی سوراغ کچھ پتہ لگے۔

تو اب ہمیں کیا کرنا ہوگا سمرن نے موزین سے سوال کیا۔

یمرن تھوڑی دیر کچھ سوچتے ہیں ریحان حنا نے ریحان کی طرف دیکھا۔
تمہیں کیا لگتا ہے کہ کیا کرنا ہوگا۔
حنا مجھے لگتا ہے کہ ہمیں یہاں پر ہی رکنا ہوگا ہو سکتا ہے ہمیں کچھ معلوم ہو جائے گا مگر وقت کے ساتھ
ریحان ٹھیک کہہ رہا ہے۔ جب سے آئے ہیں آرام کا تو موقع ہی نہیں ملا ہے اسلیے مجھے لگتا ہے کہ ہم تھوڑا آرام بھی کر پائیں گے۔ عالیہ نے آئینے میں خود کو سنوارتے ہوئے کہا۔ اور ریحان کے پاس بیٹھ گئی۔ عالیہ تم واقعی میں اتنی اچھی بات کہتی ہو کہ میرا دل خوش ہو جاتا ہے ریحان نے عالیہ کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھ کر یمرن کو دیکھا اور مسکرایا کیونکہ وہ یہی چاہتا تھا کہ یمرن ان سے دور رہے موزین اور حنا نے بھی ایک دوسرے کو دیکھا اور حنا نے موزین کے کان میں کچھ کہا جس پر موزین مسکرا دی۔ ریحان نے ایک آئینے کے ساتھ ٹیک لگا لی۔ اور کسی گہری سوچ میں گم ہو گیا۔ موزین نے یمرن سے کہا یمرن ہمارے بیگوں میں کھانے کا سامان کتنا رہ گیا ہے یمرن جواب بھی کسی گہری سوچ میں تھی موزین کی بات سن کر چونک گئی موزین دیکھ لیتے ہیں مگر موزین ایک بات جو میں نے نوٹ کی ہے وہ یہ ہے کہ ہمیں جتنا جلدی ہو سکے اس ریاست سے نکلنا ہوگا۔ کیونکہ یہاں پر نہ تو پانی ہے اور نہ ہی کچھ کھانے کو کچھ ہے ہر طرف یہ بڑے بڑے آئینے ہی آئینے دکھائی دے رہے ہیں۔ یمرن نے چاروں طرف آئینوں کو دیکھ کر کہا۔ سب اپنے اپنے بیگ چیک کرنے لگے جس میں کھانے کو تھوڑا بہت سامان باقی رہ گیا تھا جس پر سب نے اپنی بھوک مٹا دی تھی۔
کیا کسی نے یہ نوٹ کیا ہے کہ ہم جب ہوائی آئینوں کے اس پار تھے تب ہمیں اس پار چند حویلیاں نظر آ رہی تھیں مگر اب تو یہاں پر کچھ بھی نہیں ہے عالیہ نے سب کی خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا۔
ہاں میں بھی یہی سوچ رہی تھی کہ آخر وہ عمارتیں کہاں گئیں حنا نے بھی سوال کر دیا۔
پتہ نہیں مجھے تو یہ ریاست ایک جال ایک چکر لگتی ہے جس میں ہم گم ہو گئے ہیں۔
ہاں موزین تم نے ٹھیک ہے ایسا ہی ہے کیونکہ وہاں پر دو ہوائی آئینے تھے ہم سب صرف اس ایک کے ذریعے ہی اندر آ گئے تے جبکہ وہ دوسرا آئینہ وہ ہمیں کس طرف لے جاتا یمرن نے ساری بات پر غور کرتے ہوئے کہا جس پر عالیہ نے کہا۔
ہاں بالکل کیونکہ جب ہم اس طرف آنے تھے وہ ایک آئینے کی مدد سے تو وہ دوسرا آئینہ اس پار نہیں تھا اس کا مطلب وہ ہمیں کسی دوسری جگہ پر لے جا سکتا تھا۔
ادھر ریحان نے سب کی باتیں سن لی تھیں اس نے سب سے کہا۔ واہ کمال کی پلاننگ ہو رہی ہے۔ تم سب بہت ہی ذہین ہو تم سب کا تو جواب نہیں ریحان نے مذاق کے انداز میں کہا۔
اس پر موزین نے ریحان سے کہا ہمارا مذاق اڑا رہے ہو۔

ریحان نے کہا اور نہیں تو کیا نقشہ میرے پاس ہے۔ کتاب میرے پاس ہے اور یہاں اتنی دیر سے میں جو بیٹھا ہوں کس لیے تم سب بے وقوف ہو جادوئی نقشے میں یہی جگہ بتائی گئی ہے۔ اور اسلیے ہمیں یہ رات تو یہیں گزارنی ہے ہوسکتا ہے رات کو ہی کچھ پتہ لگے اور ہاں مورزین تم اس سے تو اچھا تھا کہ تم اپنی تیسری طاقت کے بارے میں مجھ سے پوچھتی کہ آخر تیسری ریاست کے ختم ہونے پر ہمارے جسموں میں روشنیاں آئی تھیں وہ کیا تھا اس پر مورزین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا میری تیسری طاقت ریحان پلیز بتاؤ کون سی طاقت ہمیں ملی ہے۔

نہیں بے وقوف لڑکی اب یاد آیا تمہیں جا جو کرنا ہے کر میں نہیں بتاؤں گا

پلیز بھائی بتاؤ ناں میرا دل زور زور سے دھڑک رہا ہے میں بے چین ہوں اس طاقت کے لیے میں اسے جلد آزمانا چاہتی ہوں۔ پلیز بتائیں بھائی۔ مورزین نے ریحان کو مضبوطی سے پکڑ کر کہا جیسے کوئی چھوٹی بچی کھلونے کے لئے ضد کرتی ہے۔ اس پر تینوں لڑکیاں جو ابھی تک خاموشی سے ان دونوں بھائی بہن کو دیکھ کر مسکرا رہی تھیں کھلکھلا کر ہنس دیں۔ جس پر ریحان نے مورزین سے خود کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

مورزین وہ دیکھو تمہاری سہیلیاں تم پر ہی ہنس رہی ہیں۔ اس پر مورزین شرمندہ ہوگئی اور ناراض ہو کر اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

حنا نے ریحان سے مسکراتے ہوئے کہا ریحان دیکھو بچاری کو ناراض کر دیا ہے۔ اب تو اسے بتا دو یہ کیا اب چھوٹی بچی کی طرح ناراض ہوگئی۔

ٹھیک ہے بتاتا ہوں مگر میں تم سب کو بھی بتا دیتا ہوں اگر میں نے وہ منتر اسے بتا دیا تو وہ تم سب کو ڈراتی رہے گی پہلے وہ تم سب پر ہی آزمائے گی۔

عالیہ نے گھبراتے ہوئے کہا مورزین ہی چڑیل بننے کا ارادہ تو نہیں ہے تمہارا۔

سمرن نے مورزین کے کندھے پہ ہاتھ رکھا اور ان سے کہا۔ مورزین تم وہ مجھ پر ہی پہلے وہ ہم پر آزماؤ گی تاکہ لوگوں کو بھی تو بے وقوفوں کی طاقت کا اندازہ لگے۔ سمرن نے طنزیہ لہجے میں ریحان کو دیکھ کر کہا ریحان کو تھوڑی دیر ایسا لگا کہ جیسے سمرن کی موٹی ہیرنی جیسے آنکھیں سمندر ہوں جس میں وہ ڈوب رہا ہو سمرن نے ریحان پر اپنی نظروں کا ایک تیز دار وار کیا اور پھر اپنی نظریں ان سے ہٹالیں ریحان اس میں ڈوبتے ڈوبتے بچ گیا تھا ریحان نے کہا اب ذرا اپنے بازی بند کرو اور مجھے اپنا منتر دو اس پر ریحان نے خاموشی سے مورزین کو ایک کاغذ دے دیا اس پر مورزین وہاں سے اٹھی اور سمرن سے کہا سمرن کمال کا وار کیا ہے تم نے اس پر سمرن نے کہا مورزین جو لڑکیوں کو بے وقوف سمجھتا ہے اس پر ایسے ہی وار کرنے پڑتے ہیں سمرن ایک ادا سے اپنے چہرے پر سے اپنے بال ہٹاتے ہوئے بولی جس پر ریحان کو ایک اور دھچکا لگا اور اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ سمرن کا حسن کوئی مذاق نہیں تھا اس کا حسن اچھے اچھوں کے چھکے چھڑا دیتا ہے پرستان کی پریاں بھی اس کے مقابلے میں کچھ نہیں تھیں۔ ریحان دھیرے سے اپنی جگہ پر خاموش بیٹھ گیا اور آسمان کی طرف دیکھنے لگا جبکہ ادھر

مورزین اپنی طاقت آزما چکی تی اس نے جیسے ہی منتر دو مرتبہ پڑھا تو اچانک ایسے غائب ہوگئی جیسے گدھے کے سر سے سینگ اس پر سب ہی حیران تھے جسے وہ کھولی ہوئی آنکھوں سے سپنا دیکھ رہی ہوں کسی کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا مورزین مورزین سب نے اسے پکارا۔

کیا ہوا تم کو یہ حقیقت ہے کیا ہم سچ میں کوئی سپنا دیکھ رہے ہیں۔

کیا تم لوگ واقعی میں مجھے نہیں دیکھ سکتے ہو مورزین کی آواز سنائی دی۔

ہاں مورزین تمہاری صرف آواز ہمیں سنائی دے رہی ہے سیمرن نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا یہ کمال کا جادو ہے ہمیں تو اب بھی یقین نہیں ہو رہا ہے۔۔۔ عالیہ نے جواب دیا۔

مورزین نے ایک بیگ اٹھایا حنا نے بیگ کو دیکھتے ہی کہا یہ کیا ہو رہا ہے۔

اس پر مورزین نے کہا۔ کیا تمہیں بیگ دکھائی دے رہا ہے۔

ہاں۔۔۔ سب نے جواب دیا۔

حنا جلدی سے بولی پلیز مورزین اب غائب ہونے والا کھیل بند کرو اور ہمارے سامنے آؤ۔ اس کی بات پر مورزین نے دوبارہ وہی منتر پڑھا اور اپنی اصلی حالت میں آ گئی اور بولی۔

کیسا لگا یہ کھیل۔

یہ کمال کا کھیل تھا۔ عالیہ نے جواب دیا۔

مورزین ریحان کے پاس گئی جو گہری سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا ریحان اب منزل دور نہیں ہے اس تیسری طاقت سے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اب ہمیں کسی غائبی مخلوق کا ڈر نہیں رہے گا اس پر ریحان اپنی سوچوں سے باہر آیا اور مورزین سے کہا۔

مورزین اتنی خوش ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے یہ عام سی طاقت ہے جو غائبی مخلوق کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے اور ہمیں یہ بھی پتہ نہیں کہ آگے کی ریاستوں میں ہمیں کیسی کیسی مخلوق کا سامنا کرنا پڑے گا اس پر مورزین نے مایوس ہوتے ہوئے کہا۔ ریحان باقی ریاستوں کا بعد میں دیکھ لیں گے پہلے اس ریاست سے تو جان چھوٹ جائے شام کے سائے ڈھل رہے تھے مگر ہمیں یہاں پر کچھ بھی نہیں مل رہا ہے اس پر ریحان نے کہا مورزین رات ہونے دو ہمیں ضرور کوئی نہ کوئی سوراغ مل جائے اب تک جادوئی نقشے نے ہمارا بہت ساتھ دیا ہے اور اس میں جس جس جگہ کا ذکر ہوا ہے اس میں ہمیں پتھ نہ کچھ سوراغ ملا ہے اس لیے ہمیں رات ہونے کا انتظار کرنا ہوگا۔ میں جانتا ہوں کہ کھانے کا سامان بھی ختم ہو چکا ہے بس ایک بار ہمیں آگے کا راستہ مل جائے تو ہم جلد ہی اس ریاست سے نکل جائیں گے، اس کے بعد ریحان نے مغرب کی نماز پڑھی اور رات ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ چاروں لڑکیاں آپس میں باتوں میں مصروف تھیں جبکہ ریحان ان سے تھوڑے فاصلہ پر بیٹھا تھا ادھر سیمرن باتوں باتوں میں ہی ریحان کی طرف دیکھتی رہتی ریحان کی نظر بھی سیمرن پر پڑتی تھی وہ بھی وقفے وقفے سے سیمرن کے حسن چہرے کو دیکھتا اس طرح ان دونوں کی نظریں آپس میں ٹکرا گئیں اور ان دونوں کو آس پاس کا کچھ احساس نہ رہا۔ ریحان ہم دونوں جانتے ہیں کہ ہم صرف ایک

دوسرے کے لیے بنے ہیں تو پھر ریحان کیوں ہم ایک دوسرے سے اتنے دور ہیں ہم چاہ کر بھی ایک دوسرے کے قریب نہیں آرہے ہیں آخر یہ کون سی طاقت ہے جو ہمیں ایکدوسرے کے قریب آنے سے روک رہی ہے۔ آخر یہ کیسی محبت ہے ہم دونوں کی کہ ایک دوسرے سے اظہار بھی نہیں کر سکتے ریحان میں جانتی ہوں کہ کسی بڑے عظیم انسان نے کہا ہے کہ محبت کا پہلا قدم بھی دوستی ہے ریحان ہم دونوں میں صرف بیچ کے قدم رہ گئے ہیں اس لیے قدم بڑھاؤ ریحان میں تمہاری منتظر ہوں آج سے پہلے میں نے کسی لڑکے کے بارے میں ایسا محسوس نہیں کیا ہے جتنا کہ میں تمہارے بارے میں محسوس کررہی ہوں۔ ریحان پتہ نہیں کیا وجہ ہے کہ چاہ کر بھی میں تم سے دور نہیں رہ سکتی دھیرے دھیرے تم میرے دل کی گہرائی میں اتر رہے ہو آخر کیا وجہ ہے کیا ہوا ہم دونوں کے بیچ میں کہ ایک دوسرے سے بات بھی نہیں کر سکتے آخر کیا وجہ ہے کہ ریحان تم نے اپنے اردگرد اتنے مضبوط دیواریں قائم کر رکھی ہیں یمرن کے دل میں یہ سب سوال تھے جس کو وہ ریحان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دل اور آنکھوں کی زبان میں کہہ رہی تھی یمرن مت دیکھو مجھے ایسا ہے تم مجھے پاگل کررہی ہو نفرت کرو مجھ سے محبت کروگی تو تم سے دور نہیں رہ پاؤں کا دھیرے دھیرے تم میرے دل کے قریب ہوتی جارہی ہو یمرن خود کو روکو محبت کے راستے میں صرف کانٹے ہی ملتے ہیں یہ دکھ اور درد کا راستہ ہے یہ آگ کا راستہ ہے یہ ایک گہرا سمندر ہے جس میں ڈوب جاؤ گی یہ آگ کا راستہ ہے جس میں جل جاؤ گی خود کو روکو یمرن روکو ایسا نہ ہو کہ بعد میں میری موت برداشت نہیں کر پاؤ میرا ایک ہی مقصد ہے وادی مرگ کی تباہی جس میں میری موت یقینی ہے، اس کے ساتھ ہی ریحان نے اپنی نظریں یمرن سے ہٹالیں جس پر یمرن کو ایسا لگا جیسے اس کا سب کچھ ختم ہوگیا ہے ریحان کی بے رخی نے اس کے دل میں کئی سوال پیدا کئے تھے جس کا جواب صرف ریحان کے پاس تھا۔

ہر طرف گہری تاریکی پھیل چکی تھی رات ہوچکی تھی ہر طرف خاموشی اور اندھیرا کا راج تھا مگر ابھی تک کچھ ایسا واقعہ پیش نہیں آیا تھا جس سے ان سب کو آگے کا راستہ مل جاتا ادھر موریٰن نے اپنے سارے منتر ان آئینوں کی دیواروں پر استعمال کر دئیے تھے مگر ابھی تک وہ اسے توڑنے میں کامیاب نہیں ہورہی تھی آخر یہ کیسے آئینے ہیں توڑنے کا نام ہی نہیں لے رہے ہیں حنا نے بیٹھے ہوئے کہا۔

ہاں اسے توڑنا ناممکن ہے لگتا ہے ہم پھنس گئے ہیں۔ پتہ نہیں ہم اس جگہ سے نکلیں گے بھی یا نہیں۔ عالیہ نے بھی ہمت ہارتے ہوئے کہا۔

آخر کچھ کرتا کیوں نہیں ریحان۔ حنا نے ریحان کو ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔ اب وہ کہاں چلا گیا

وہ ادھر عشاء کی نماز پڑھ رہا ہے یمرن نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

سب ہی خاموش بیٹھ چکے تھے کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر ہم اس جگہ سے نکلیں بھی تو کیسے۔

یہ دیدی تم بھی ہر وقت اس پر نظر رکھے ہوئے ہو حنا نے یمرن کی طرف مسکراتے ہوئے کہا۔

کیا کوئی مجھے یہ بتا سکتا ہے کہ ریحان نے سب کو معاف کر دیا ہے سوائے یمرن کے وہ ہم سب کے ساتھ باتیں کر تا ہے مگر یمرن کے ساتھ نہیں کیا کوئی مجھے یہ بتا سکتا ہے کہ یمرن سے ایسا کون سا جرم ہوا ہے جو معافی کے قابل نہیں عالیہ کی یہ باتیں یمرن پر ایک تیز دار تیر کی طرح لگیں اور ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے کیونکہ وہ جانتی تھی کہ میں نے محبت کا جرم کیا ہے کہ میں ریحان کو خود سے بھی زیادہ چاہتی ہوں یہ میرا جرم ہے وہ چیخ چیخ کر سب کو یہ بتانا چاہتی تھی مگر اس میں اتنی ہمت نہیں تھی وہ ایک جگہ پر دینا جہاں سے بے خبر آنکھوں میں بے پناہ شکایت لیے ہوئے بیٹھ گئی۔

ارے یہ اب یمرن کو کیا ہو گیا ہے عالیہ نے یمرن کو دور جاتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

عالیہ پتہ نہیں کہ ریحان یمرن کو معاف کیوں نہیں کرتا ہے۔ جہاں تک ہمیں پتہ ہے یمرن سے کوئی بھی ایسا جرم نہیں ہوا حنا نے مایوسی سے یمرن کو اور ریحان کو دیکھتے ہوئے کہا جس پر موزین نے دونوں سے کہا۔

تم دونوں یہاں پر بیٹھو میں ابھی آتی ہوں موزین سیدھا ریحان کے پاس گئی وہ نماز پڑھ چکا تھا اور اب کسی گہری سوچ میں آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

حنا ریحان نے کہا تھا کہ رات کو ہی ہمیں کوئی نہ کوئی راستہ مل جائے گا مگر اب تک وہ راستہ کہاں ہے حنا جو ابھی تک یمرن کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی عالیہ سے بولی۔ جبکہ اسے پتہ تھا مگر وہ عالیہ کو بھی بتانا چاہتی تھی۔

عالیہ مجھے تو یہ محبت کا معاملہ لگتا ہے۔

کس کا معاملہ کیا بات کر رہی ہو۔ یہ راستہ جو ہمیں نہیں مل رہا ہے یہ محبت کا معاملہ کیسے ہو سکتا ہے اس پر حنا نے اپنے دانت پیستے ہوئے کہا۔

ارے بیوقوف لڑکی میں راستے کی بات نہیں کر رہی ہوں میں یمرن اور ریحان کی بات کر رہی ہوں وہ دونوں کو تو آپس میں محبت نہیں ہو گئی ہے۔

کیا حنا تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔

ہاں عالیہ کیا تم اتنا نہیں سمجھتی ہو کہ جب یمرن کو کوئی چوٹ لگتی ہے تو درد ریحان کو کیوں ہوتا ہے وہ انکی مدد کے لیے اپنی جان بھی گنوانے کے لیے پیچھے نہیں ہٹتا اور ایک طرف یمرن ہے جو ریحان کے سامنے اپنا سب کچھ بھول جاتی ہے اگر ریحان ان سے بے رخی کرتا ہے تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں اس کی نظریں ریحان کو ہی تلاش کرتی ہیں اور اب بھی تمہاری باتوں سے اس کو جتنا دکھ ہوا ہے وہ میں ہی سمجھتی ہوں عالیہ میں جانتی ہوں کہ تم بھی ریحان کو پسند کرتی ہو مگر محبت کی نہیں جاتیہ ہے ہو جاتی ہے۔

حنا اب چپ رہو میرا دماغ گھوم رہا ہے اگر ایسا ہوتا تو یمرن پہلے مجھے بتاتی عالیہ اگر وقت نے ان دونوں کا ساتھ دیا ہے تو ہم سب کو پتہ چل جائے گا۔

ریحان کیا میں تم سے ایک سوال پوچھ سکتی ہوں ریحان نے موزین کو دیکھ کر کہا۔

ہاں موروزین ضرور پوچھو۔
ریحان سوچ لو میں تم سے جو بھی کہوں گی جواب مجھے سچ سچ چاہئے۔
ہاں موروزین پوچھو بھلا میں تم سے جھوٹ کیوں بولوں گا۔
ریحان کیا تم مجھے یہ بتا سکتے ہو کہ تم نے ہم سب کو معاف کر دیا ہے اور اہم سب کے ساتھ باتیں بھی کرتے ہو مگر یمرن نے وہ کون سا جرم کیا ہے کہ تم نے ابھی تک اسے معاف نہیں کیا ہے اور نہ ہی اس سے باتیں کرتے ہو ایسا کون سا جرم اس نے کیا ہے کہ تم یمرن سے اتنی بے رخی کر رہے ہو۔ کیونکہ یہ تم جانتے ہو کہ وہ تمہارے بارے میں کیا فیلنگ رکھتی ہے تم اسکے لیے کیا ہو یہ تم اچھی طرح جانتے ہو موروزین بولتی رہی ریحان خاموشی سے موروزین کی باتیں سنتا جا رہا تھا اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہم یہاں کس وجہ سے اور کس لیے آئے ہو۔ یہ سچ ہے کہ ہم دونوں کا مقصد ایک ہے وادی مرگ کی تباہی مگر ایک سچ اور بھی ہے کہ یمرن کی ہی وجہ سے ہم یہاں پر موجود ہیں ورنہ تم تو پہلے بھی یہاں آ سکتے تھے مگر نہیں آئے پتہ ہے کیوں کیونکہ تب یمرن نہیں تھی اور اب جو وہ مصیبت میں ہے تو تم اپنا سب کچھ چھوڑ کر کیوں یہاں آئے ہو وہ تمہاری کیا لگتی بن گیا ہے۔ مگر تم نے ایسا نہیں کیا پتہ ہے کیوں کیونکہ تم یمرن سے محبت کرتے ہو دل و جان سے چاہتے ہو اسے۔ وہ تمہاری رگ رگ خون کی طرح گردش کر رہی ہے وہ تمہاری جان ہے تم اسے کبھی دور نہیں رہ پاؤ گے میں نے دیکھا ہے ریحان تمہاری آنکھوں میں یمرن کے لیے محبت تڑپ۔ میں محسوس کرتی ہوں کہ یمرن تمہارے لیے کیا ہے مگر پھر بھی تم نے اپنے آپ کو اس سے دور رکھا ہوا ہے۔ اپنے دل کو پتھر بنایا ہے، ریحان تم خود کو اتنا نہیں جانتے ہو جتنا میں تمہیں جانتی ہوں اور جس ریاست میں ہم ہیں وہ آئینوں کی ریاست ہے جس میں اپنا عکس واضح دیکھ سکتے ہیں۔ مگر ریحان میں نے تمہیں وہ آئینہ دکھایا ہے جس کی تمہیں بے حد ضرورت تھی اس آئینے میں میں نے تمہیں وہ عکس دکھایا ہے جو تمہیں یہ آئینے نہیں دکھا سکتے تھے ریحان مگر میری بھی ایک بات سن لو میں اگر کسی کو اپنی بھابھی بناؤں گی تو وہ صرف اور صرف یمرن ہوگی موروزین بولتی جا رہی اور وہ سنتا جا رہا تھا جب وہ چپ ہوئی تو ریحان نے کہا۔
موروزین۔ تم یہی چاہتی ہو ناں کہ یمرن نے بہت دکھ دیکھے ہیں بہت آزمائش سہی ہے اب تم اسے ان دکھوں سے نکالنا چاہتی ہو اسے خوش دیکھنا چاہتی ہو موروزین میری بہن میں بھی یہی چاہتا ہوں مگر اس کی خوشی مجھ میں نہیں میرے ساتھ اسے صرف درد ہی ملے گا ایسا درد جو اس کی پوری زندگی تباہ کر دے گا وہ کبھی بھی نہیں جی پائے گی اس کی زندگی عذاب بن جائے گی وہ پل پل مرتی رہے گی۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ میری موت وادی مرگ میں ہی ہوگی۔ وادی مرگ کی تباہی کے بعد وہ مجھے اتنی آسانی سے چھوڑ نہیں سکتے میں یہ نہیں کہتا کہ میں کوئی بزرگ ہوں جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کی تقدیر دکھائی ہے کہ وہ کب کہاں اور کس وقت کس کے ہاتھوں مرے گا مجھے اللہ نے یہ سب خواب میں ہی نہیں بتایا مگر موروزین تم خود سوچو کہ وادی مرگ کالی دنیا کا دل ہے اس کو تباہ کرنے کے لیے ہمیں اور کتنی طاقتوں کا مقابلہ کرنا ہوگا تم ذرا سوچو کہ اگر مجھے کچھ ہو گیا تو یمرن جی پائے گی جس کو وہ اپنی

زندگی بجھتی ہوا گر وہ اس کے سامنے دم توڑ رہا ہو تو اس کا کیا ہوگا۔ کچھ سوچا ہے اس کی زندگی عذاب بن جائے گی اس لیے میں یمرن سے دور رہتا ہوں موزین وہ مجھ سے دور ہی ٹھیک ہے اس میں اس کی بھلائی ہے میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے میں لمحہ بہ لمحہ موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھتا ہوں ابھی وقت ہے یمرن مجھ سے دور ہے وہ مجھے جلد ہی بھلا دے گی مگر ایک بار وہ میری نزدیک ہو گئی تو وہ مجھے کبھی بھلا نہیں پائے گی۔ اس لیے موزین یمرن کو اپنی بھابی بنانے کا خیال اپنے دل سے نکال دو۔

موزین نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ریحان کتنی آسانی سے تم نے یہ سب کہہ دیا جیسے تم سب کچھ جانتے ہو میں صرف دو باتیں کہوں گی تم سے پہلی بات۔ یہ کہ تقدیر کے کھیل کو کوئی نہیں جانتا مجھے صرف اس بات کا جواب دو کہ اگر تمہیں اس سفر میں کچھ نہیں ہوا اگر یمرن کی جان چلی گئی تم سے پہلے وہ موت کی گہری نیند سوگئی تو تم ذرا مجھے یہ بتا سکتے ہو کہ تمہارا کیا ہوگا تم جی پاؤ گے اس کے نا او: میری دوسری بات میں ہر حال میں ہی اگر زندگی نے وفا کی تو یمرن کو ہی میں اپنی بھابی بناؤں گی تب تک کے لیے تم یہ دعا کرنا کہ یمرن کو کچھ نہ ہو ورنہ تم اپنی زندگی خود کو معاف نہیں کر پاؤ گے۔ میری بات پر غور کرو کیونکہ تقدیر کے کھیل کو کوئی نہیں جانتا اور نہ ہی جان پائے گا موزین نے اتنا کہا اور یمرن کے پاس چلی گئی جبکہ ریحان کے دماغ میں دھماکے ہونے لگے اس کا دل زور سے دھڑکنے لگا اس کو کچھ سمجھ نہیں آیا کہ آخر موزین نے اس کے سینے یہ کیا کہہ دیا ہے کہ اس کے سامنے زمین آسمان گھومنے لگے وہ سوچنے لگا کہ اگر یمرن کو کچھ ہو گیا تو میں یہ خیال آتے ہی اس کا دماغ گھومنے لگا۔

یمرن کیا تم ٹھیک ہو۔ موزین نے یمرن سے کہا جو ایک سائیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی اس نے سر جھکایا ہوا تھا اور اس کے بال بکھرے ہوئے تھے موزین نے پھر سے یمرن سے کہا یمرن کیا ہوا تم ٹھیک تو ہو یمرن میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں موزین نے جیسے ہی یمرن پر ہاتھ رکھا۔ تو وہ کانپ کر رہ گئی کیونکہ یمرن پر کوئی غیبی طاقت کا سایہ پڑ چکا تھا اس کی آنکھیں مکمل طور پر سفید ہو چکی تھیں۔ جیسے وہ مردہ قبر سے ابھی ابھی اٹھ کر آرہی ہو۔ اس کے بال مکمل طور پر بکھرے ہوئے تھے وہ غصہ سے اپنے دانت چبا رہی تھی اس نے موزین کو ہاتھ لگایا جس سے موزین کئی فٹ پیچھے گرتی چلی گئی یمرن کے منہ سے ایک بھیانک قہقہہ بلند ہوا اس کی آواز میں کرب کا قہر تھا جیسے اس کی آواز اتنی گرج دار تھی جیسے بادلوں کی گرج ہو وہ آواز سب نے ہی سن لی تھی اور سبھی موزین کے پاس دوڑے آئے ریحان نے موزین کو اٹھایا موزین تم ٹھیک تو ہو یمرن کو بچاؤ عالیہ اور حنا نے جیسے ہی یمرن کے بکھرے ہوئے بال اور صورت دیکھی تو ڈر کے مارے تھر تھر کانپنے لگیں۔ جبکہ یمرن اپنی جگہ پر کھڑی ہی ہوا میں اوپر کی طرف اس کا وجود اٹھنے لگا۔ وہ ہوا میں ہی کہیں کپڑے کی مانند لہرانے لگی ریحان تیزی سے اس کے نزدیک گیا ریحان کو دیکھ کر یمرن غصہ سے بڑبڑانے لگی۔

آدم زاد تو نے وادی مرگ کے تین طاقتوں کو ختم کر کے اچھا نہیں کیا ہے مگر تو کیا سمجھتا ہے کہ تو اتنی آسانی سے جیت جائے گا ایسا کبھی بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ابھی تو صرف ابتدا ہے تم سب کو ایسی

موت ملے گی کہ تمہاری روح تک کانپ اٹھے گی تو کیا سمجھتا ہے کہ تو اس لڑکی کو ہم سے بچا پائے گا ایسا تو سوچنا بھی مت تو اس لڑکی کو تو کیا کسی کو بھی بچا نہیں سکے گا یہاں تک کہ خود کو بھی نہیں۔ ہاہاہا۔ ہاہاہا۔ وہ زور سے قہقہے لگانے لگی۔ اس کی آواز آواز نہیں بلکہ سات آوازوں کا مجموعہ تھا سا توں آوازوں سے مل کر ایک آواز نکل رہی تھی اس پر ریحان نے خود کو سنبھالا اور ان سے کہا۔

بزدل اس معصوم سی لڑکی کا سہارا کیوں لیتا ہے تو جو کوئی بھی ہے اگر ہمت ہے تو سامنے آ کر میرا مقابلہ کر ریحان نے اتنا ہی کہا تھا کہ یمرن کے منہ سے ایک بلند آواز میں قہقہہ نکلا جو اس بھیانک اندھیروں کو چیرتا ہو چلا گیا۔

تمہاری یہ خواہش بھی پوری کر دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی یمرن تیزی سے ریحان کی طرف ہوا میں ہی لہرانے لگی اور ریحان کو گلے سے پکڑ کر اوپر اٹھانے لگی ریحان اتنے تیز حملے کے لیے بالکل بھی تیار نہیں تھا۔ ریحان کے پاؤں ہوا میں ہی لہرانے لگے ریحان کو دیکھ کر موزین نے عالیہ اور حنا سے کہا تم دونوں اپنے اپنے تعویذ نکال کر یمرن کے گلے میں ڈال دو جلدی۔ میں ریحان کو بچاتی ہوں موزین تیزی کے ساتھ ریحان کی طرف دوڑنے لگی اس نے یمرن کو پکڑا اور اس کو اپنی طرف کھینچنے لگی اس نے یمرن کو پکڑا ہی تھا کہ یمرن نے اسے بھی دوسرے ہاتھ میں پکڑ لیا۔ اور اس کو بھی اوپر کی طرف اٹھانے لگی۔ دونوں کی سانسیں بند ہونے لگیں ان کی آنکھوں کے سامنے دھیرے دھیرے اندھیرا چھانے لگا ادھر حنا اور عالیہ نے یمرن کے گلے میں اپنے اپنے تعویذ ڈال دیے مگر اس کا بھی یمرن پر کچھ اثر نہیں ہوا ریحان اور موزین یمرن پر وار بھی نہیں کر سکتے تھے اس لیے وہ بے بس تھے ریحان اور موزین نے خود کو چھڑانے کی کوشش کی مگر یمرن کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ وہ دونوں ہل بھی نہیں پا رہے تھے۔

اس کے بعد کیا ہوا یہ سب جاننے کے لیے خوفناک ڈائجسٹ کا اگلا شمارہ پڑھنا مت بھولئے گا وہ دونوں یمرن کے ہاتھوں سے بچتے ہیں کہ نہیں اور یمرن پر موجود سایہ ختم ہوتا ہے کہ نہیں یہ سب جاننے کے لیے اگلے شمارے کا انتظار کریں۔

تیرے سوا قرار نہیں

تیرے سوا قرار کسی نے نہیں دیا
اتنا تو مجھ کو پیار کسی نے نہیں دیا
یہ لطف زندگی میں کہیں بھی نہ مل سکا
یہ کیف انتظار کسی نے نہیں دیا
میں اپنے ساتھ بھی کوئی لمحہ گزار سکوں
اتنا بھی اختیار کسی نے نہیں دیا
مانگی تھی ایک شام رفاقت بہار میں
ایک لمحہ بھی ادھار کسی نے نہیں دیا
مت یہ سمجھ کسی کو جدائی کا غم نہ تھا
ہنس کر یہ دن گزارا کسی نے نہیں دیا
دکھ بھی دیا کسی نے مگر ساری زندگی
سکھ اتنا اختیار کسی نے نہیں دیا

محمد مصطفی خان۔ میران شاہ

خونی چڑیل

---تحریر: شاہد رفیق سہو۔ بیر والہ۔

سفید دیدوں والی کی کھوپڑی کھلی تھی ایسے اور تیز چیخ کی میں بریک لگ گیا ابھی وہ اپنے محافظ دھاگوں سے نیچے اترتے دیکھ ہی رہی تھی کہ دو ملنگوں نے راستہ صاف ہوتے ہی اس کے سر کے بال تین طرف سے دبوچ لیے دائیں بائیں اور پیچھے سے ایسا ہوتے ہی ملنگ نور محمد نے سفید دیدے والی چڑیل کے سامنے چیخ کر اپنا بلند کیا اور اس کی نوک اس کی آنکھ میں گھسیڑ دی ملنگ نور محمد نے جیسے ہی اپنا عصا کھینچا خون کا فوارا سفید دیدے والی کی آنکھ سے نکلا اس قدر پریشر سے کہ ہم غیر ارادی طور پر جھک گئے اتنی مہارت سے اپنا عصا اس کے دوسرے سفید دیدے میں بھی گھسیڑ دیا الف خدایا یوں لگا جیسے سینکڑوں چڑیلیں چلا رہی ہیں جہنم کی گویا ساری بلائیں اکٹھی ہوئی ہیں وہ چیخ پکار چیخ کر کانوں کے پردے پھٹتے ہوئے محسوس ہونے لگے خون تھا کہ وہ دھاری انداز میں بہہ رہا تھا سفید دیدے والی کا منہ پچھلی طرف زرد ہو گیا اس نے چار اور نتھنوں سے بھی خون کی دھاریں بہنے لگی تھیں وہ بہت تڑپی بہت کلبلائی لیکن بقیہ تینوں ملنگوں نے اس کے بال نہ چھوڑے وہ چاروں ملنگ وجدانی کیفیت میں کلام الٰہی پڑھنے میں مصروف تھے اچانک چڑیل کے سیاہ وجود اور سرخ چہرے و بالوں سمیت آگ کے الاؤ نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تینوں ملنگوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور اس کے بال چھوڑ دیے بڑی زوردار چھپاکا ہوا اور آگ میں جلتی ہوئی چڑیل پانی میں گری اور پانی میں گرنے سے بادلوں آگ میں جلتی ہوئی لوٹ پوٹ ہو رہی تھی۔ ایک نئی کہانی۔

ہماری آبادی کا نصف سے زیادہ حصہ بنیادی سہولیات سے محروم تھا اکثر وہ جھونپڑے نما دکانیں بھی بنے ہوئے تھے جو میٹرو میکس لیمپ سے روشنی حاصل کرتے تھے اور ان دکانوں کے باہر والی پر عمر رسیدہ لوگ بیٹھ کر اپنی غربت اور دن بھر کی محنت مشقت پر تبصرہ کیا کرتے تھے عموماً بستی کے ساتھ والی سڑک زیادہ سے زیادہ گیارہ بجے شب تک ویران ہو جاتی تھی یہیں پر آبادی کے ساتھ اور سڑک کے کنارے ایک درگاہ بھی ہوا کرتی تھے۔

نہایت موسم تھا۔ سڑک پر ٹخنوں ٹخنوں پانی کھڑا تھا بارش کے دائرہ در دائرہ شروع ہونے والی یہ سڑک شمال مشرق کی طرف کھائی منڈی اور بائیں جانب غلہ منڈی تک سینری منظر لیے ہوتے تھے ایسے میں میں بڑی آہستگی سے اپنی گھیر دار اور بڑے پائنچوں والی شلوار رانوں تک اٹھائے اپنے گھر کی طرف شڑاپ شڑاپ بڑھ رہا تھا میں ہر ممکن احتیاط کا مظاہرہ کرتے ہوئے سڑک کے بیچوں بیچ اپنی

میں پندرہ منٹ کی شدید جدوجہد کے بعد پہلا چوراہا عبور کر کے دوسرے راستے تک پہنچ گیا میری پشت پر تو وہ راستہ تھا جسے میں عبور کر آیا تھا۔ دائیں جانب بستی کی طرف سڑک تھی اور بائیں جانب جو راستہ چلا گیا تھا وہ پھر سے مارکیٹ کی طرف سمت جاتا تھا۔ میں وہاں تک چلا گیا میری نگاہوں کی سیدھ میں قبرستان کی اونچی دیوار اور وسیع و عریض گیٹ تھا اچانک ہی وہ سب کچھ ہو گیا جو میرے وہم و تصور میں بھی نہیں تھا۔

گو کہ چہار سو بے پناہ اندھیرے کی چادر سی تنی ہوئی تھی سڑک پر سیلابی کیفیت میں بہتا ہوا پانی بھی نظر نہیں آیا نہ ہی اطراف میں کہیں کوئی روشنی تھی کہ پانی کی کم از کم چمک تو دیکھ سکوں اچانک ہی سرخ روشنی نمودار ہوئی بعض جگہ خون کی طرح سرخ روشنی تھی تو بعض جگہ ہلکی ہلکی گریننش لہریں تھیں ابھی میں حیرت میں ہی ڈوبا ہوا تھا کہ میں نے ایک غیر یقینی اور دہشت زدہ کر دینے والا منظر دیکھا وہ وہ کوئی جوان لڑکی تھی برہنہ سر تھی اور اس کے سر کے بال بکھرے بکھرے اور پشت پر لٹکے ہوئے تھے اس کے جسم پر ہلکے سبز رنگ کا جمپر تھا اور شلوار قدرے بینگنی رنگ کی تھی وہ پیروں میں عورتوں کے سے سلیپر پہنے انتہائی خوف سے سہمی ہوئی کھڑی تھی اس نے بانہیں موڑ رکھی تھیں اس کی کلائیوں میں سرخ رنگ کی کانچ کی چوڑیاں بھی تھیں۔

نن۔ نہیں۔۔ نہیں مجھے جانے دو جانے دو مجھے وہ تھر تھر کانپ رہی تھی اس کا لہجہ بھی تھرتھرایا ہوا تھا وہ نظروں کا زاویہ بائیں طرف کر کے وہ کچھ دیکھ رہی تھی جو میں نہیں دیکھ پا رہا تھا میں دیکھتا بھی کیسے میرے اپنے وجود پر مارے خوف کے کپکپی طاری تھی میں گھٹنوں گھٹنوں گندے پانی میں کھڑا تھا ٹھنڈ کے باعث یا پھر خوف کے باعث میری رگوں میں دوڑتا ہوا خون منجمد ہو کر رہ گیا تھا اچانک ہلکے لہو رنگ غبار کا ایک فوارا سا پھوٹا جیسے کسی نے بلندی سے بالٹی بھر غبار چھڑک دیا ہو۔ میری آنکھوں کے گرد دبیز سائے سے لہرا گئے۔ دل کی دھڑکنیں ایک دم سے رک گئیں وہ چھ انسانی ڈھانچے تھے جو خوف سے سکڑی ہوئی تھر تھر کانپتی ہوئی لڑکی کے گرد دائرے میں اچھل اچھل کر گھومنے لگے تھے انہوں نے ایک دوسرے کے ہاتھوں کی ہڈیوں کو تھام رکھا تھا اور ان کے کھلے منہ سے کھوکھلی اور باؤلے کتوں کی سی غراہٹیں نکلنے لگی تھیں۔

اف میری خدا آبادی تو قریب ہے پھر۔ پھر یہ ہیبت ناک آوازیں مکینوں کو کیوں نہیں سنائی دے رہی ہیں جبکہ آوازوں کا حجم اس قدر تھا کہ مارکیٹ تک گونج رہی تھیں مکینوں کے مکانوں کی بنیادیں تک لرز پڑی ہوں گی ابھی۔

میں اس روح فرسا منظر میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک سیاہ ترین بلندی پر ایک نہایت سرخ و سفید چہرہ نمودار ہوا کسی عورت کا چہرہ جس کی آنکھیں بیضوی تھیں اور آنکھوں میں گویا دو انڈے رکھے ہوئے تھے جنہیں ہم سفید دیدے کہتے تھے پھر ہلکے خون کی کوئی آبشاری گرنے لگی جس کی ابتدا میں مدھم سا ایک چہرہ نمودار ہوا تھا کسی بوڑھے کا چہرہ اس چہرے

سے بائیں جانب خون رنگ پھسلن کی دوسری پٹی سے بڑے بڑے گوں گڑھوں والی ایک انسانی کھوپڑی جھانکتی ہوئی نظر آئی اور دائیں جانب سے بھی ایک کافی بڑی کھوپڑی جھانک رہی تھی جس کی آنکھ کا صرف آدھا گڑھا نظر آیا میں غیر متحرک پتھرائی ہوئی نظروں سے سب کچھ دیکھ رہا تھا پھر سرخ وسفید پراسرار عورت کا منہ کھل گیا جس طرح اس کے ہونٹ سرخ تھے بالکل اسی طرح اس کے دائیں بائیں کے دو انتہائی نوکیلے دانت بھی خون سے لتھڑے ہوئے تھے اور خون کی ایک دھاری بہتی ہوئی ٹھوڑی سے نیچے تک چلی گئی تھی خوفناک عورت کا چہرہ نمودار ہونے سے بھائیں بھائیں کی آواز وں میں اضافہ ہو چکا تھا۔

میں۔۔۔ میں آ رہی ہوں اس لقمہ تر کو اتنا نہ ڈراؤ کہ اس کی رگوں کا خون خشک ہو جائے۔۔ یہ آواز اسی پراسرار چہرے کے منہ سے لب ہلائے بغیر نکلنے لگی آواز تھی یا صور اسرافیل میں بے ساختہ غیر ارادی اللہ کو پکارتا رہ گیا۔

اللہ کی شان دیکھئے پلک کا ایک ساعت شدید دھماکہ ہوا اور تمام ہولناک مناظر ایک خواب کی طرح غائب ہو گئے وہی اندھیرا سناٹا اور وہی شب دیجور تھی میرا ذہن اندھیرے کی دبیز گہرائی میں ڈوبتا چلا گیا پھر مجھے کچھ ہوش نہ رہا کہ میں کہاں ہوں ہوش آیا تو میری بیٹی میرے سرہانے بیٹھی تھی میں نے گھبراتے ہوئے اٹھتے ہوئے کہا۔

یہ۔ یہ۔ سب لوگ تمہاری دادی تمہاری ماں کہاں ہیں۔

میت ہوئی ہے پڑوس میں ابا۔۔۔ اماں اور دادی وہیں گئے ہیں ابھی کوئی دس منٹ پہلے ہی تو ہمارا گھر بھی عورتوں سے بھرا ہوا تھا سبھی لوگ آپ کی خیریت معلوم کرنے آئے تھے۔

کلاں بیٹی کیا بارش ہو رہی ہے۔

ہاں ابا صبح چھ بجے سے بارش شروع ہے دس پندرہ منٹ رکتی ہے پھر برسنے لگتی ہے اللہ کا شکر ہے کہ موٹے موٹے قطروں والی بارش نہیں ہے ورنہ ہمارے جیسے کچے مکان تو بہہ ہی جاتے آپ کے لیے چائے لاؤں۔

نہیں بیٹی ابھی نہیں کس کی موت واقع ہوئی ہے۔ میں نے پوچھا۔

ابا وہ چاچا پھلں ہے ناں اس کی بیٹی ممتاں مری ہے۔ اس نے افسردہ لہجے میں بتایا۔

کیا میں چیختے ہوئے چارپائی پر اٹھ بیٹھا تھا اچانک ہی مجھے رات کا منظر یاد آ گیا میرے ہونٹ میری زبان اور میرا حلق ایک دم سے خشک ہو گئے میری سانس پھول گئی اور میں متوحش نظروں سے اپنی بیٹی کلثوم عرف کلاں کو دیکھتا رہ گیا۔

ابا تم مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو مجھے آپ کی نظروں سے ڈر لگنے لگا ہے۔

آں۔ میں چونکا اور زبردستی مسکراتے ہوئے اپنی نظریں جھکا لیں۔ کلاں بیٹی میں کب سے یہاں چارپائی پر پڑا ہوں میں نے میرے ذہن میں ابھرنے والے ایک شبے کی تصدیق کی غرض سے پوچھا وہ شبہ یہ تھا کہ ہو سکتا ہے کہ میں نے کوئی بھیانک سپنا دیکھا ہو۔

تم رات سے گیارہ بجے سے بے ہوش پڑے تھے ابا کلاں نے بڑی معصومیت سے جواب دیا

اوہ جب بے ہوش تھا میں۔

ہاں ابا آپ کو درگاہ سے چار ملنگ اٹھا کر لائے تھے۔

اوہ کیا کہا تھا انہوں نے میرے متعلق

وہ کہہ رہے تھے کہ تم نہ جانے کس وجہ سے چکرا کر گندے پانی میں گرنے ہی والے تھے کہ انہوں نے ہزار دقتوں سے دوڑ کر آپ کو گرنے سے بچا لیا تھا وہ یہ بھی کہہ رہے تھے کہ اگر آپ گر پڑتے تو گندے پانی ہی میں مر چکے ہوتے خوف کی لہر سی میری ریڑھ کی ہڈی تک سنسناتی چلی گئی۔

کتنا کیا ٹائم ہو رہا ہے بیٹی۔

دس بج رہے ہیں ابا ساڑھے دس بجے میت اٹھائی جائے گی۔

مجھے کوئی حیرت نہ ہوئی سیاہ گھٹاؤں کا یہ عالم تھا کہ صبح کے دس بجے رات کے دس بجے کا سماں بندھا ہوا تھا ڈیڑھ بجے کے قریب میری اماں اور بیوی لوٹ آئیں مجھے بظاہر خوش وخرم دیکھ کر انہیں بھی مسرت ہوئی تھی میں۔

ادا چھل ماچھی کی جوان سال بیٹی خدیجہ کی بلیک اینڈ وائٹ تصویر کو تھامے ہوئے غم کی اتھاہ گہرائی میں ڈوب چکا تھا تصویر اسی لڑکی کی تھی جسے میں نے گزشتہ شب چیرا انسانی ڈھانچوں کے درمیان کھڑا ہوا دیکھا تھا یہی وہ کتاں تھی جو لرز لرز کر بلبلا رہی تھی چھل ماچھی جوان بیٹی کی موت کے غم میں ادھ موا ہو کر رہ گیا تھا اس کی آنکھیں غم کے شدید دباؤ کے تحت خون کی سرخ ہو رہی تھیں ادا چھل میں ایک جھلسا دینے والی سانس خارج کرتے ہوئے پکارا۔

جی ادا وہ سر اٹھاتے ہوئے بولا۔

کیا ہوا تھا تیری لڑکی کو۔

پتہ نہیں دا جی خان بالکل خوش وخرم تھی کھانسی تک نہ تھی اسے نو بجے تک سو چکی تھی میں بھی صحن والے چھپر تلے تخت پر سویا ہوا تھا کہ اندرونی طرف سے خدیجہ سمت دیگر عورتوں کی چیخیں سن کر گھبرا کر اٹھ بیٹھا اور جب میں اندر پہنچا تو خدیجہ سردی چڑھے مریض کی طرح کانپ رہی تھی اس طرح ہاتھ پیر پٹخے جا رہی تھی جیسے رسیوں سے باندھی ہوئی ہو یا پھر کسی کی گرفت سے رہا ہونا چاہتی ہو نہ تو کسی کی کچھ سمجھ میں آیا اور نہ ہی میری کچھ سمجھ میں آ سکا۔ چند ہی لمحوں بعد اس کی جدوجہد بند پڑ گئی اور وہ اور وہ۔۔۔۔ چھل ماچھی جملہ مکمل نہ کر سکا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا میں تڑپ کر رہ گیا مجھے اپنے آپ پر بہت زیادہ تاؤ آنے لگا تھا میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر میں خوف اور بزدلی کا مظاہرہ نہ کرتا تو شاید خدیجہ کو بچانے میں کامیاب ہو جاتا۔

مگر مجھے اس بات کا دکھ تو ہے چھل ماچھی بھرائی ہوئی آواز میں بولا کہ میری بیٹی نامراد ناکام ہی دنیا سے اٹھ گئی مگر حیرت اس بات کی ہے کہ میرے گھر میں سانپ کہاں سے آ گیا۔

سانپ سب کے لبوں سے تحیر خیز آواز نکل گئی۔

ہاں یہ وہ سانپ مگر میری کتاں کی گردن والی شہ رگ پر ڈنگ کے دو نشان تھے ان زخموں یا باریک زخموں کے اطراف میں خون بھی جما ہوا تھا یہ سانپ کا ڈنک نہیں تھا میں جھنجھلا کر پھٹ پڑا میری آواز جذباتی ہونے کے ساتھ اس قدر طویل بھی تھی کہ میری اماں بھی گھبرائی

ہوئی دوسرے کمرے سے نکل آئیں۔
کک یہ کیا ہوا حاجی کیا ہوا میرے بیٹے وہ مجھ سے لپٹ پڑی۔
کک کچھ نہیں اماں کچھ نہیں میں دم توڑتے بھینسے کی طرح تڑپتے ہوئے بولا۔
کچھ نہیں تو پھر چلائے کیوں سانپ کس سانپ کے ڈنک کا آواز اکس تھا۔
کہہ دیا ناں اماں جی کہ کچھ بھی نہیں ہے۔
نہیں بیٹا تمہیں بتلانا پڑے گا کہ تم نے کس ڈنک کی بات کی تھی کہاں ہے ڈنک کا نشان وہ میرے جسم کو ٹٹولتے ہوئے بولیں۔
ہاں مائی خان تین چار لوگ بیک زبان بول اٹھے تم کیسے کہتے ہو کہ وہ سانپ کے ڈنک کے نشان نہیں تھے کس کی بات کر رہے تھے آپ لوگ اماں پھر بول اٹھیں کہیں تم تم خدیجہ کے گردن والے سوراخوں۔۔
ہاں ہاں اماں جی پھل ماچھی بول اٹھا میری ہی بیٹی کا تذکرہ ہو رہا تھا۔
اور وہ عورت کون تھی۔۔ اماں اچانک ہی چونکتے ہوئے بولیں۔
کون عورت ماں جی پھل ماچھی تحیر خیز لہجے میں بولا مجھ سمیت بقیہ لوگ بھی تجسس سے اماں کی طرف تکنے لگے تھے۔
وہی میں ماچس لیے تیرے گھر میں داخل ہوئی تھی تو میں نے ایک عورت کو دروازے سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا بہت ہی سرخ چہرہ تھا اس کا میں اندھیرے کے باعث اس کا صرف چہرہ ہی دیکھ پائی تھی وہ شاید اندھی تھی کم بخت کی آنکھیں بہت بڑی تھیں مگر اس کی پتلیاں نظر نہیں آ رہی تھیں سفید دیدے تھے اس کے اماں کا جملہ مکمل ہوا ہی تھا کہ ایک گرجدار آواز سنائی دی۔
وہ عورت نہیں ایک بدروح تھی ایک چڑیل تھی جملے کے اختتام تک ہم بھی آواز کی طرف متوجہ ہو چکے تھے وہ چاروں درگاہ کے ملنگ تھے ان کی شلواریں گھٹنوں تک نیفے میں کھینچی ہوئی تھیں سب کے جسم پر پیوند لگے ہوئے تھے ہم سب احتراماً کھڑے ہو گئے میری گذشتہ کی آپ بیتی سن کر لوگوں کے چہرے زرد پڑ گئے تھے اتنے بڑے کمرے میں بالکل موت کی سی خاموشی طاری تھی حاجی خان سچ کہہ رہا ہے ایک ملنگ اللہ ہو کا نعرہ لگاتے ہوئے بولا ہم چاروں ہی حاجی خان کی پکار سن کر درگاہ سے پہنچے تھے سبحان اللہ میرے مولا کریم کی شان ہے کہ حاجی خان بے ہوش تھا اور اس طرح مڑا تڑا ہوا تھا جیسے غیبی ہاتھوں نے اسے تھام رکھا ہوا ہے گندے پانی گرنے نہیں دیا تھا جب ہم نے حاجی خان کو چھوا ہے تو پورا ماحول مشک وغیرہ کی خوشبو سے مہک رہا تھا اس وقت ہم اپنی مرضی سے یہاں نہیں پہنچے تھے ہمیں بشارت کی گئی ہے کہ یہاں پہنچیں اور اہل ایمان لوگ۔ کو اس بدروح سے نجات دلائیں مائی ایک ملنگ میری ماں سے مخاطب ہوا تم نے غور سے اس عورت کا چہرہ دیکھا تھا۔
ہاں ملنگ سائیں میں نے غور سے دیکھا تھا
ایک بار پھر اس کا حلیہ دوہراؤ اماں نے پھر اس کا حلیہ دہرایا۔ صرف ایک اضافی بات کہی کہ اس کے نچلے ہونٹ سے تازہ تازہ خون کی دھار بہہ رہی ہوئی تھی وہ کس طرف کو گئی تھی

میرے خیال سے حسان کی طرف گئی تھی کیا آپ لوگ ایک خوفناک ماحول میں کودنے کو تیار ہیں ملنگ ہم سب سے مخاطب ہوا۔

ہم آپ کے دریا میں بھی کودنے کو تیار ہیں ملنگ سائیں۔

تو پھر لاٹھیاں کلہاڑیاں یا کیاں اور خود مہ اٹھالو یاد رکھو زمین کی پاتال میں گھنے والی بارش نے ایک چڑیل کو ابھارا ہے چھ ڈھانچے اس کی رکھوالی کرنے لگے ہیں چند کھوپڑیاں بھی آپ لوگ مسائی میدان میں جمع بارش کے پانی میں تیرتے ہوئے دیکھیں گے یاد رکھنا اگر آج کی رات سفید دیے والی کو اس کے حواریوں سمیت مٹایا نہیں جاسکا تو ہر گھر سے ایک بے گناہ جوان خدیجہ کا ہر روز جنازہ اٹھے گا نصف گھنٹے میں تیار ہو جاؤ۔ اور میرے گھر پہنچ جاؤ۔ میں نے بھی ایک لمبی لٹھ اٹھالی تھی مجھے تو پہلے ہی ندامت وغصہ نے شعلہ جوالہ بنا رکھا تھا چار ملنگوں کے علاوہ ہم بارہ افراد تھے جو مقابلے کے لیے نکلے تھے

سب لوگ ہی کچھ نہ کچھ آیات قرآنی پڑھتے رہیں اگر آیات یاد نہ ہوں تو صرف لاحول یا کلمہ ہی پڑھتے رہیں چاروں میں سے ملنگ تاکیدا بولا

سب سے آگے چاروں ملنگ تھے ان کے پیچھے چار اور بھی جوان تھے ان میں میں کچھ ماچھی اور دو پڑوسی تھے بہت جلد ہم اس چھوٹے سے میدانی حصہ میں پہنچ گئے جہاں آج کل ایک سکول بنا ہوا ہے تیز اور ٹھنڈی ہوا میں چل رہی تھیں بگولوں کے غول کے غول سیاہ لکیروں کی مانند محسوس ہو رہے تھے چاروں طرف سے روتے کتوں کی منحوس آوازیں ماحول کو لرزائے دے رہی تھیں ہم دائرے میں تین ٹولیوں میں بٹے ہوئے تھے ہماری ہر ٹولی کے ساتھ ایک ایک ملنگ تھا جبکہ ایک ملنگ اپنا عصا لہراتا ہوا شڑاپ شڑاپ سے گھٹنے جتنے پانی میں کسی سمت بڑھتا جارہا تھا وہ کلام الٰہی پڑھتے ہوئے اپنے عصا سے انتہائی سفید دھاریاں سی نکلتی جارہی تھیں اب ہمارے ساتھ موجود ہر ملنگ بھی وہی کچھ زور زور سے پڑھ رہا تھا جو پانی کی جھیل کے درمیان پہنچ کر پہلا ملنگ پڑھ رہا تھا جو پانی کی جھیل میں ہم میں سے کوئی لاحول پڑھ رہا تھا کوئی کلمہ پڑھ رہا تھا۔

آجاؤ ایک دائرے کی صورت میں میدانی پانی میں داخل ہو جاؤ پہلے سے پانی کے وسط میں کھڑا ہوا ملنگ ہم سے مخاطب ہوا اور پھر پڑھائی میں مصروف ہو گیا اور اپنا عصا مسلسل لہراتا رہا ادھر ہم نعرہ تکبیر اللہ ہو اکبر کا نعرہ بلند کرتے ہوئے میدانی پانی میں داخل ہو گئے پورے سطح آب پر گڑ گڑ کی آواز سے بلبلے اٹھنے لگے جیسے پکتے کوتار میں بلبلے اٹھتے ہوں میں نے ایسا اچانک تبدیلی کے باعث خوف نے ہم میں سے ہر ایک کو گھیر لیا میں نہیں کہہ سکتا کہ ملنگوں کی حالت کیا ہوگی میں صرف اتنا ہی جانتا ہوں کہ میرا جسم برکے تار کی طرح کانپ رہا تھا میرے اوپر تلے کے دانت بج رہے تھے میرا چہرہ میری پیشانی ٹھنڈے اور موٹے پسینے کے قطروں سے بھر چکی تھی بلبلے اٹھتے چناخ چناخ سے ہماری ٹانگوں سے ٹکراتے ہوئے چھوٹتے رہے اور ہم پہلے والے ملنگ کی طرف جس کا نام نور محمد تھا بڑھتے رہے اچانک اندھیرا

چھا گا پانی خون رنگ ہو گیا ایسا ہوتے ہی ہمارے ذکر میں تیزی آ گئی خون رنگ ہونے کے ساتھ ہی خون رنگ بھاپ سطح آب سے بلند ہونے لگی ہوتی رہی ہوتی رہی اور پھر ایک محدود بلندی پر پہنچ کر ٹھہر گئی ہم میں سے ہر ایک کا چہرہ خون رنگ ہو چکا تھا ہماری آواز میں ہمارے ذکر میں اس قدر جذباتی بھاری پن پیدا ہو چکا تھا کہ طوفان کا شور اور روتے کتوں کی منحوس آوازیں اس میں دب کر رہ گئیں معا میدانی تالاب نما پانی میں بڑی خوفناک حد تک تلاطم سا اٹھ کھڑا ہوا میں نے میرے ساتھیوں نے گھبراہٹ کا مظاہرہ کیے بغیر سطح آب کی طرف دیکھا معا وہاں سے ایکا نسانی پنجر سطح آب پر ابھر آیا وہ چھ تھے قسما کہہ سکتا ہوں کہ یہ وہی چھ ڈھانچے تھے جنہوں نے گذشتہ شب خدیجہ کو گھیر رکھا تھا وہ ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے دائرے بناتے ہوئے گھوم رہے تھے ڈھانچوں کے کھوکھلے لبوں سے ایسی ہولناک آوازیں ابھرنے لگیں جیسے بادل گرجتے ہیں آسمان ٹوٹ رہا ہو یا پہاڑ ڈائنامائیٹ ہو رہے ہوں نور محمد ملنگ اور بقیہ تینوں ملنگوں نے میدانی پانی میں اچھلتے ہوئے ذکر تلاوت کرتے ہوئے ڈھانچوں کے قریب پہنچ چکے تھے خون رنگ ماحول میں ان کے چہرے گرم تانبے کی طرح سلگ رہے تھے آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں میں بے خود ہو گیا۔ میں نے اپنی لاٹھی بلند کی ایک ڈھانچے کی کھوپڑی پر رسید کرنا چاہتا تھا کہ ۔رک جاؤ حاجی خان ملنگ نور محمد میرا ارادہ بھانپتے ہوئے بولا ابھی وقت نہیں آیا نیچے دیکھو اور ان سے بچو میں نے اور میرے ساتھیوں نے جونہی خونی رنگ سطح کی طرف دیکھا ہمیں چند کھوپڑیاں بانہوں اور ٹانگوں کی چند ہڈیاں تیرتی ہوئی نظر آئیں ہم میں سے ہر ایک اچھل اچھل کر ان سے بچ رہا تھا ابھی ہم اس مشکل سے نکلنے ہی پائے تھے کہ اچانک ہی چھ ہاتھ جوڑے ڈھانچوں کے درمیان کا پانی ایک پھوار بن کر ابھرا ابھرتے ہی معدوم ہو گیا اور ایک سرو قد سرخ رنگ چہرے والی عورت کی صورت نمودار ہوئی اس کا بقیہ کوئی جسم نہیں تھا صرف چہرہ تھا اور سر کے سیاہ بال تھے ایسے ہی ہی ہی ایسے ہی ہی ہی۔ اف مولا کریم کتنی بھیانک اور گونجدار تھی اس کی ہنسی اس کی آنکھیں کافی بڑی تھیں مگر یوں لگتا تھا جیسے اس کی آنکھوں کے گڑھوں میں دو فارمی انڈے رکھ دیئے گئے ہوں بڑے بڑے اور سفید دیدے مارو ڈھانچوں کو چھوڑو ملنگ چلائے اور ہم بارہ کے بارہ جوان لاٹھیوں بانکیوں کلہاڑیوں اور ڈنڈوں سے ان پر ٹوٹ پڑے ہمارے لبوں سے صرف اللہ اکبر کی آوازیں نکلنے لگیں سفید دیدوں والی کی کھوکھلی کترایہ اور تیز ہنسی میں بریک لگ گیا ابھی وہ اپنے محافظ ڈھانچوں کے پرخچے اڑتے دیکھ ہی رہی تھی کہ دو ملنگوں نے راستہ صاف ہوتے ہی اسے گھیر لیا۔ بال تین طرف سے دیوچ لیے دائیں بائیں اور پیچھے سے ایسا ہوتے ہی ملنگ نور محمد نے سفید دیدے والی چڑیل کے سامنے پہنچ کر اپنا عصا بلند کیا اور اس کی نوک اس کی آنکھ میں گھسیڑ دی ملنگ نور محمد نے جیسے ہی اپنا عصا کھینچا خون کا فوارا سفید دیدے والی کی آنکھ سے نکلا اس قدر پریشر سے کہ ہم غیر ارادی

طور پر جھک گئے اس ملنگ نے اپنا عصا اس کے دوسرے سفید دیدے میں بھی گھسیڑ دیا اف خدایا یوں لگا۔ جیسے سینکڑوں چڑیلیں چلانے لگی ہیں جہنم کی گویا ساری بلائیں اکھٹی ہوئی ہیں وہ چیخ پکار مچی کہ کانوں کے پردے پھٹتے ہوئے محسوس ہونے لگے خون تھا کہ دو دھاری انداز میں پرنالے کی طرح بہے جا رہا تھا سفید دیدے والی کا منہ پھیل کر رہ گیا اس کے اوپر تلے کے چار لمبے اور نوکیلے دانتوں سے بھی خون کی دھاریں بہنے لگی تھیں وہ بہت تڑپی بہت تلملائی لیکن بقیہ تینوں ملنگوں نے اس کے بال نہ چھوڑے وہ چاروں ملنگ وجدانی کیفیت میں کلام الٰہی پڑھنے میں مصروف تھے اچانک چڑیل کے سیاہ وجود اور سرخ چہرے کو بالوں سمیت آگ کے الاؤ نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تینوں ملنگوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور اس کے بال چھوڑ دیئے بڑی زور کا چھپاکہ ہوا آگ کے الاؤ میں لپٹی ہوئی چڑیل پانی میں گر چکی تھی ور پانی میں گرنے کے باوجود آگ میں لپٹی ہوئی لوٹ پوٹ ہونے لگی تھی صرف یہی نہیں وہ ڈھانچے جن کے ہم نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے وہ بھی ان شعلوں میں لپٹ چکے تھے بلندیوں پر پرواز کرتے ہوئے چمگادڑ یا لورے نگلی گولی کی طرح اندھیروں میں گم ہو چکے تھے کتوں کے رونے کی آوازیں بڑی حد تک مدھم پڑ چکی تھیں پانیسے نکل جاؤ نور محمد ملنگ زوردار آواز میں چلایا۔ اور ہم کلمہ درود شریف پڑھتے ہوئے بغیر افراتفری کے شڑاپ شڑاپ چلتے ہوئی بستی کی جانب کنارے کی طرف بڑھتے چلے گئے جیسے ہی ہم ٹخنوں ٹخنوں پانی سے نکل کر کیچڑ نما کنارے پر پہنچے پورے میدان میں آگ سی لگ گئی پورا ماحول سرخ روشنی میں نہا گیا یوں لگا پورے تالاب میں پٹرول چھڑک کر آگ لگا دی گئی ہو دوستو ملنگ نور محمد ہماری طرف رخ کرتے ہوئے پکارا مسلسل بارشوں نے میدانی زمین کو اکھیڑ کر رکھ دیا تھا اس طرح ایک چڑیل آزاد ہو چکی تھی اس نے اپنی سفید دیدے والی آنکھوں سے ڈھانچوں کو بھی اپنے سحر میں جکڑ لیا تھا الحمدللہ مجھے بشارت ہوئی مجھے قرآنی آیات کی قوت بھی عطا کی گئی اور میں اپنے تین یاروں سمیت نکل کھڑا ہوا۔ اور ہمارے رب نے کرم کیا سائیں بابا کے طفیل آج کی رات اللہ اس چڑیل کو میرے ہاتھوں فنا نہ کر دیتا تو کل صبح نجانے کتنے اور گھروں میں ماتم بچھ چکا ہوتا ملنگ نور محمد نے بات پوری کی اور ورد کرتے ہوئے سائیں بابا کے دربار کی طرف چل دیا اور باقی ملنگوں نے بھی اس کی پیروی کی۔ ہم بھی اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔ میں نے گہرا سکون لیا۔

قارئین کرام کیسی لگی میری کہانی اپنی رائے سے مجھے ضرور نوازیئے گا۔ مجھے آپ کی رائے کا شدت سے انتظار رہے گا۔

نہ جی بھر کے دیکھا نہ کچھ بات کی
بڑی آرزو تھی ملاقات کی
میں چپ تھا تو چلتی ہوائیں رک گئی
زباں سب سمجھتے ہیں جذبات کی
کئی سال سے کچھ خبر ہی نہیں
کہاں دن گزارا کہاں رات کی

زیبا ناز۔ کراچی

خوشبو

---تحریر: احسان سحر۔ میانوالی---

کاشان کاشان پھر ان لوگوں نے مجھے بھی مار دیا۔ میں زندہ نہیں ہوں ایک روح ہوں بھٹکتی ہوئی۔ روح جس نے تمہیں چاہا، اور بہت شدت سے چاہا اتنا چاہا کہ کسی نے کسی کو نہیں چاہا ہوگا۔ گنگ گیا۔ میں بری طرح چونکا۔ ہاں کاشان میں مردہ لڑکی ہوں میں زندہ ہوتی تو وہ کچھ کرتی جو کچھ تم چاہتے ہو میں بے بس ہوں ہاں میں بے بس ہوں میں زندہ نہیں ہوں۔ اب انکار کی صورت میں وہ میرے اکلوتے بھائی کو قتل کرنے کی دھمکی دیتا ہے میرا بھائی جو ابھی پوری طرح جوان بھی نہیں ہوا ہے جو مجھے دنیا کی ہر شے سے پیارا ہے۔ میں اسے قتل نہیں ہونے دوں گی کاشان میں اسے قتل نہیں ہونے دوں گی۔ میں سب کو مار ڈالوں گی ہاں میں سب کو مار ڈالوں گی۔ وہ رونے جا رہی تھی اور مجھ پر ایک سکتہ طاری تھی میرے سامنے ایک حسین لڑکی نہ تھی اس کی روح تھی ہاں اس کی روح تھی میں نے ایک روح سے پیار کیا تھا۔ میرا پیار صرف تمہیں کون دے سکتا ہے۔ مجھے حاصل نہیں کر سکتا ہے وہ بولتی جا رہی تھی اور میں سکتہ میں تھا۔ جب مجھ سے سکتہ ٹوٹا تو میں مرے میں بالکل تنہا تھا وہ وہاں نہ تھی وہ چلی گئی تھی بند دروازے سے نکل گئی تھی۔ میں پاگل ہو گیا۔ میرے ماتھے پر اس کے ہونٹوں کے نشان تھے وہ جاتے ہوئے میرے ماتھے پر بوسہ دے گئی تھی۔ میں اس کے بنا بالکل تنہا ہو کر رہ گیا تھا اور مجھے تنہائیوں سے خوف آنے لگا تھا میں خود کو مصروف رکھنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن اس کا چہرہ میری نظروں سامنے آ جاتا ہے وہ کبھی مسکراتی ہوئی دکھائی دیتی ہے اور کبھی روتی ہوئی۔ یقیناً اس نے اپنے بھائی کی موت کا بدلہ لے لیا ہوگا ان لوگوں کو مار دیا ہوگا جنہوں نے اس کی ماں کی، اس کی بھائی اور خود اس کی زندگی کو ختم کیا تھا۔ اب وہ مجھے کبھی بھی دکھائی نہیں دیتی ہے ہاں اس کی خوشبو مجھے اپنے کمرے میں اکثر محسوس ہوتی ہے۔ اور کوئی میرے کانوں میں سرگوشی کرتا ہے کہ تم مجھے بھول نہیں سکتے ہو تم اپنی خوشبو کو بھول نہیں سکتے ہو۔ ایک دلچسپ، سنسنی خیز کہانی

وسط پہاڑی علاقہ تھا۔ خنکی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی پوری دھرتی ایک شبنمی اندھیرے میں چپکے چپکے ڈوب رہی تھی ہوا کے جھونکے چناروں اور شگوفوں کو چھیڑتے فضا میں خوشبو میں اڑا رہے تھے بنفشی اندھیرا آہستہ آہستہ بڑھتا ہی جا رہا تھا دور نیچے بہتی ندی کا پانی نیلا ہو گیا تھا اور شفق کی تہ رنگوں کا چاند چنار کے اونچے درختوں سے جھانک رہا تھا اس کی سنہری دودھیا کرنیں ندی کے پانی میں گھل رہی تھی روشنی ہوتی ہوئی دلکش جھومتے چناروں میں بھی آگ پھولوں کی مدہوش کن خوشبو کاش میں جلتی ستاروں کی قندیلیں۔ یہ سب کچھ بہت اچھا بہت بھلا لگ رہا تھا پہاڑوں پر بنے ننھے منے کاٹیج جن میں روشنیاں جل رہی تھی دور سے بھلے لگ رہے تھے یوں کہ جیسے ڈھیروں جگنو ٹمٹما رہے ہوں فضا پھولوں سے مالا مال تھی خنکی شاخوں اور سبز پتوں والے لمبے اونچے درخت اپنی مثالی عظمت پر نازاں تھے ہلکی کی خنکی بے حد خوشگوار لگ رہی تھی میں دیر سے دریچے میں بیٹھا قدرت کے حسن سے لطف اندوز ہو رہا تھا مجھ

پر ایک سحر طاری تھا بہار کی شام میں، مجھے لوٹ لیا تھا۔ سرتی تھیں میں نے نیا سگریٹ سلگایا۔ اور دور سبز پہاڑی چوٹیوں کو تکنے لگا۔ پہاڑ پر اُگے چنار اور شفتالو کے درختوں میں پہلے سرخ پھول کھل آئے تھے ساری فضا میں پھولوں کی خوشبو اور چاند کی سنہری چاندنی بکھری ہوئی تھی ننھے ننھے جھرنوں کے سریلے نغمے، چیڑ اور کاؤ کے درختوں کی سرسراہٹیں، سریلی ندی کا گیت یہ سب کچھ بے حد سحر انگیز تھا میرا دل طمانیت کے احساس سے بھر گیا پہاڑی علاقوں میں یوں بھی شام جلد ہو جاتی ہے ابھی صرف چھ ہی بجے تھے مگر ہر شے سوگئی تھی شام کے ان خاموش دور مانوس لمحوں میں ایک خوبصورت سا خیال سنہرے بالوں میں چھپی روشنیاں گہری نیلی آنکھیں اور ان گہری نیلی کی نیلاہٹ انگور سے ٹپکے ہوئے خوشیوں کا رنگ لیے ہوئے اس کے رخسار اور گداز لبوں سے ٹپکتی روغونی شراب یہ سب کچھ میری رگ و پے میں سمایا ہوا تھا کسی کی چاہت میں ڈوب کر زندگی حسین تر ہو گئی تھی لیکن ہم اظہار سے گریزاں تھے وہ شوخ و چنچل سی لڑکی جو ہنستی تو جلترنگ سے بج اٹھتے مسکراتی تو شگوفے سے چٹک جاتے میں اس کے پیار میں دیوانہ ہو رہا تھا وہ پیار جو دلوں میں چھپا رہتا تھا اور زندگی کو جلا بخشتا ہے وہ پیار جو اس دھرتی پر ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا اور وہی پیار ہماری روحوں میں [illegible] کی طرح مچل رہا تھا۔ مگر اظہار کی جرات کسی میں نہ تھی ہمارا پیار بے زبان تھا یہ گونگا پیار دلوں کی گہرائیوں تک جا اترا تھا وہ بے حد نٹ کھٹ شوخ اور سرپھری لڑکی تھی اور اس کے ساتھ بے حد پرخلوص بھی اور شیریں انداز میں میں اس وقت بے حد رومینٹک موڈ میں تھا دریچے سے منظر میں نے تمام پردے سرکا دیے اور رات آف [illegible] موسیقی چلا [illegible] میں خوب [illegible] روح پرواز [illegible] میں نے سگریٹ سلگایا۔ اور [illegible]

قیم انداز کا درد بھرا گیت لگا دیا اور مدہم اندھیروں میں خاموش آنکھیں موندے لیٹا رہا تب ہی کوئی آہستہ سے گر مجھ پر جھک گیا۔

کاشان۔۔۔ اس کی سرگوشی نما آواز پر میں نے آنکھیں کھول دیں وہ اپنے جگمگاتے ہوئے گلابی چہرے کے ساتھ مجھ پر جھکی ہوئی تھی اس کی گہری نیلی آنکھوں میں انوکھی چمک تھی اور مجھے یوں لگا جیسے چاند آکاش کی بلندیوں سے اتر کر میرے کمرے میں آ گیا ہو میں لیٹا اسے نیم وا آنکھوں سے تکتا رہا موم بتی کی زرد مدہم سی روشنی میں وہ گلابی چہرے اور نیلی آنکھوں کے ساتھ دل میں اتر جانے کی حد تک اچھی لگ رہی تھی اس کی سیاہ کارنیشن اور ڈیپ ریڈ فلیپر پہن رکھا تھا اس کے سنہری بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے اور ان میں روشنیاں سی پھوٹ رہی تھیں ہمیشہ کی طرح اس کے احمریں لبوں پر مدہم بھری مسکراہٹ تھی طلسمی آنکھوں میں خوبصورت سی چمک تھی اس کے لباس اور اس کے بدن سے اٹھتی خوشبو میرے سارے وجود پر چھا گئی تنہائی سکوت اندھیرا اور خوبصورت ساتھی ان سب چیزوں کو محسوس کر کے میرے اندر کا مرد جاگ اٹھا وہ تشنگی بڑھنے لگی شمع کی جلتی لو بھڑک رہی تھی میں نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنی جانب کھینچا وہ چونک سی گئی۔

خوشبو میں [illegible]۔۔۔ میری سرگوشی نما آواز اس کی تیز آواز میں دب کر وحشت تیرے کی سارے خواب کا ناس مار دیا۔ اس نے بے حد بیزاری سے منہ بنایا اور ہاتھ چھڑا کر دریچے میں جا کھڑی ہوئی۔ میرے اندر کا مرد سو گیا۔ میرے حواس واپس آ گئے وہ پھولوں سے چہرے۔ دریچے پر جھکی مدہم [illegible] میں [illegible] رہی تھی۔

دیکھو تو موسم کس قدر خوبصورت ہے کاشان [illegible]

خوشبو میں بگڑ گیا۔ اور وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔
اس کے رخسار چنار کے پتوں کی طرح سرخ ہو گئے اور ان میں چھوٹے چھوٹے گڑھے پڑ گئے ان خوبصورت گڑھوں نے ہی مجھے لوٹا تھا میرا دل چاہا ان پر اپنے ہونٹ رکھ دوں اپنے ہونٹ رکھ کر ان گڑھوں کو پاٹ دوں تاکہ وہ کسی اور کو اچھے نہ لگیں وہ شرارت سے مجھے دیکھتے ہوئے ہنسے جا رہی تھی اور کمرے کی خاموش فضا میں جلترنگ سے بج رہے تھے پھر اس نے وہیں سے مجھے پکارا۔
کاشان۔ یہاں آؤ دیکھو کتنی حسین ہے یہ گل وچش وادی۔ کیسے آتشیں پھول سرگوشیاں کرتے ہوں اور جھرنوں کی موسیقی۔۔۔ کیا یہ سب کچھ تمہیں بھلا نہیں لگتا۔
لگتا ہے۔ مگر مجھے شاعری نہیں آتی۔ میرے طنز پر وہ بھرپور انداز میں ہنسی۔ پھر پھول توڑ کر میری طرف اچھال دیئے۔ اور جھکاتے ہوئے گلابی چہرے کے ساتھ پاس آ گئی۔
بڑے رومنٹک موڈ میں نظر آ رہے ہو وہ بے حد شرارت سے بغلی مجھ سے کہہ رہی تھی۔
دفع ہو جاؤ۔ یہاں سے میں نے غصے سے اسے پرے دھکیل دیا۔ سارے موڈ کا ناس مار دیا آخر خوشبو تم بیوقوف ہو جتنی خود کو ظاہر کرتی ہو۔
یہ کیا ضرورت ہے میں اتنی ہی بیوقوف ہوں کیا مجھے وہ مسکرائی۔
کسی دن اچھی طرح تمہاری خبر لوں گا۔
میں تیار بیٹھی ہوں۔ اس نے ڈھیٹ پن سے کہا۔ بڑے چھپے کاشان میں نے دل ہی دل میں کہا
کاشان چاہے کیوں نہیں چلو رہے ہو۔
تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ جب تک چھٹی پر کیا ہوا ہے آپ خود تو اپنی خاطر کر کے پہاں نکلتے ہیں چلو۔
آپ سے نہیں ہوتے کہ یہ حد ہوتی ہے کاہلی کی

خوشبو آخر تم سسرال جاؤ گی تو کیا کرو گی میں نے مسکرا کر اسے چھیڑا۔ وہ بھی کم نہ تھی
تمہاری طرح سی کنگھے سے شادی تھوڑی کروں گی میرا میاں ملی آنر ہو گا۔
شکل بھی دیکھ لو ذرا آئینے میں میں چڑ کر بولا۔
بہت بار دیکھی ہے۔
پھر کیسی لگی۔
بہت پیاری۔ اور پھر وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔
میں بھی ہنس دیا۔ اس کے بعد سے قدموں کی چاپ برآمدے میں ابھری خوشبو میری طرف مڑی۔
لو آ رہی ہے پوری پلٹن۔ اب لڑاؤ رومانس بڑے رومنٹک موڈ میں تھے ناں اس نے لائٹ جلاتے ہوئے ہنس کر کہا۔
اسی لمحے جو سکندر فاروق۔ وارث۔ نرگس۔ اور ریتا اندر آ گئے سب نے ہمیں مشکوک نگاہوں سے دیکھا دبی دبی مسکراہٹیں سب کے چہرے پر تھیں اور میں خواہ مخواہ پزل ہو رہا تھا خوشبو اطمینان سے بیٹھی ریکارڈ چھانٹ رہی تھی۔
کیا ہو رہا ہے اندھیرے میں ریتا خوشبو کے سر ہو گئی۔
کچھ نہیں وہی جو اندھیرے میں ہوتا ہے وہ بلا کسی ہچکچاہٹ کے اطمینان سے بولی اور میں سر پیٹ کر رہ گیا۔ دل چاہا اس کا گلا دبا دوں۔
حد ہوتی ہے کسی بات کی۔
اچھا تو یہ بات ہے۔ ریتا نے شرارت سے کہا ہوا کرتی ہے یہ خوشبو کی بچی۔
ہاں آپ تو سات بجے کرنے آتے ہیں ناں اور یہ جج بھی کرتے ہیں اور آج بھی رکھ لیں مگر رہیں گے تو مردے مرد۔ خوشبو نے اٹھ کر ریتا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ مجھے غصہ آ گیا۔
بے خواہ مخواہ مجھے بدنام کر رہی ہو۔
اس نے رخ میری طرف کر کے دیکھا اور

بڑے اطمینان سے پوچھا۔

مجھ سے کچھ کہا تم نے۔

میں اسے مارنے اٹھا۔ لیکن ریتا نے مجھے بازو سے پکڑ لیا: دھیرج دھیرج۔

دھیرج کی بچی سمجھاتی نہیں ہو اپنی سگی کو۔

کیا پتہ وہ سچ کہہ رہی ہو۔ اور کمرہ قہقہوں سے گونج اٹھا۔ ایسا زوردار قہقہہ پڑا تھا کہ چھت اڑنے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا ایک ہنگامہ سا مچ گیا کمرے میں جوگندر موڈ میں آ کر ڈانس کرنے لگا اور میں غصے میں آ کر ایک طرف بیٹھا خون کے گھونٹ پیتا رہا تبھی تو وارث میری طرف آ گیا۔

ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں وہ مجھ سے آ کر کہنے لگا۔

بھائی میرے کیوں بلاوجہ تم لوگ الزام لگا رہے ہو، اس کا فروکی سے عشق ہے۔ وہ تو ہر ایک مانند ہے کاشان۔۔ خوشبو وہیں سے چلائی۔ جھوٹ بولو گے تو سب کو سب کچھ بتا دوں گی۔ خوشبو نے دور سے ہی آنکھیں دکھائیں۔ وہ مجھے ستانے پر تلی ہوئی تھی میں جل کر بولا۔

کیا بتاؤ گی جب کچھ کیا ہی نہیں

اس کا تو مجھے بھی پتہ ہے پھر خواہ مخواہ کیوں دھمکا رہی ہو۔

ارے یہ صفائی کی کیا ضرورت ہے کچھ کیا بھی ہے تو کیا ہوا کاشان تھوڑی ہے ریتا نے آنکھیں نچا کر خاص ادا سے کہا۔ اور کمرہ ایک بار پھر قہقہوں سے گونج اٹھا۔ خوشبو کا گلابی چہرہ اور بھی گلابی ہو گیا مجھے بے حد لطف آ رہا تھا۔ خوشبو مجھے ہی دیکھ رہی تھی اور میں مسکرا رہا تھا۔

ابھی سے تو تم لوگوں کا یہ حال ہے تو شادی کے بعد کیا ہوگا ہر وقت لڑتے جھگڑتے ہی رہو گے وارث بولا۔

شادی ارے توبہ کرو اس بلا کو میں اپنے گلے ڈالوں گا اتنا بیوقوف سمجھ رکھا ہے مجھے۔

او جیسے تم پرپوز کرتے تو میں مان جاتی کیوں فاروق۔ وہ فاروق سے مخاطب ہوئی۔

ہائے میرا کیا ذکر ڈرائی فروٹ کھاتے کھاتے وہ اچھل پڑا۔

کھاتے جاؤ بیٹا سب ہنس پڑے سوائے خوشبو کے وہ بیٹھی ایک انگلش رسالہ دیکھ رہی تھی پھر رسالہ پھینک کر ہماری طرف آ گئی۔

فاروق مجھ سے اچھی بیوی تمہیں نہ ملے گی میری بات غور سے سنو کرو میں تمہارے لیے انتہائی مناسب ہوں کیوں کاشان۔

بالکل میں نے بھی اسے چن لیا۔ اور اس نے پچھلے دنوں میں مجھے چھوڑا کہ میں جنس پڑا معزز خواتین و حضرات جوگندر کی آواز آئی ہم ہمہ تن گوش ہیں سب نے یک آواز ہو کر۔ وہ چھوٹے سے سٹول پر کھڑا فرد جرم سنا رہا تھا سٹول پر کھڑے ہونے کی وجہ سے وہ کچھ اور بھی لمبا اور بے ڈھنگا لگ رہا تھا۔

آپ سب میری بات غور سے سنیں۔

ہم غور سے سن رہے ہیں۔ ہم نے مرتال میں جواب دیا۔

خوشبو اور مسٹر کاشان نے اس خوبصورت موسم کی توہین کی ہے اور اب سزا کے طور پر تم سب کو ڈنر پر لے جانا ہوگا۔ سب نے تالیاں بجا بجا کر اس ریزولیشن کو پاس کیا۔

کہاں چلو گے تم لوگ خوشبو ان سب سے مخاطب تھی۔

شیراز میں سب ایک ساتھ چلائے۔

باپ رے باپ مر گیا۔۔

ٹھیک ہے جاؤ تم سب تیاری کرو۔ وہ یوں بولی جیسے کہیں کی مہارانی ہو

ایلا پرس بھاری معلوم ہوتا ہے۔ میں نے کہا بہت سا اتنا کہ اٹھایا نہیں جا رہا۔

ارے جاؤ اب تم لوگ حرکت کیوں ہو۔

سیدھی طرح کیوں نہیں کہتی کہ ہمیں تنہائی چاہیے۔ وارث نے اسے چھیڑا۔

ہو بہت سمجھدار ہو وہ اپنے گداز لبوں کو دبا کر بے حد ہنگامہ خیز طریقے سے ہنس پڑی۔

لفٹ رائٹ۔ لفٹ رائٹ۔ سب لائین بناتے ہوئے ایک دوسرے کے پیچھے کمرے سے باہر چلے گئے سب چلے گئے کمرے میں صرف ہم دونوں رہ گئے میں اسے دیکھ رہا تھا وہ مجھ سے بے نیاز ایک بے حد صحت مند کتاب گھٹنوں پر رکھے پڑھنے میں مصروف تھی اس کا اس طرح مجھے اگنور کرنا مجھے بہت برا لگا تنہائی کے یہ لمحات جو مشکل سے مل پائے تھے وہ ہمیشہ یونہی ضائع کر دیا کرتی تھی اسے کبھی میں نے سنجیدہ موڈ میں نہ دیکھا تھا۔ ہر دم ہنستی مسکراتی نظر آتی اور میں سوچا کرتا کہ اس کے پاس ہنسی کا کتنا بڑا اسٹاک ہے جو ختم ہونے میں نہیں آتا وہ بڑی محویت سے کتاب پڑھنے میں مصروف تھی ایک بار بھی نظر اٹھا کر میری طرف نہ دیکھی کتاب پڑھتے ہوئے بھی اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی مجھے اس پر بڑا غصہ آ رہا تھا۔

خوشبو میں حلق پھاڑ کر چیخا۔

ہوں اس نے بدستور کتاب پر جھکے جھکے آہستہ سے کہا۔

کتاب رکھ دو ورنہ میں پھینک دوں گا اٹھا کر۔

دونوں ہی بھاری ہیں میں بھی کتاب بھی تم سے نہ اٹھ سکیں گی۔

میری طاقت کو آزمانا چاہتی ہو۔ میں شرارت سے مسکرایا۔ اس نے نظر اٹھا کر میری طرف دیکھا میری آنکھوں میں انجانا سا پیغام تھا وہ ذرا سی جھینپی میری اتنی معنی خیز بات کا رخ ہی پلٹ دیا بھی آزمانے کی دراصل آج کل کسرت کرنا چھوڑ دی ہے وہ بے ساختہ مجھے دیکھ کر ہنس پڑی۔ میرے کانوں میں چاندی کی گھنٹیاں بجنے لگیں ہنستے ہوئے اس کے سچے موتیوں جیسے دانت نمایاں ہو جاتے اور وہ ہنستی ہوئی سب سے زیادہ پیاری لگتی یہ بات ہر دفعہ اس سے ملنے کے بعد دل ہی دل میں کہتا تھا۔ اور آج تک یہ نہ جان سکا کہ اس کا کون سا روپ سب سے پیارا ہے وہ تو ہر انداز میں ہی پیاری اور بڑی سندر لگتی تھی میں نے بڑھ کر اس کا بازو تھام لیا۔

آؤ میرے پاس بیٹھو۔

یہ کیا مذاق ہے اس نے اپنا بازو چھڑایا۔ اور سامنے پڑی کرسی پر بیٹھ گئی۔

میں کاٹ کھاؤں گی تمہیں۔ وہ چہک کر بولی۔ پرس سے سونف اور [illegible] الائچی نکال کر کھانے لگی اور ایک الائچی ہتھیلی پر رکھ کر میری طرف بڑھا دی۔ میں جل بھن کر خاک ہو گیا۔ وہ کھلکھلا کر ہنس دی میں نے غصے سے اس کا بازو پکڑ کر کھینچا۔

ارے واہ یہاں تو ڈوئیل ہو رہا ہے۔ جو سندر بڑھ تھامے کھڑا تھا۔ کیوں استاد اس نے مجھے آنکھ ماری اور میں جھینپ کر ہنس دیا۔ پوری بٹالین آ چکی تھی ہلکی سفید ساڑھی میں بے حد چارمنگ لگ رہی تھی۔ اس کے سانولے چہرے پر بڑی ملاحت تھی بڑی سندر لگ رہی ہو۔ میں نے اس کے سامنے سے گزرتے ہوئے کہا۔

کاش مہندر یہ بات کہتا اس نے ٹھنڈی سانس بھری اور میں ہنس دیا۔ پھر ہم سب وارث کی جیپ میں جھٹ سے اسٹیشن سے چل پڑے سارے راستے خوشبو کی چہکیں جاری رہیں قینچی کی طرح زبان چلتی رہی فضا میں قہقہے گونج رہے تھے اس کے ساتھ مل کر نرگس اور سیتا بھی شوخ ہو جایا کرتی تھیں ہوٹل پہنچ کر ہم سب نے کونے والی میز کا انتخاب کیا اندر کا ماحول بے حد رومینٹک تھا سرخ پردوں اور اینٹیک کینڈل کی روشنی اور مدھم سروں میں بجتی موسیقی یہ سب بے حد رومان پرور تھے مدھم قہقہے ہنسی سرگوشیاں دل کو گرما دینے والی مسکراہٹیں یہ سب اور بھی خواب ناک لگ

رہا تھا شیشے سے چھن کر آنے والی رنگ۔ آج شرٹ میں خوشبو بے حد پیاری اور بے حد سندر لگ رہی تھی اس کے چہرے کی چمک میں اضافہ ہو گیا تھا وہ لبوں کی مسکراہٹ بھری ہوئی تھی۔

نرگس اور جوگندر جانے کس بات پر الجھ رہے تھے ریتا مجھ سے اپنے منگیتر کی بات کر رہی تھی جو ان دنوں اس سے ناراض تھا صرف اس لیے کہ وہ اس کے ساتھ صرف ڈنر پہ کیوں نہیں گئی۔ اور اب وہ مجھ سے اس کو منانے کے طریقے پوچھ رہی تھی اس کا پریشان چہرہ دیکھ کر مجھے بڑی ہنسی آ رہی تھی یہ لڑکیاں بھی بڑی خوب ہوتی ہیں جسے چاہے ناراض کر دیتی ہیں اس سے لڑتی بھی ہیں اور پھر اس کی ناراضگی کے احساس سے خود کو پریشان کر لیا کرتی ہیں۔

کیا سوچ رہے ہو کاشان بتاؤ نا کیسے مناؤں... ریتا مجھ سے پوچھ رہی تھی۔

جبکہ مجھے اس بات کا تو کوئی تجربہ نہیں ہے خوشبو سے پوچھو وہ وارث سے الجھ الجھ کر باتیں کر رہی تھی۔

ذرا اب سے میرا نام لیا، مسٹر کاشان اگر آپ کو کوئی تکلیف نہ ہو تو وہ بھی جھمکتی آنکھیں اٹھانے مجھے شرارت سے تک رہی تھی۔

اپنا رتبہ بتاؤ اس کی مناسبت سے تمہارا احترام کروں گا۔

خیر چھوڑو پھر بھی بتا دوں گی اب۔ نے شانے اچکائے اور زور زور سے پلیٹ پر چمچ مارنے لگی بالکل میوزک کے انداز میں۔ میں نے مڑ کر دیکھا وہ تین چار لڑکے تھے ایک نازک سی لڑکی کے ساتھ جو اس طرف متوجہ تھے۔

لعنت ہے خوشبو نے برا سا منہ بنایا۔

کس پر میں نے گھورا۔ وہ ہنس دی

ان لڑکوں پر جنہیں ایسی سوکھی سڑی سی لڑکی کو اٹھانا پڑتا ہے۔

جی ہاں ایک زمانے بھر کی حسین تو آپ ہی ہیں نا بے شک بے شک اس نے خاص ادا سے گردن ہلائی۔ اور میں مسکرا دیا۔ اور ریتا سے باتیں کرنے لگا

با ادب باملاحظہ ہوشیار۔ خوشبو کی تیز آواز پر سب چونکے اس کی نظریں دروازے پر لگی ہوئی تھیں میں نے مڑ کر دیکھا ایک نو بیاہتا جوڑا داخل ہو رہا تھا خوشبو کی اس حرکت پر حال میں بیٹھے لوگ ہنس دیئے اور میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ وہ مزے سے بیٹھی نمک دان سے نمک نکال کر چاٹ رہی تھی

میں تو ساتھ لا کر پچھتا رہا ہوں۔

وہ کچھ نہ بولی۔ اور یونہی نمک چاٹتی رہی ریتا نے پھر مجھے باتوں میں لگا لیا۔ فاروق کھانے کے انتظار میں بیٹھا سوکھ رہا تھا ایسی بور شکل بنائے بیٹھا تھا کہ مجھے ہنسی آ گئی۔

بھائی منیجر صاحب آج کھانا نہ ملے گا۔ کیا مرغیاں اسٹرائیک پر چلی گئی ہیں اور خوشبو کی اس بات پر سارا ہال قہقہوں سے گونج اٹھا۔

دلچسپ لڑکی ہے کسی کی طرف سے آواز سنائی دی شکریہ۔ خوشبو نے فوراً شکریہ ادا کیا۔

خیر کھانا آیا تو وہ ذرا پرسکون ہوئی۔ اتنا ڈھیر سا رکابی نے دے دیا تھا کہ میز بھر گئی۔

اللہ جوڑی سلامت رکھے فاروق اور وارث نے بیک وقت دعا دی۔ خوشبو نے گھبری گئی نظروں سے دونوں کو گھورا اور برا سا منہ بنا کر پلیٹ پر جھک گئی نرگس اور جوگندر کی لڑائی چپکے چپکے جاری تھی ریتا ذرا ڈسٹرب تھی اپنے منگیتر کی ناراضگی سے کھانا بھی ٹھیک طرح سے نہیں کھا رہی تھی البتہ خوشبو کی پلیٹ خوب بھری ہوئی تھی اور وہ بڑی محویت سے کھانے میں مصروف تھی کسی کی بھی طرف دیکھ نہیں رہی تھی ہاں کبھی کبھی نظر بچا کر مجھے دیکھ لیا کرتی تھی اور جانے کیا سوچ کر مسکرا دیتی اور پھر پلیٹ پر جھک جاتی جب ڈش آئی تو اس نے بڑھ کر میری طرف سے بڑھا دیا۔

پورے اسی روپے اور پچانوے پیسے کا بل تھا۔

ارے واہ میں شٹ اپ کیا، کیا میں کیوں دوں

لڑکیوں سے بل دلواتے ہوئے شرم نہیں آئے۔

گی تمہیں کیوں فاروق میں ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں

بالکل بالکل۔

مگر مزا تو ہم دونوں کو ہی ملا تھا لہذا بل بھی ہم

دونوں کو مل کر دینا چاہیے۔

بالکل بالکل۔۔فاروق نے گردن ہلائی اور اس

کے دوغلے پن پر انیلا نے اسے اعلیٰ اور نفیس ترین

گالیوں سے نوازا۔

ان کم بختوں نے بل بھی باٹا والوں کی طرح بنا دیا

ہے خوشبو نے مجھے وسلوا تین سنائی اور میں ہنس دیا پھر

بے خبر دیکھ کر اس کا پرس چھین لیا اور جونہی میں نے پرس

کھولا ایک چڑیا پرس سے اڑ کر ہال میں چکرانے

اور فانوس پر جا بیٹھی۔

ہائے میری چڑیا میں اپنی چڑیا کو پکڑنے کو چلایا۔

پچاس روپے میں میں نے یہ چڑیوں کا جوڑا خریدا تھا

اور خوشبو نے نجانے کیسے میرے کمرے سے رکھے

پنجرے سے اسے چرا لیا تھا میری پریشانی پر سب

بیٹھے ہنس رہے تھے اور میں غصہ سے پیچ و تاب

کھا رہا تھا پھر غصے میں آ کر میں نے یہ کہتے ہوئے

اس کا پرس میز پر الٹ دیا۔

اب پورا بل تم ہی کو دینا پڑے گا۔ اس کے پرس

سے نکلی کیا چیزیں ذرا آپ بھی سن لیں مونگ پھلی

اور چلغوزے کے چھلکے ڈھیروں، بس کے ٹکٹ۔ سوکھے

ہوئے بہت سے پھول، چھپی ہوئی تصویریں اور ایک

پلاسٹک کا بندر سب مسلسل ہنس رہے تھے اور میرا

چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

واقعی بل بہت زیادہ ہے اتنے میں تمہارا ایک

فرسٹ کلاس جوتا آ جاتا خوشبو میرے سرخ چہرے کو

دیکھ کر بے حد شرارت سے ہنستے ہوئے بولی۔

اور وہ میری پچیس روپے کی مادہ۔۔۔میں نے

حسرت بھری نظروں سے اپنی پچیس روپے والی چڑیا کو

دیکھا دل چاہتا ہے تمہیں زمین میں گاڑ دوں۔

ضرور لیکن میں اکیلی نہیں میرے نر کو بھی میرے

ساتھ گاڑ دینا۔

تمہارا نر کون ہے خوشبو کیلاش نے پوچھا۔

ورنہ میرا اکیلے میں جی گھبرائے گا وہ کیلاش کے

جواب دینے کی بجائے برا سا منہ بنا کر بولی تو ہال

ایک دفعہ پھر قہقہوں سے گونج اٹھا پھر میری طرف دیکھ

کر ہنگامہ خیز طریقے سے ہنس پڑی ہنستے ہنستے اس کا

چہرہ سرخ ہو گیا اور میں نے اپنے اسی روپوں اور

پچانوے پیسے پر فاتحہ خوانی پڑھ ڈالی بڑا مہنگا پڑا یہ

ڈنر پچیس روپے کی مادہ الگ گئی میرے تن بدن میں

آگ لگ گئی سب سے پہلے جوگندر نے مجھے خدا حافظ کہا

تاشان۔۔۔خوشبو کی آواز پر میرے قدم تھم گئے

میں نے مڑ کر دیکھا گھر جا کر آرام سے سو جانا ویسے

مجھے یقین ہے آج رات جا کر تم اسی روپے پچانوے

پیسے کا غم مناؤ گے اور اپنی مادہ کی جدائی میں آنسو۔

خوشبو کی بقیہ آواز ریتا وارث جوگندر اور کیلاش کے

قہقہوں میں دب گئی میں انتہائی غصے کے عالم میں اس

کو مارنے بڑھا اس نے کیلاش کے پیچھے پناہ لی اور

جوگندر کو دھمکی دی کہ فوراً جیپ چلائے ورنہ اس کی بھی

خیر نہیں جوگندر نے جیپ اسٹارٹ کی اور تیزی سے

بھاگ نکلے گیا انیلا کا قہقہہ دیر تک فضا میں گونجتا رہا

میں مسکراتا ہوا اندر آ گیا۔ پنجرے میں میرا نر اداس

بیٹھا ہوا تھا میں نے دل ہی دل میں خوشبو کو کوس ڈالا

اس جیسی شریر لڑکی زندگی میں میری نظر سے نہیں گزری

تھی جتنی شریر تھی اتنی ہی پیاری بھی مجھے یاد ہے بس

زندگی میں دو بار ہی جھینپی تھی جب وہ ریتا کے گھر بیٹھی

گڑیا بنا رہی تھی یہ بتانا تو میں بھول ہی گیا وہ بے حد

خوبصورت گڑیا بنایا کرتی تھی اس کی لمبی لمبی سفید

انگلیوں میں آرٹ چھپا ہوا تھا ہاں تو وہ ریتا کے گھر

بیٹھی گڑیا بنا رہی تھی میں ٹہلتا ہوا ادھر آ پہنچا اس نے

رہی طور پر ہیلو کہا حالانکہ مجھے دیکھ کر اس کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا تھا مگر حسب عادت اپنے دلی جذبات چھپا کر اس نے عام سا تاثر دیا اور اپنے کام میں جھک گئی۔

دیکھو کاشان کتنی پیاری لگ رہی ہے۔

خوشبو اب تو دل چاہتا ہے تم جیسی چاچی لگ رہی تحقیق کرو میری بات سن کر اس کا گلابی چہرہ سرخ پڑ گیا اور اس نے اپنا سر گھٹنوں میں دے دیا اس دن وہ مجھے سچ مچ لڑکی لگی تھی اور میں نے سوچا کہ اس کے اندر بھی وہی عورت چھپی بیٹھی ہے جو مردوں کی چھیڑ خانیوں سے شرم کے مارے چھوئی موئی بن جاتی ہے مجھے وہ یوں شرمائی بے حد پیاری لگی اتنی کہ کبھی نہ لگی تھی میں نے جھک کر اس کی ناک چومی اور دوسری طرف مسکراتا ہوا چلا گیا۔

وہ ساون کی انتہائی ابر آلود شام تھی جب ہم سب کیلاش کے بنگلے میں لان میں بیٹھے گپیں لڑا رہے تھے لان میں پھولوں کی اتنی بہتات تھی سرخ پیلے اور نارنجی پھولوں نے فضا میں آگ سی لگا رکھی تھی دھندلائی ہوئی اس شام میں خوشبو نے گہرے نیلے رنگ کی ساڑھی پہن رکھی تھی اور سردی سے بچاؤ کے لیے شال اپنے گرد لپیٹ لی تھی۔ اور اس سیاہ شال میں لپٹا اس کا گلابی چہرہ انتہائی دل فریب لگ رہا تھا اس کی خوبصورت آنکھوں میں ستارے ٹمٹما رہے تھے اور گلابی عارض کی شوخیاں گہری ہوگئی تھیں اس شام مردوں اور عورتوں کے حقوق فرائض پر بحث چھڑی ہوئی تھی اور خوشبو بڑھ چڑھ کر بول رہی تھی اس کا کہنا تھا کہ عورت کسی بھی لحاظ سے مرد سے کم تر نہیں ہوتی ہم سب ایک طرف تھے اور خوشبو اکیلی ہی ہم سب کا مقابلہ کر رہی تھی حد یہ کہ ریتا اور نرگس بھی ہماری ہاں میں ہاں ملا رہی تھیں اور خوشبو انہیں صلواتیں سنا کر ہم سب کا مقابلہ کر رہی تھی یہ جو تم اتنی زور و شور سے عورتوں کی حمایت میں بول رہی ہو وہ ذرا ایک بھی مثال ایسی دو جس میں وہ مردوں سے برتر ہوں کیلاش اس کی باتوں سے عاجز آ کر بولا میں نے کیلاش کی بات دہرائی اس نے تیز نظروں سے مجھے گھورا اور بولی۔

کاشان صاحب آپ ایک چوہے کا بچہ بھی پیدا کر کے دکھا دیں خواہ اسے اپنی پسلی سے ہی کیوں پیدا کریں تب میں مردوں کی برتری تسلیم کروں گی چوہے کے برابر بچہ جی ہاں اس نے عجیب مضحکہ خیز انداز میں کہا سب ہنس دیئے اور میں بھڑک اٹھا لعنت ہے تجربے میں سچ مچ اسے مارنے اٹھا اور وہ سوئیل کی رفتار سے بھاگتی ہوئی جامن کے پیڑ پر چڑھ گئی۔

پچھلے جنم میں یہ ضرور بندریا رہی ہوگی کیلاش نے اسے تیز رفتاری سے درخت پر چڑھتے ہوئے دیکھ کر کہا۔ اور ہم سب بے ساختہ ہنس پڑے وہ ایک موٹی سی ڈال پر جا بیٹھی جامنیں توڑ توڑ کر کھا رہی تھی اور تاک تاک کر گٹھلیاں سب کو مار رہی تھی۔

کاشان میری مانو تو اب تم بھی باز آ جاؤ اس ارادے سے اس بندریا کا خیال چھوڑ دو ورنہ سچ کہتا ہوں ساری زندگی سر پکڑے روتے رہو گے تمہارے بس کی بات نہیں ہے یہ۔ وارث فاروق نے بیک وقت کورس کے انداز میں کہا اور میں نے مسکراتے ہوئے اپنی سیاہ آنکھیں اوپر اٹھا کر اپنی بندریا کو دیکھا وہ ٹھاٹ سے بیٹھی جامن کھانے میں مصروف تھی مجھے اس پر بے حد پیار آیا جامن کھا کر اس نے بچوں کی طرح اپنے ہاتھ کالے کر لیے تھے میں جیب میں دونوں ہاتھ ڈالے ٹہلتا ہوا جامن کے درخت کے نیچے کھڑا ہو گیا۔

کھڑے کیوں ہو اس نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

تمہیں ترا رہے ہیں۔

گرو گی تو نہیں۔

میں ہنس دیا۔ جیسے میری مار کا ڈر ہی تو ہے تمہیں

یہ بھی سچ ہے وہ ہنستی ہوئی نیچے اترنے لگی۔ ریتا کو شرارت سوجھی دوڑ کر اس کی ٹانگیں پکڑ لیں پر خوشبو نے وہ دولتیاں چلائیں کہ گدھے بھی شرما جائیں۔ اسے اس طرح دولتیاں چلاتے ہوئے دیکھ کر جوگندر نرگس فاروق اور وارث ہنسنے لگے۔

تمہاری خوشبو تو بڑی خوبیوں کی مالک ہے کاشان۔ وارث وہیں سے چلایا۔

کیوں اس کو بلا کو میرے سر تھوپتے ہو میں مسخرے پن سے بولا اور خوشبو اپنے دھبے لگے منہ سے میری طرف دیکھ کر اس طرح گھورا کہ اس کی صورت دیکھ کر میری ہنسی نکل گئی خدا کی قسم بہت بور کرتے ہو کبھی کبھی وہ کپڑے جھاڑتی ہوئی سب کی طرف چلی گئی ریتا کو ایک دولاتیں پڑی تھیں وہ برا سامنہ بناتے ہوئے اپنی چوٹ سہلا رہی تھی بھگوان قسم اگر کاشان کا لحاظ نہ ہوتا تو وہ ہاتھ رسید کرتی کہ ساری زندگی گال سہلاتی رہتی۔ ریتا نے غصے سے خوشبو کی طرف دیکھا خوشبو نے اپنے دہکتے ہوئے رخساروں کے ساتھ اپنی ہنسی روکنے کی کوشش کی پھر شام بہت گہری ہوگئی اور سیاہ بادلوں نے پوری دھرتی کو سیاہ اندھیرے میں ڈھانپ لیا۔ تو ہم سب کوٹھی کے اندر چلے گئے خوشبو چلتے چلتے پھول توڑتی جا رہی تھی۔

اب رات کو کیا کرو گی ان پھولوں کا۔ میں نے ٹوکا۔

تمہارے مزار پر ڈالوں گی۔ میں اس کے سر پر ایک چپت لگا کر ہنس پڑا آتشدان کے قریب بیٹھے ہم سب بے تکی شرارتیں کئے جا رہے تھے ریتا چائے بنانے میں مصروف تھی نرگس اس کا ہاتھ بٹا رہی تھی اور خوشبو ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے آتشدان کے اندر موجود کوئلوں کو دلچسپی سے دیکھ رہی تھی اس نے ہاتھ منہ دھویا تھا اس وقت اس کا چہرہ کھلا کھلا صاف اور بہت معصوم لگ رہا تھا اس کے گھنے بالوں میں اوداسی کا اندھیرا بس رہا تھا اور اس کے رخسار آتشدان کی روشنی میں جیسے یاقوت بن رہے تھے شعلوں کا عکس اس کی گہری نیلی آنکھوں میں ناچ رہا تھا وہ گلابی چہرے کے ساتھ اس وقت انتہائی دلفریب لگ رہی تھی میں نے بے اختیار دھڑکنوں اور بے چین نگاہوں سے اسے دیکھا اور دھیرے دھیرے اس کے پاس سرک آیا۔

خوشبو میں نے سرگوشی میں اسے پکارا اس نے گہری نیلی آنکھیں اٹھا کر مجھے دیکھا اور پیار بھرے انداز میں مسکرا دی اور اس کی مسکراہٹ کو میں نے اپنے دل کے پنہاں خانوں میں قید کر لیا میرے چہرے سے میری اندرونی کیفیت پڑھ کر وہ مسکرا دی میں سرخ چہرے کے ساتھ مسکرا دیا۔ وہ کلائی میں پہنی چوڑیوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے شرارت سے بولی۔

بڑا عاشقانہ مزاج پایا ہے خدا تم پر رحم کرے۔ اس نے ٹھنڈی آہ بھری کچھ اس انداز میں کہ میں اس کے ہاتھوں کو دبا کر ہنس دیا۔

یہ سب کیا ہو رہا ہے ریتا نے چائے بناتے ہوئے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ چلو اپنی جگہ پر واپس۔ اس نے مجھے ڈانٹا۔

اوئے۔ خوشبو چلائی۔ میرے منہ کو نہ کچھ کہنا۔ خوشبو کی اس پر اک زوردار قہقہہ گونجا کہ ساری فضا گونج اٹھی اور میں جھینپ سا گیا وہ بے حد شرارت سے اپنی جگمگاتی ہوئی آنکھیں اٹھائے مجھے تک رہی تھی مسکراہٹ اس کی گہری نیلی آنکھوں سے پھوٹ پڑی تھی ریتا اور نرگس نے سب کو سلیقے سے چائے پلائی اور خوشبو اپنا کپ لے کر مینٹل پیس کے پاس جا کر کھڑی ہوئی۔ دریچے سے آتی بدمست ہواؤں اور بارش کی مہک رچی تھی خوشبو بھری ہوا دھیرے دھیرے رقص کر رہی تھی میری نظریں خوشبو پر تھیں چائے پیتے پیتے اچانک جوگندر نے فاروق سے پوچھا یار فاروق وہ تمہاری فردوس کہاں گئی۔

کیا بتاؤں۔ یار ہاتھ سے پھسل گئی مچھلی کی طرح۔

خیال ٹھیک ہے پیو بھی اور پلاؤ بھی۔ خوشبو باتیں ہی کرتے ہوئے قالین پر بیٹھی رہی۔

اب تمہاری باری ہے۔

اپنے سے یہ سب نہیں ہونے کا اس نے کہا اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی میں تو چلی۔

ارے واہ ابھی تو تھوڑی دیر بجے ہیں میں چلایا۔

شریفوں کے گھر جانے کا یہی وقت ہوتا ہے تمہیں مار تو نہیں کھانی۔

لگتا ہے ابھی جی نہیں بھرا۔ ریتا کی زوردار ہنسی گونجی اور خوشبو بھی ہنس دی۔ کیا باتیں ہیں ظالم سے خوشبو پڑی اور یونہی ہنستے ہو چہرہ نے گرد ارنگ روم سے باہر چلی گئی۔ میں بھی چپکے سے سرک آیا وہ تیز تیز قدموں سے گیٹ کی طرف جا رہی تھی۔

خوشبو میری آواز سن کر اس نے پٹ کر دیکھا۔

اکیلی جاؤ گی۔

تو کیا ڈرائیور کو ساتھ لے کر جاؤں گی۔

یہی سمجھ لو میں مسکرایا۔

اب کے آؤں گی تو سورج بھی ساتھ ہی آؤں گی بات مذاق میں نہ ٹالو تمہیں چھوڑ آتا ہوں۔

یہ خواہ مخواہ میرے پیچھے لگ رہے ہو جاؤ ریتا کا موڈ ٹھیک کرو۔

وہ سنبھالا دے دیا اس کا منگیتر۔

پھر نرگس کے پاس چلے جاؤ۔

وہ فاروق کی ہے۔

تو کیا میرے گلے پڑنے کا ارادہ ہے۔ اس نے مسکراتے ہوئے اپنی نیلی آنکھوں سے مجھے دیکھا۔ اور میں اس کی گہری نیلی آنکھوں میں ڈوب سا گیا۔ میرے دل میں طمانیت کا عجب پورا احساس جاگ اٹھا تھا۔

بھئی یہ عشق کے چکر بڑے فضول ہوتے ہیں میں ان سے الرجک ہوں کیا سمجھے۔ زندگی کو ہنس کھیل کر گزارو بلاوجہ کا روگ نہ پالو۔

خوشبو تم مجھتی کیوں نہیں ہو

کیا سمجھانا چاہتے ہو

میرے فلیٹ پر چلو میں سمجھاتا ہوں۔ اس نے گھڑی دیکھی پھر مجھے دیکھا شرارت اس کی آنکھوں میں مچلی تھوڑا سا قریب آ کر میری آنکھوں میں جھانکا

تمہارا موڈ کچھ زیادہ ہی رومینٹک لگ رہا ہے اور مجھے تمہارے موڈ سے ڈر۔۔۔۔ بات ادھوری چھوڑ کر وہ ہنسی خاموش فضا میں جلترنگ سے بج اٹھے اور میں اس کا ہاتھ تھام کر اسے فلیٹ میں لے آیا۔ میرا دل خوشیوں کے سمندر میں ڈوب رہا تھا اور میری آنکھوں میں فانوس سے جل اٹھے تھے میں نے آتشدان روشن کیا اور اس کے ساتھ ہی قالین پر بیٹھا رہا۔ میرا دل مکمل سکون کی کیفیت میں بے حد آسودگی سے بھر گیا رہا تھا وہ آج اس خوبصورت موسم میں میرے ساتھ تھی۔ جسے میں جنون کی حد تک چاہتا تھا۔ اور اس کی موجودگی کے احساس نے مجھے یوں لگا جیسے میری زندگی مکمل ہو گئی ہے سارے زمانے کی حسرتیں مجھے اپنے چھوٹے سے فلیٹ میں سمٹی ہوئی نظر آئیں میں سگریٹ پیتے ہوئے نیم آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا وہ میرے قریب بیٹھی ریکارڈ چھانٹ رہی تھی اس کے رخسار آتشدان کی روشنی میں دہک رہے تھے اور وہ مجھ سے بے نیاز ریکارڈ پلیئر پر جھکی ہوئی تھی سیاہ بالوں کا آنچل ڈھلک کر شانوں پر آ رہا تھا اور مدھم روشنی میں پلکیں جھپکائے میرے تصور سے بڑھ کر حسین لگ رہی تھی میرے جسم میں بجلی سی دوڑنے لگی ساون کا اندھیرا سمٹ کر اندر آ گیا تھا اور روشنیاں مدھم پڑتی جا رہی تھیں دریچے سے آنے والی بدمست ہواؤں میں بارش کی مہک رچی ہوئی تھی اور دریچوں کے شیشے دھندلا گئے تھے خوشبو نے بہت پیارا سا ریکارڈ لگایا تھا لتا کی خوبصورت آواز نے مجھ پر سحر طاری کر دیا تھا وہ بہت ہی خوبصورت گیت تھا گیت جو گیت بھی میں اور دونوں کے زور بھی وہ ریکارڈ

لگا کر سیدھی ہوئی تو اسے احساس ہوا کہ بارش ہونے والی ہے اس کے خوبصورت چہرے پر لمحہ بھر کو پریشانی جھلک آئی۔

میں گھر کیسے جاؤں گی کاشان۔

نہ جاؤ ضرورت ہی کیا ہے۔ میں نے شرارت سے کہا۔

کہتے تو ٹھیک ہو بارش بھی تیز ہو رہی ہے اور جانا بھی مشکل لگ رہا ہے۔

کیا تم سچ مچ یہاں رہ جاؤ گی۔ میں نے خوشی سے سرشار آواز میں پوچھا۔ اور وہ مجھے گہری نظروں سے دیکھ کر ہنس دی۔

اتنے بدھو تو نظر نہیں آتے جتنا خود کو ظاہر کرتے ہو پھر باتیں کیوں ایسے کرتے ہو۔ وہ ہونٹ دبا کر مسکرائی۔ اور میں الجھ کر رہ گیا۔ مجھے اپنی بے وقوفی پر خود پر غصہ آ گیا وہ بھلا یہاں کیونکر رہ سکتی ہے کتنی ڈھیر ساری کہانیاں بن جائیں گی سارے زمانے میں وہ بات پھیل جائے گی جس کے اظہار سے ہم خود کو اب تک بچ رہے تھے مجھے کچھ سوچتا دیکھ کر وہ میرے پاس آئی۔ کاشان میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ مسکرا کر دوسری طرف چلی گئی ہر طرف طلسمی خاموشی چھائی ہوئی تھی برسات کا بھیگا بھیگا سا موسم بے حد رومنٹک لگ رہا تھا۔ نامعلوم احساس سے مغلوب ہو کر میں یونہی ساکت بیٹھا رہا۔ وہ فولڈنگ چیئر پر بیٹھی ٹانگیں ہلا رہی تھی میں نے اس کے تبسم چہرے کو دیکھا دلکشی سی مسکرا پڑی۔

کاشان وہ اپنی کول شال لپیٹے خوشبو بکھیرتے ہوئے میرے پاس آ کر بیٹھی اور میرے قریب بیٹھتے ہوئے بولی ہر وقت تمہارا موڈ خطرے کی گھنٹی بجاتا رہتا ہے اس نے میرے چہرے پر نظر ڈالی جو شدت جذبات سے دمک رہا تھا اور میں اس کے گالوں کو تھپتھپا کر دھیرے سے ہنس دیا۔

کیا عاشقانہ مزاج پایا ہے وہ اپنے سنہری بالوں کو سر کی ہلکی سی جنبش سے پیچھے جھٹک کر بولی۔ میں میٹھا پیار بھری نظروں سے اسے دیکھتا رہا مسکراتا رہا۔

کاشان میرا خیال ہے تم اپنی زمینیں اور جاگیر بیچ کر عشق کے پجاری بن کر جوگیوں کی طرح بن باس لے لو سچ تم بالکل فٹ ہو اس چیز کے لیے عشق نے تمہیں کہیں کا نہیں رکھا بالکل نکما کر ڈالا ہے وہ برا سا منہ بنا کر بولی اور میں بھرپور انداز میں ہنس دیا۔

اور کچھ کہنا ہے۔

اور کچھ نہیں بس یہی کہ اللہ ہی تمہیں سمجھے جو ایسے رومنٹک موڈ بنا کر مجھے ڈراتے رہتے ہو۔ وہ عاجز آ کر بولی۔

خوشبو۔ میں نے اس کا ہاتھ کھینچ کر اپنے قریب کر لیا۔ تم سچ مچ میرے موڈ سے ڈرتی ہو۔

وہ میری بات پر کھلکھلا کر ہنس پڑی اور دریچے میں میں جا کھڑی ہوئی میں قالین کو روندتا ہوا اس کے پاس گیا۔ اس نے ایک بار پھر پلٹ کر مجھے دیکھا اور پھر باہر پھیلے گھور اندھیرے کو تکنے لگی اور اس ایک لمحے میں میں نے دیکھا اس کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے نامعلوم سا کرب ہلکی سی کشمکش میں نے لمحہ بھر کو سوچا اور پھر اسے اپنا واہمہ سمجھ کر باہر گرتی بارش کو دیکھنے لگا۔ نیلا آکاش سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا اور بارش کا جلترنگ بج رہا تھا بادام اور سفیدے کے درختوں کے درمیان تیز و تند ہوائیں چھیڑ چھاڑ رہی تھیں پوری کائنات ایک شبنمی اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی ایک الوہی خوشبو میرے چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی اور میرا دل اس اعتراف کو سننے کے لیے بے چین تھا جو وہ اپنے من میں چھپائے ہوئے مجھ سے بے نیاز کھڑی تھی میں نے آہستہ سے اس کے بازو کو چھیڑا۔

یہ شب کس قدر سحر انگیز اور مقدس ہے خوشبو جس نے ہماری روحوں میں نئی تازگی نئی امنگ پیدا کر دی ہے۔ میری آواز میں خمار ٹوٹ رہا تھا۔

ہماری نہیں میری کہو۔ وہ دھیرے سے بولی۔

کیا مطلب۔ میں اس کا پلو جھٹک کر بولا۔

تمہاری روح کیا مضطرب نہیں یہاں آکر۔

اس نے میری بات کو کوئی جواب نہ دیا آہستہ سے اپنا سر میرے شانے پر ٹکا دیا۔ میں اس کے نرم ملائم ریشمی بالوں پر ہاتھ پھیرتا رہا۔ اس نرم خوبصورت اور سرور انگیز ماحول نے مجھے جذباتی کردیا میں نے جھک کر آہستہ سے بہت ہی آہستہ اس کی ٹھوڑی چوم لی۔ وہ بے حس و جان میرے شانے سے لگی کھڑی رہی ذرہ بھی جنبش نہ کی اور پھر نجانے کیوں ایک قسم کے خوف اور اندیشے نے مجھے لرزا کر رکھ دیا۔ وہ خوف بہاروں کے لٹ جانے اور خوشیوں کے چھن جانے کا تھا خوشبو میں نے آہستہ سے سرگوشی کی اور اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں کے پیالے میں لے لیا اس کے ہونٹوں پر مدہم سی مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں ابرتی ابرقی پہلی بار اس کی ہمیشہ کی ہنستی آنکھوں میں آنسو تیرتے دیکھ کر وہ پوری کی پوری مجھے اجنبی لگی مجھے پھر اندیشوں نے آگھیرا مجھے یہ ڈر یہ وہم تھا کہ کچھ ہونے والا ہے جس کی خود مجھے خبر نہ تھی بس ایک خوف سا مجھ پر طاری تھا میں نے خود سے پوچھا۔ اس کی ان روشن آنکھوں میں سے جس سے ہمیشہ شرارت جھلکتی تھی آج وہاں آنسو کیوں رہے ہیں میں جاننا چاہتا تھا اس کے وجود کو توڑ پھوڑ کر وہ راز پالوں جو وہ اپنے من میں چھپائے بیٹھی ہے اور میرا اضطراب رجھت اس سے ہنوں کی بھی اور اس کی آنکھوں کی چمک چھین کر آنسو بھر رہا ہے میں نے جھک کر آتشدان سے سگریٹ سلگائی اور سیدھا ہو رہا وہ پلکوں کی بھی لمبی نم آلود جھالر رخساروں پر جھکائے ساکت بیٹھی تھی خود کو بہت مطمئن بہت پرسکون ظاہر کرنے کی کوشش میں اور نبھی ہموار ہوتی جا رہی تھی میں نے اپنی گہری نظریں اس کے چہرے پر ٹکا دیں وہ کرب سے ہونٹ کاٹتے ہوئے کلائی پر پڑے سلیٹ کو گھما رہی تھی اس کے چہرے پر سوچ کا تاثر تھا یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی ناقابل برداشت یاد کی اذیت میں مبتلا ہو۔

خوشبو۔۔۔ اس نے قدرے چونک کر نظریں اٹھائیں اور مسکرا پڑی۔۔ تم کیا سوچ رہی تھی۔ میں پاس بیٹھا رہا۔

سوچ رہی تھی تمہیں تمہارا علاج کہاں کراؤں پاکستان میں یا پھر تمہیں باہر لے جاؤں عشق کے جراثیم تمہارا بھیجا کھا گئے ہیں اور ان میں آپ کو کچھ بھی نہیں رہا یہ کہہ کر وہ ہنس دی لیکن اس کی ہنسی کا کھوکھلا پن مجھ سے چھپا نہ رہ سکا میں ایک بار پھر الجھ گیا۔ خوشبو کا یہ روپ میرے لیے نہایت اذیت ناک تھا آخر وہ آج کیوں رونے پر تلی ہوئی تھی کیوں اس کی آنکھوں سے کرب جھانک رہا تھا وہ مدھ بھری مسکراہٹ کہ جگہ بے جان سی پھیکی مسکراہٹ اس کے لبوں پر کیوں ہے یہ وہ خوشبو تو نہیں جس کے قہقہوں میں کھنک جس کی باتوں میں شوخی آنکھوں میں سندری چمک اور گداز لبوں پر البیلی سی مسکراہٹ ہوا کرتی تھی۔ وہ خوشبو کہاں کھو گئی کہاں چلی گئی۔ میں پریشان ہو گیا تھا۔

خوشبو کیوں مجھے تنگ کر رہی ہو اس نے اپنی موتی ہیران کن آنکھوں سے مجھے دیکھا۔ چند لمحے پلکیں جھپک جھپک کر دیکھتی رہی پھر ہنس پڑی۔

میں تو ہمیشہ تمہیں تنگ کرتی رہی ہوں پھر آج کیوں پریشان ہو اٹھے ہو۔ اور میں اس کے جواب میں کچھ نہ کہہ سکا چپ چاپ بیٹھا سگریٹ پھونکتا رہا نہ سوچتے ہوئے بھی کچھ نہ سوچتا رہا۔ وہ اٹھی اور دریچہ کھول کر پانی کے چھینٹے اس کے چہرے کو چھو گئے اور میں سردی سے کپکپا اٹھا۔

خوشبو کیا بے وقوفی ہے۔

تم اپنی چونچ بند رکھو۔ اس نے بنا میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔۔ اور دریچے کے سامنے کھڑی بھیگتی رہی۔

اس سردی میں تو تم جم جاؤ گی۔ پاگل لڑکی۔ بند کرو دریچے۔ اس نے پلٹ کر گہری نظروں سے مجھے دیکھا لمحہ بھر کو دیکھتی رہی پھر دریچے بند کر دیے اور مستی ہوئی میرے پاس سرک آئی سردی سے اس کے ہونٹ نیلے پڑ گئے تھے اور گلابی چہرہ سرخ ہو رہا تھا گیلے گیلے بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے اور ڈھلے ہوئے چہرے پر نکھار تھا۔ مجھے یوں لگا جیسے رات نے اپنی زلفیں اس کے شانوں پر بکھیر دی ہوں اور روح افزا خوشبوؤں کے چشمے پھوٹ نکلے ہوں اس کے جسم سے نکلتی محسور کن خوشبو مجھے پاگل کیے دے رہی تھی میں نے اس کا سفید ہاتھ تھام لیا جو برف ہو رہا تھا میں نے شدت سے چاہا کہ یہ گھڑیاں امر ہو جائیں یا وقت کی رفتار تھم جائے کمرے میں سکوت تھا صرف سانسوں کی آوازیں تھیں رات کا آنچل بھیگتا جا رہا تھا اور چاروں اطراف انوکھا اسرار پھیلا ہوا تھا باہر بارش کا طوفان اند رہا تھا۔ ورایسا ہی طوفان میرے اندر تھا میری سانسیں بے ترتیب ہونے لگیں آنکھوں میں خمار اترنے لگا اور میں اس پر جھک گیا۔

خوشبو یہ خوبصورت رات میں تمہاری قربت میں گزارنا چاہتا ہوں اس نے دھیرے سے آنکھیں کھول کر مجھے مدھری مسکراہٹ کے ساتھ دیکھا۔

میں تمہاری اس خواہش کا احترام کروں گی یہ ساری مستی اس کے نوارے ہونٹوں میں سمٹ آئی تھی اور میں خوشی سے پاگل ہوا تھا۔ میں نے زور سے اسے اپنی بانہوں میں جکڑ لیا وہ کپکپاتی نظریں اٹھا کر اس نے مجھے حیرانی سے دیکھا چند لمحے مجھے دیکھتی رہی پھر پیار بھری مسکراہٹ کے ساتھ نظریں جھکا لیں اور میں اس کی مستی پاگل کر دینے والی آنکھوں میں ڈوب سا گیا۔ اس کے چہرے پر بڑی کیفیت آ گئی کیفیت تھی شدت جذبات سے اس کے ہونٹ ہولے ہولے کپکپا رہے تھے۔ باہر بارش کا جلترنگ بج رہا تھا پانی کے چھینٹے شیشوں سے ٹکراتے تو خوبصورت سا شور پیدا کر دیتے اور شور بڑا روح جان پرور ہوتا۔ کمرے میں ایک خوشبو سی پھیلی ہوئی تھی اور خوشبو کا قرب میرے دل میں نئی آتشیں جگا رہا تھا یوں لگ رہا تھا جیسے دلوں کا سنگم ہو گیا ہو اور ہماری روحیں ایک ہی تال پر ناچ رہی ہوں اس کی سانسوں سے میرے رخسار جل اٹھے اور میں نے خواب آلود لہجے میں سرگوشی کی۔

خوشبو میں تمہیں جنون کی حد تک چاہتا ہوں۔

اس کی آنکھوں میں خمار ٹوٹنے لگا اور جب یہ مخمور نگاہیں میری نگاہوں سے ٹکراتی تو میرے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگتیں۔ اور میرا چہرہ سرخ ہونے لگتا۔ اتنی حسین پہلے وہ آج بھی نہ لگی تھی اس کے حسن کا احساس میرے دل میں انجانے سے جذبے جگا گیا۔ خوشبو میری آواز خود شوق سے سرشار تھی۔

ہوں۔

خوشبو میرے لب کپکپائے۔

ہو۔ میں سن رہی ہوں۔ وہ آنکھیں موندے میرے کندھے پر اپنا سر رکھے ایک جذبے سے بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے پر بڑی سندرتا تھی۔

خوشبو۔ خوشبو میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ میں بولتا رہا خوشبو میں تمہیں اپنانا چاہتا ہوں ہمیشہ کے لیے وہ تڑپ کر ایک طرف ہوئی۔ اس کا چہرہ راکھ ہو گیا تھا جن جذبوں کے انکشاف سے وہ ڈری تھی آج وہی میں کر بیٹھا تھا۔ جیسے وہ [illegible] ناک حد تک پیلی پڑ گئی تھی خوشبو کی آنکھوں میں وحشتیں بھر رہی تھیں اور اس کی اس کیفیت کو دیکھ کر میرے ذہن میں آندھیوں کی [illegible] ہیں۔ اس کے چہرے پر تاریکی کے سائے گہرے ہوتے چلے گئے۔

خوشبو تم میری بات پر یوں زرد کیوں پڑ گئی ہو بولو خوشبو خدا کے لیے کچھ تو بولو۔ ورنہ کا شان مر

جائے گا۔ اس کا سارا وجود لرز اٹھا اور اس کی آنکھوں میں دھندلی دھند چھائی۔ اس کے لب کپکپائے۔

کاشان کسی جذبے کو اظہار کی راہ مت دو تمناؤں کے رشتے روحوں میں جہنم سلگا دیتے ہیں جن میں سارا وجود جل کر راکھ ہو جاتا ہے وہ رگ رگ کر دھیمی دھیمی مظلوم سی آواز میں کہتی رہی اور میں عجیب سی کشمکش میں مبتلا ٹکڑے ٹکڑے دل کے ساتھ اسے تکتا رہا۔ دکھ کی لہر کو چھپانے کے لیے اس نے پلکیں جھکالیں اور بڑی بے دردی سے ہونٹ کاٹ رہی تھی

خوشبو میں نے اس کرب آلود سنانے سے گھبرا کر کہا اس نے دھندلائی دھندلائی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ اور پھر ہنس دی۔ بڑے سلیقے سے اس نے خود کو سنبھال کر لیا تھا چہرے پر وہی ہمیشہ والی تازگی اور شگفتگی لے آئی تھی۔

خوشبو ایک بات تو بتاؤ۔

ہاں کہو۔

تم کسی اور سے منسوب تو نہیں ہو۔

نہیں۔۔۔ اس کا جواب سن کر میرے دل میں منتوں کی شمعیں جل اٹھیں برے اندیشے سارے وہم ختم ہو گئے اور میں نے اسے پھر اپنے قریب کر لیا۔

یہ آج تمہیں کیا ہو گیا ہے وہ خود کو چھڑاتی ہوئی جھنجھلا کر بولی۔

کیا اس خوبصورت رومان پرور رات اور میرے قرب نے تمہارے دل۔۔۔۔۔۔

میرا دل پتھر کا ہے۔ اس نے جلدی سے میری بات کاٹی اور ہنس دی۔

اس پتھر کو آج کی رات میں پگھلا دوں گا میں نے دلچسپی سے اس کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں شرم کا گلابی پن جھلک آیا اور وہ شرمائی شرمائی سے رنگ چہرہ کر آتشدان میں جلتے ہوئے کوئلوں کو دیکھنے لگی۔

خوشبو میں نے اپنے بھاری ہاتھ اس کے شانوں پر ٹکائے اس نے ذرا مڑ کر مجھے دیکھا اس کی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی اور چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ میری بے تاب نگاہیں چھاؤں بن کر اس پر جھک گئیں خوشبو تم وہ بات کہہ دو جو تم اپنی پلکوں پر چھپائے پھرتی ہو۔ اس نے ہنستے ہوئے میرا ہاتھ تھام لیا۔ اور بولی۔

عشق نے تمہیں شاعر بنا دیا ہے بہت خوب۔

خوشبو۔ میں نے تیز آواز میں اسے پکارا۔ اور میری نظروں کی گہرائی سے وہ گھبرا اٹھی۔ جلدی جلدی پلکیں جھپکنے لگی تم سنجیدگی سے میری بات سنو مذاق میں نہ ٹالو۔ میری بات کا جواب دو۔ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ بہت جلد۔

اس کی پتلیاں گھوم کر ساکت ہو گئیں اور اس کے چہرے پر لہو سے اڑنے لگے اس نے آنکھوں سے مجھے دیکھا اور سختی سے ہونٹ بھینچ لیے۔

نہیں نہیں ایسا نہ چاہو۔

خوشبو۔ میں تڑپ کر چیخا۔ کمرے کی بے کراں خاموشی میں یہ چیخ مدراجہ اعصاب شکن تھی اس کا تنول سا نازک بدن ڈولنے لگا میں نے اسے بڑے وحشیانہ طریقے سے جھنجھوڑ ڈالا غصے نے مجھے پاگل کر دیا تھا تم انکار کیوں کر رہی ہو کیوں کر رہی ہو۔ مجھے آج تک بے وقوف بناتی رہی۔ میرے جذبات سے کھیلتی رہی تم تم اتنی ہرجائی ہو اس کا مجھے گمان نہ تھا۔ تم اتنی بے وفا اتنی فریبی ہو میں ایسا نہ سمجھتا تھا تم نے میرے جذبوں کی توہین کی ہے اور تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ سارا غصب سارا قہر اور ساری گرمی میری آنکھوں میں سمٹ کر روئی اور میرے چہرے پر سرخی کے آثار دیکھ کر وہ بالکل سفید پڑ گئے۔ بولو بولو خوشبو بولو تم نے ایسا کیوں کیا تم آج تک میرے جذبات سے کھیلتی رہی کیوں کیوں۔

کاشان۔ اس کی ٹوٹی سی آواز میرے کانوں

میں نکرائی۔ میں نے تو کبھی زبان سے اپنی محبت کا اقرار نہیں کیا پھر تم کیوں اتنی امیدیں مجھ سے وابستہ کیے بیٹھے ہو مجھے بے وفائی کا الزام کیوں دے رہے ہو مجھے تو تم سے ذرا بھر بھی لگاؤ نہیں ہے وہ رو پڑی اور میں گھائل پنچھی کی طرح تڑپ کر رہ گیا۔

تم جھوٹ بولتی ہو تم جھوٹ بولتی ہو تم ہنس ہنس کر میرے جذبات سے کھیلتی رہی ہمیشہ کی اور سے عشق ہے تم نے مجھے بے وقوف بنایا اپنی ہنسی سے اپنی شوخیوں سے تم نے ایسا کیوں کیا کیوں کیا کیوں کیا۔ میں نے اسے بری طرح پیٹ ڈالا۔ غم و غصے کی وجہ سے میں پاگل ہو رہا تھا اس نے ذرا مذمت نہ کی۔ تھپڑوں سے اس کا چہرہ سرخ کر دیا اور جب ہوش میں آیا تو دیکھا کہ وہ آنکھوں میں ڈھیروں برسات لیے کھڑی تھی اور بڑے پیار سے مجھے تک رہی تھی وہ جھکی اور آہستہ سے میرے خشک بالوں کو سمیٹتی آتشدان کی طرف چلی گئی۔ اور جب وہ وہاں سے پلٹی تو میں نے دیکھا کہ اس کا چہرہ اور بھی سرخ ہو گیا تھا اور آنکھوں میں پہلے سے کہیں زیادہ آنسو چھپے ہوئے تھے میں بے دم سا ہو کر قالین پر بیٹھ گیا۔ وہ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے چلتی ہوئی میرے پاس آئی اور میرے سینے پر سر رکھ دیا۔

کاشان اس کے لب کپکپائے اس کی آواز میں سینکڑوں آنسوؤں کی نمی تھی۔ مجھے بے وفا نہ ہو اس کے لہجے میں اتنی بے بسی اتنی لاچارگی اور اتنا کرب تھا کہ میں رو دیا۔ میں نے تمہیں دل کی گہرائیوں سے چاہا ہے کاشان۔ اتنا پیار کیا ہے جتنا اس دھرتی پر کسی نے نہ کیا ہوگا مگر مگر۔ میں مجبور ہوں کاشان میں مجبور ہوں وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

خوشبو۔ میں کراہ اٹھا۔ وہ کون سی مجبوری ہے خوشبو میں نے درد سے چور چور آواز میں پوچھا۔

کاشان تمہیں معلوم نہیں میں اپنے سینے میں کتنے درد چھپائے جیتی مسکراتی ہوں اپنے دکھوں کو بھلانے کے لیے میں شوخ قہقہے لگاتی ہوں دکھوں سے فرار کی یہی راہ ہے۔ جو میں نے چنی ہے اور آج تم نے میرے زخموں کو عریاں کر دیا ہے تم نے میری ہنسی کو کوسا ہے مگر اس میں شامل کراہوں کا احساس نہ کر سکے میں وہ نہیں جو نظر آتی ہوں آج میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گی سب کچھ تاکہ تم پھر مجھے بے وفا ہونے کا طعنہ نہ دو اور میری روح شانت رہے وہ میرے سینے پر سر رکھے تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی میں آنسو بہاتے ہوئے اپنے لرزتے ہاتھ اس کے پریشان بالوں پر پھیرتا رہا اس کی گھٹی گھٹی سسکیاں میرے دل کی دنیا کو تہہ و بالا کیے ہوئے تھیں۔

خوشبو۔ میری آواز غم سے رندھ گئی۔

کاشان میری ماں کو قتل کر دیا گیا تھا۔ صرف اس لیے کہ اس نے میرا رشتہ میری سوتیلی ماں کے بھتیجے کو نہ دیا تھا پاپا نے ممی کو ساری عمر دکھ دیئے اور زوروں دکھوں سے ہار کر وہ بستر پر جا لگیں۔ ان کا قصور صرف یہ تھا کہ یہ شادی پاپا کی مرضی کے خلاف دادا نے میری ممی سے کر دی تھی میری ماں نے ساری عمر دکھ جھیلے ہیں اور پھر دادا ابا کے انتقال کے بعد میرے پاپا نے اپنی مرضی کی دوسری شادی کر لی اور بیوی کے ساتھ ساتھ بچوں کو بھی بھول گئے۔ پاپا نے مجھے سروس کرنے سے منع کر دیا تھا میں گڑیاں بنا کر اپنی ماں کی دواؤں کا خرچ اور اپنے بھائی کی پڑھائی کے اخراجات اور اپنی ضروریات پوری کرتی تھی میری ماں نے ساری زندگی دکھ اٹھائے مگر وہ اپنی اولاد کو کس طرح دکھی کر سکتی تھی ممی سب کچھ برداشت کر سکتی تھی انہوں نے پاپا کے مظالم بڑے سکون سے سہے تھے مگر اپنی اولاد کو کبھی دکھی دیکھنا ہر ماں کی طرح ان کے بس میں بھی نہیں تھا۔ انہوں نے رشتہ دینے سے صاف انکار کر دیا اور میری سوتیلی ماں کا آوارہ بھتیجا یہ سب کچھ برداشت نہ کر سکا اور اس انکار کا بھیانک نتیجہ نکلا اس آوارہ لڑکے نے میری ماں کے گلے میں اپنی طاقت

دار انگلیاں پیوست کر دیں میری بیمار ماں تھوڑی سی مزاحمت کے بعد بے دم ہو کر بے جان ہو گئیں۔ پاپا کی دوسری بیوی بڑی بڑی نامور لوگوں کی سفارش پر پاپا نے ہزاروں روپیہ خرچ کر کے اپنے بھتیجے کو پھانسی سے بچا لیا۔ اور اب کاشان وہ چیخ چیخ کر رو دی۔ اس کی چیخوں سے میرا کلیجہ پھٹ گیا۔

کاشان کاشان پھر ان لوگوں نے مجھے بھی مار دیا۔ میں زندہ نہیں ہوں ایک روح ہوں بھٹکتی ہوئی روح جس نے تمہیں چاہا اور بہت شدت سے چاہا اتنا چاہا کہ کسی نے کسی کو نہیں چاہا ہوگا۔

لگ گیا۔ میں بری طرح چونکا۔

ہاں کاشان میں مردہ لڑکی ہوں میں زندہ ہوتی تو وہ کچھ کر لیتی جو کچھ تم چاہتے ہو میں بے بس ہوں ہاں میں بے بس ہوں میں زندہ نہیں ہوں۔ اب انکار کی صورت میں وہ میرے اکلوتے بھائی کو قتل کرنے کی دھمکی دیتا ہے میرا بھائی جو ابھی پوری طرح جوان بھی نہیں ہوا ہے جو مجھے دنیا کی ہر شے سے پیارا ہے میں اسے قتل نہیں ہونے دوں گی کاشان میں اسے قتل نہیں ہونے دوں گی۔ میں سب کو مار ڈالوں گی ہاں میں سب کو مار ڈالوں گی۔ وہ روئے جا رہی تھی اور مجھ پر ایک سکتہ طاری تھا میرے سامنے ایک حسین لڑکی نہ تھی اس کی روح تھی ہاں اس کی روح تھی میں نے ایک روح سے پیار کیا تھا۔ میرا پیار صرف تمہیں سکون دے سکتا ہے مجھے حاصل نہیں کر سکتے۔

وہ بولتی جا رہی تھی اور میں سکتے میں تھا۔ جب مجھ سے سکتہ ٹوٹا تو میں کمرے میں بالکل تنہا تھا وہ وہاں نہ تھی وہ چلی گئی تھی بند دروازے سے نکل گئی تھی۔ میں پاگل ہو گیا۔ میرے ماتھے پر اس کے ہونٹوں کے نشان تھے وہ جاتے ہوئے میرے ماتھے پر بوسہ دے گئی تھی۔ میں اس کے بنا بالکل تنہا ہو کر رہ گیا تھا اور مجھے تنہائیوں سے خوف آنے لگا تھا میں خود کو مصروف رکھنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن اس کا چہرہ میری نظروں کے سامنے آ جاتا ہے وہ کبھی مسکراتی ہوئی دکھائی دیتی ہے اور کبھی روتی ہوئی۔ یقیناً اس نے اپنے بھائی کی موت کا بدلہ لے لیا ہوگا ان لوگوں کو مار دیا ہوگا جنہوں نے اس کی ماں کی اس کی بھائی اور خود اس کی زندگی کو ختم کیا تھا۔ اب وہ مجھے کبھی دکھائی نہیں دیتی ہے ہاں اس کی خوشبو مجھے اپنے کمرے میں اکثر محسوس ہوتی ہے۔ اور کوئی میری کانوں میں سرگوشی کرتا ہے کہ تم مجھے بھول نہیں سکتے ہو تم اپنی خوشبو کو بھول نہیں سکتے ہو۔

غزل

آج مشکل تھا سنبھلنا اے دوست
تو مصیبت میں عجب یاد آیا

دن گزارا تھا بڑی مشکل سے
پھر تیرا وعدہ شب یاد آیا

حال دل ہم بھی سناتے ہیں لیکن
جب وہ رخصت ہوا تب یاد آیا

بیٹھ کر سایہ گل میں زیب
ہم بہت روئے وہ جب یاد آیا

زیبا ناز۔ کراچی

غزل

بانسری کی سریلی سہانی صدا
یاد بن کے آتی رہی رات بھر

یاد کے چاند دل میں اترتے رہے
چاندنی جگمگاتی رہی رات بھر

دل دیوانہ گلیوں میں پھرتا رہا
دل کی آواز آتی رہی رات بھر

زیبا ناز۔ کراچی

مجھے یہ شعر پسند ہے

پتہ نہیں کیوں تیری وفا پہ اتنا یقین ہے اے ایم
ورنہ حسن والے تو خود سے بھی وفا نہیں کرتے
-----------وسیم اکرم۔پانڈو وال

ہزاروں منزلیں ہوں گی ہزاروں کارواں ہوں گے
نگاہیں ہم کو ڈھونڈیں گی نجانے ہم کہاں ہوں گے
-----------اقصد فراز۔منڈی بہاؤالدین۔

جس کو دیکھا پیار میں روتے ہوئے دیکھا ساقی
یہ محبت تو مجھے کسی فقیر کی بددعا لگتی ہے
-----------سرفراز۔کہ سکھرال خوشاب

پرکاٹ کر اظہار محبت نہیں کرتا
اڑتے ہیں تو اڑ جائیں کبوتر میری چھت سے۔
-----------سرفراز۔خوشاب

کیسے کرو گے تم میری چاہت کا اندازہ
میرے پیار کا سمندر تیری سوچ سے گہرا ہے
-----------قمر اعجاز گوندل۔گوجرہ

ساری دنیا کے ہیں وہ میرے سوا
میں نے دل کو روگ لگایا جن کیلئے
-----------اسحاق انجم۔کنگن پور

تو نے یونہی محسوس کیا ہے ورنہ دل میں کچھ بھی نہ تھا
بس ایک تیری چاہت تھی اور وہ بھی غیر شعوری تھی
-----------عثمان دھمی۔کنگن پور

تیرے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
میری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں
-----------محمد کنول۔لاہور

آج بازار میں پھول بکتے دیکھے تو قدم رک سے گئے
کسی نے ایک بار کہا تھا محبت پھول جیسی ہوتی ہے
-----------محمد سرفراز۔کہ سکھرال

ملنے کی طرح وہ مجھے پل بھر نہیں ملتا
دل اس سے مل گیا جس سے مقدر نہیں ملتا
-----------نثار احمد گھونکی

ہر مسکرانے والے کو خوش نصیب نہ سمجھو ساگر
کچھ لوگ مسکراتے ہیں غم چھپانے کے لیے
-----------محمد وقاص ساگر۔فیروزہ

روز مرہ کا کھیل ہے ان کے لیے
ایک دو باتوں سے دوچار کو اپنا کرنا
-----------محمد رضوان آکاش۔سلانوالی۔

ہم نے چاہا تم کو تم نے چاہا کسی اور کو
خدا کرے جسے تم چاہو وہ چاہے کسی اور کو
-----------محمد ندیم عباس میوالی۔چچوکی

دل غریبوں کا توڑنے کا تو لوگوں نے ہنر سمجھ لیا ہے
اگر خود کا کوئی توڑے دل تو تکلیف ہوتی
-----------غلام عباس ساغر۔لنگرانے

میرے وعدوں کو اسنے مذاق سمجھا
میرے پیار کو اسنے جذبات سمجھا
گزری جب اس کی گلی سے لاش میری
اس پتھر نے اسی کو بھی بارات سمجھا
-----------غلام عباس ساغر لنگرانے

وہ جو ہاتھوں کی لکیروں پر فقط مرتے تھے ناز اپنا
پیا آج وہی ہاتھ اٹھا کر ان سے لوٹ آنے کی دعا مانگ رہے ہیں
-----------ذیشان پیا۔سمندری

تیرا انتظار کرنے کو جی چاہتا ہے

مگر تیری دید میں آنکھیں جھکا نہیں سکتا
ایک طرف میری محبت ہے سجاد
خود کو سزا سے بچا نہیں سکتا
---------------سجاد علی دہم قتل

اگر ہوتی خون کے رشتوں میں وفا اے دوست
تو یوں نہ بکتا یوسف مصر کے بازاروں میں
---------------ثوبیہ حسین ۔ کھونہ

رکھا جب سجدے میں سر تو احساس ہوا
کہ دلوں میں خدا کو بسایا نہیں سجدے میں کس کی تلاش ہے
---------------تنزیلہ حنیف ۔ تلہ جوگیاں

محبوب میرے محبوب میرے تو ہے تو دنیا حسین ہے
جو تو نہیں تو کچھ بھی نہیں ہے
---------------محمد طفیل طوفی ۔ الکویت

مت بہاؤ آنسو بے قدروں کیلئے
جو لوگ قدر کرتے ہیں وہ رونے نہیں دیتے
---------------مرزا عامر نوید ۔ منڈی بہاؤالدین

اسی کا شہر وہی مدعی وہ منصف
ہمیں یقین تھا قصور ہمارا ہی نکلے گا
---------------تنزیلہ حنیف ۔ تلہ جوگیاں

یوں تیری چاہتیں سنبھال رکھی ہیں
جیسے عیدی ہو میرے بچپن کی
---------------صدا حسین صدا سیالکوٹ

دل کی دھڑکن تو فقط ہوش کا تقاضا ہے
یہ دنیا تو سانس لینے کی اجازت نہیں دیتی
---------------رانا بابر علی ۔ ننکانہ صاحب

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے
---------------پرنس عبدالرحمن جر ۔ مین راجھا

ساری زندگی تنہائیوں کی نظر ہوگئی
تمام عمر غموں میں بسر ہوگئی
کیا دیا ہمیں اس زندگی نے
خوشیاں ملی تو آنسوؤں کی نذر ہوگئی

---------------عابدہ رانی ۔ گوجرانوالہ

لذت گناہ کی خاطر بار دی تھی جس نے جنت باری
میری رگوں میں بھی اس آدم کا خون ہے
---------------مریز بشیر گوندل گوجرہ

تم نے سمجھا ہی نہیں نہ سمجھنا چاہا
میں چاہتا بھی کیا تھا اس سے اسکے سوا
---------------تنزیلہ حنیف تلہ جوگیاں

کسی کے چلے جانے سے کوئی مر نہیں جاتا
بس زندگی کے انداز بدل جاتے ہیں
---------------قمر اعجاز گوندل گوجرہ

میں سجدوں میں تیری عافیت کی دعا مانگوں گا
سنا ہے خدا بیوفاؤں کو معاف نہیں کرتا
---------------غلام فرید جاوید ۔ حجرہ شاہ مقیم

ہوتی ہوگی میرے بوسے کی طلب میں پاگل آکاش
جب بھی زلفوں میں کوئی پھول سجاتی ہوگی
---------------رائے اطہر مسعود آکاش

اس پھول نے ہی ہمیں زخمی کر دیا
جسے ہم پانی کی جگہ خون دل پلاتے رہے
---------------رانا نذر عباس ۔ منڈی بہاؤالدین

زندگی ایک قصہ ہے مگر عاشق دربدر نہیں ہوتے
ہم سے دل لگا کے دیکھو سکھا دیں گے تم کو بادشاہی
---------------محسن علی ۔ ساہیوال

ہمیں ان سے وفا کی امید ہے غالب
جو یہ بھی نہیں جانتے وفا کیا ہے
---------------حماد ظفر بادی ۔ منڈی بہاؤالدین

نہ دیکھ ظالم نگاہ سے ہم کو
ہم پہلے بھی شکار ہو چکے ہیں کسی ظالم شکاری سے
---------------نبی شیر رحمان ۔ سرور نزجہ

یہ نہ سوچنا کہ تم چھوڑ دوگی تو ہم مر جائیں گے ندیم
وہ بھی تو ہے جن کو ہم نے تیری خاطر چھوڑا تھا
---------------شاہد ندیم ۔ ڈابرانوالہ

دل میں کتنے زخم ہیں کس کو کیا پتہ

یہ وہ بات ہے کہ ہم مسکرا کے جیتے ہیں، رولانے
والوں کے سامنے
----------محمد عرفان۔ پانڈووال

مانا کہ محبت کا روگ برا ہے ندیم
اس کے سوا بھی ہزاروں غم ہیں اس جہاں میں
----------ندیم عباس ڈھکو۔ ساہیوال

تجھ کو پانے کی تمنا تو مٹا دی ہم نے
دل سے لیکن تیرے دیدار کی حسرت نہ گئی
----------فنکار شیر زمان پشاوری

بہت سوچا بہت سمجھا بہت دیر تک پرکھا
تنہا ہو کے جی لینا محبت کرنے سے بہتر ہے
----------تنزیلہ حنیف۔ ٹلہ جوگیاں

دل میں ہوتے ہم تو بھلا نہ پاتے وہ
ذہن سے اکثر باتیں نکل ہی جاتی ہیں
----------تنزیلہ حنیف۔ ٹلہ جوگیاں

یہ [illegible] وقت [illegible] پیار کی سوجھی
چپ [illegible] ہو جنازہ بھی نہیں اٹھانے دیتی
----------لقمان حسن۔ ڈیرہ اسماعیل خان

بہت روتا ہے وہ جب احساس ہوتا ہے اپنی غلطی کا
چپ [illegible] ہم اگر چہرے پہ [illegible] نہ ہوتا
----------لقمان حسن۔ ڈیرہ اسماعیل خان

دل جب غم سے [illegible] کوئی اپنا بچھڑ جائے
تو دل ایسے روتا ہے اس لیے مجھے روٹھنے نہ دینا
----------ربعہ ارشد۔ ڈھوک سہارن

تیری آنکھ سے دل تک کا سفر کرنا ہوگا
مجھ کو پرکشش خوبصورت منزلوں کا سفر کرنا ہوگا
اگر تم روٹھ جاؤ تو ہماری جان نکل جائے
مگر یہ خود ہی سوچو تم میں اتنا حوصلہ ہوگا
----------عائشہ رحمن۔ [illegible] والا

میں شجر تھا شجر ہی رہا
وہ بدلتے رہے موسموں کی طرح
----------محمد اسحاق انجم۔ کنگن پور

محبت سوز ہوتی ہے محبت ساز ہوتی ہے
محبت دو دلوں کا حقیقی راز ہوتی ہے
----------محسن عزیز حلیم۔ کوٹھ کاراں

اپنی رحمت کے خزانوں سے عطا کر مالک
خواب جو وقت میں رہ کر نہیں دیکھے جاتے
----------رابعہ ارشد۔ ڈھوک سہارن

روٹھ جانے کی ادا ہم کو بھی آتی ہے
کاش کوئی ہوتا ہم کو بھی منانے والا
----------عبادت علی۔ ڈی آئی خان

لکھا تو تھا کہ خوش ہوں دوستوں کے بغیر
آنسو مگر قلم سے پہلے ہی گر گیا
----------عبادت علی۔ ڈی آئی خان

محبت کے اندھیروں میں پتھر بھی پگھل جاتے ہیں
غیروں سے کیا گلہ اپنے بھی بدل جاتے ہیں
----------افنان محمود۔ رکن شی

تیرے بغیر نہ گزرے گی عمر اے دوست
میں کیا کروں گا زمانے کی دوستی لے کر
----------افنان محمود۔ رکن شی

تو نے دیکھا ہے کبھی صحرا میں جلتا ہوا پیڑ
ایسے جیتے ہیں وفاؤں کو نبھانے والے
تم بھی دیکھنا ان کی صبحوں کو عاشق کتنا روتے ہیں
اور دل کو جلانے والے
----------عائشہ رحمن۔ [illegible] والا

[illegible] مگر روتی توڑی نہیں جاتی
دل کی بھول ہوتی ہے چھوڑی نہیں جاتی
----------افنان محمود۔ رکن شی

اللہ سے ابتداء کی خدا پہ انتہا
اے محمد ﷺ آپ کا وسیلہ میرے کام آگیا
----------عطاء اللہ شاد۔ جڑانوالہ

اس کی یادوں نے شام تنہائی میں اس طرح گھیرا مجھ کو
راستے تو پہلے بھی ویران تھے اب اندھیرے بھی ہیں
----------رئیس ارشد۔ خان بیلہ

کچھ سوچ کر ہم بھی اسے آواز نہ دیں گے
-----------------عبدالمنان۔ اٹک

کبھی نہ کبھی وہ میرے بارے میں سوچے گا تو رونے گا
نہ کوئی خون کا رشتہ بھی نہ تھا پھر بھی وفا کرتا رہا
-----------------نفیس ساجد کاوش۔ خان بیلہ

کسی کو ہے جنت کی چاہ تو کوئی ہے دل کے غموں سے
پریشان
ضرورت سجدہ کرواتی ہے عبادت کون کرتا ہے
-----------------محمد سجاد زین۔ کوٹ ادو

لٹکائے ہوئے رکھا ہے سولی پہ سب کو
اس عشق سے بڑا کوئی جلاد نہیں دیکھا
-----------------افضال عباسی۔ راولپنڈی

وفا وہ کھیل نہیں جو چھوٹے دل والے کھیلیں
روح تک کانپ جاتی ہے خفا جب یار ہوتا ہے
-----------------افضال عباسی۔ راولپنڈی

گلے سے لپٹے ہیں بجلی کے ڈر سے
میرے مولا یہ گھٹا روز برسے
-----------------غلام نبی نوری۔ کھنڈیاں خاص

آؤ اک سجدہ کریں عالم مدہوشی میں
لوگ کہتے ہیں کہ ساغر کو خدا یاد نہیں
-----------------عامر امتیاز نازی۔ سموٹ

دل گمراہ کو اے کاش یہ پتا چل گیا ہوتا
محبت دلچسپ نہیں تب تک جب تک ہو نہیں جاتی
-----------------اسد شہزاد۔ گوجرہ

لفظوں کو زنجیر میں پرونا بہت مشکل ہے اگر
ہم نے زمانے سے یہ ہنر بھی سیکھ لیا ہے
-----------------محمد زبیر واصف۔ واہ کینٹ

چہرے اجنبی ہو بھی جائیں تو کوئی بات نہیں ہمدم
رویے اجنبی ہو جائیں تو بہت تکلیف ہوتی ہے
-----------------عمر دراز آکاش۔ جڑانوالہ

معصوم نظر بھولا بھالا چہرہ تبسم شوخ ادا
تصور وہ عالم ہے وہ حسین مجسمہ ہو گا

-----------------مسز زبیر صائم۔ چوک سرور شہید

رات بھر کمرے کا دروازہ اور کھڑکی کھلی رہی
ہوا ان کے آنے کا سندیسہ دیتی رہی
-----------------بشیر احمد بھٹی۔ بہاولپور

صرف چہرے کی اداسی سے بھر آئے آنکھوں میں آنسو
دل کا عالم تو ابھی اس نے دیکھا ہی نہیں
-----------------اشتیاق احمد۔ ارزانی پور

چلو ڈھونڈتا ہوں کوئی ایسی وجہ کہ دل بہل جائے
تم بن اگر پھر بھی نہ سنبھل پائے تو کیا لوٹ آؤ گے تم
-----------------اسد شہزاد۔ گوجرہ

بے نشان منزلوں کے سفر پر نکلو گے تو جانو گے
دلوں کے مسافر رات کو سونا کیوں بھول جاتے ہیں
-----------------ابرار احمد۔ ٹکو منڈی

جب جب اسے سوچا ہے دل تھام کے میں نے
انسان کے ہاتھوں سے انسان پہ کیا گزری
-----------------آر نیازی۔ گوجرہ

جب لیتی ہوں تیرا نام تو الجھ جاتی ہوں سانسوں سے
سمجھ نہیں آتی زندگی سانسوں سے ہے یا تیرے نام
سے
-----------------مسز زبیر صائم۔ چوک سرور شہید

بہت عزیز ہیں آنکھیں میری اسے لیکن
وہ جاتے جاتے انہیں کر گیا ہے پرنم
-----------------محمد اسحاق انجم۔ کنگن پور

شام ہوتی ہے چراغ بجھا دیتا ہوں
دل ہی کافی ہے تیری یاد میں جلنے کے لیے
-----------------محمد اسحاق انجم۔ کنگن پور

کاش کہ اب کے برس میں کامیاب ہو جاؤں
تجھ کو پانے میں یا تجھ کو کھونے میں
-----------------محمد اسحاق انجم۔ کنگن پور

کہو ان کالی گھٹاؤں سے جھوم کر آئیں
کسی کے شانوں پہ زلف حسین بکھری ہے
-----------------محمد اسحاق انجم۔ کنگن پور

روز روتے ہوئے کہتی ہے زندگی مجھ سے
صرف ایک شخص کی خاطر مجھے برباد نہ کر
-----------------لقمان حسن۔ ڈیرہ اسماعیل خان

الجھ رہی ہے مجھ کو یہی کشمکش مسلسل
وہ آ بسا ہے مجھ میں یا میں اس میں کھو گیا
-----------------لقمان حسن۔ ڈیرہ اسماعیل خان

کفن ہٹا کر دیکھو ان کو جن کی آنکھیں تو کھلی ہیں
بند ہو گئیں وہ آنکھیں جن کو تم رولایا کرتی تھی
-----------------لقمان حسن۔ ڈیرہ اسماعیل خان

مثل شیشہ تھے ہمیں تھام کے رکھنا ایسا
ہم تیرے ہاتھ سے چھوٹے تو بکھر جائیں گے
-----------------ساجد انصاری۔ جلالپور بھٹیاں

ہم تو پھولوں کی ان پتیوں کی طرح ہیں ایسی
جنہیں خوشی کی خاطر لوگ قدموں میں بچھا لیتے ہیں
-----------------ساجد انصاری۔ جلالپور بھٹیاں

سوکھے پتوں کی طرح بکھرے ہیں ہم تو
کسی نے سمیٹا بھی تو جلانے کے لیے
-----------------ساجد انصاری۔ جلالپور بھٹیاں

رفتہ رفتہ تیری آنکھ جس سے لڑی ہے
جس سے لڑی ہے وہ دور رہتی ہے
-----------------سید عارف شاہ۔ جہلم

کوئی قبر پر پانی بہاتا ہے جب کوئی مہ جبین روتی ہے
کاش مجھے خیال آتا ہے موت کتنی حسین ہوتی ہے
-----------------سید عارف شاہ۔ جہلم

فکر معاش ۔۔ غم جاناں اور غم دل
آج سب سے معذرت کہ موسم حسین ہے
-----------------محمد وقاص احمد حیدری۔ سبگل آباد

دل کا روگ تھی نہ یادیں تھیں نہ ہی یہ جگرتا
تیرے پیار سے پہلے نیندیں بڑی کمال کی تھیں
-----------------محمد وقاص احمد حیدری۔ سبگل آباد

عطر کی شیشی گلاب کا پھول
جنت کا شہزادہ خدا کا رسول ﷺ

-----------------افنان محمود۔ رکن

تاروں میں چمک پھولوں میں رنگت نہ رہے گی
ارے کچھ بھی نہ رہے اگر محمد ﷺ کا میلاد نہ رہے گا
-----------------افنان محمود۔ رکن

ادھر آ ستم گر ہنر آزمائیں
تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں
-----------------محمد علی چھترو۔ آزاد کشمیر

آج کیوں کوئی شکوہ یا شکایت نہیں مجھ سے
تیرے پاس تو لفظوں کی جاگیر ہوا کرتی تھی
-----------------محمد علی چھترو۔ آزاد کشمیر

کن لفظوں میں بیان کروں اپنے دل درد کو علی
سننے والے تو بہت ہیں سمجھنے والا کوئی نہیں
-----------------محمد علی چھترو۔ آزاد کشمیر

ہم جیسے برباد دلوں کا جینا کیا مرنا کیا
آج تیرے دل سے نکلے ہیں کل دنیا سے نکل جائیں
-----------------محمد علی چھترو۔ آزاد کشمیر

یہ شرط محبت بھی عجیب ہے وصی
میں پورا اتروں تو وہ معیار بدل دیتے ہیں
-----------------وقاص اینڈ شہزادہ۔ گوجرہ

آنکھوں میں حیا ہو تو پردہ دل کا ہی کافی ہے راجہ
نہیں تو نقابوں سے بھی ہوتے ہیں اشارے محبت کے
-----------------راجہ کامران راجو۔ کسوواں

اجازت، اپنی یادوں کے سہارے پاس رہنے دو
نجانے کس گلی میں زندگی کی شام ہو جائے
-----------------رخسار احمد۔ کوٹھا صوابی

کبھی نہ ٹوٹنے والا حصار بن جاؤں
تو میری ذات میں رہنے کا فیصلہ تو کر
-----------------سنبل خان۔ کوٹھا صوابی

خوش رہنا بھی چاہوں تو رہ نہیں سکتا
کیونکہ غموں نے میرے گھر کا راستہ دیکھ لیا ہے
-----------------محمد عدنان۔ بہاول نگر

میں کیا خود سے اسے پکاروں کہ لوٹ آؤ

کہ اس میں انسان مر مر کے جیتا ہے
رانا بابر علی ناز۔ لاہور

صدا حسین صدا کے نام

وہ جو روٹھا ہوا ہے مدت سے
کاش وہ آن ملے عید کے دن
عمران شہزاد۔ لاہور

انیق کے نام

یہ ٹھیک ہے نہیں مرتا کوئی جدائی میں
خدا کسی کو کسی سے جدا نہ کرے
پرنس عبدالرحمن۔ نین رانجھا

کسی اپنے کے نام

بے چین رہی ہے ہر دم میری نظر
ڈھونڈتی ہے تجھے ہر جگہ ادھر ادھر
نظر آئے تجھے ہر جگہ تو ہی تو
دیکھتی ہوں میں جدھر بھی جدھر
عابدہ ورانی۔ گوجرانوالہ

دوست کے نام

ہجر لازم ہے تو کچھ وصل کا وعدہ کیا
خزاں رت میں بہاروں کا لبادہ کیا
زخم دے کر تم درد کی شدت پوچھو
درد تو درد ہے کم کیا زیادہ کیا
آمنہ شہزادی۔ جہانیاں

حماد ظفر کے نام

خدا نہ کرے آپ کو غم ہو
ہنسی خوشی آپ کو ہر دم ہو
جب بھی آئے کوئی بھی غم آپ کی طرف
دعا ہے کہ اس کو راستے میں ہم ملیں
قمر اعجاز مریز بشیر۔ ملکوال

سویٹ اے کے نام

نہ میری دعا نے سفر کیا
نہ میرے آنسوؤں نے اثر کیا

تجھے مانگ مانگ کے تھک گئے
میرے ہونٹ بھی میرے ہاتھ بھی
رائے اطہر مسعود کاشف

انیس کے نام

بھلا دوں گا تمہیں بھی ذرا صبر تو کرو
رگ رگ میں بسے ہو کچھ وقت تو لگے گا
رانا ندیم عباس۔ منڈی بہاؤالدین

مجید کے نام

بعد مرنے کے بھی اس نے نہ چھوڑا دل جلانا محسن
اور ساتھ والی قبر پہ پھول پھینک جاتا ہے
محسن علی طالب ساہیوال

حماد ظفر بادی کے نام

رابطے ضروری نہیں اگر تعلق رکھنے ہوں بادی
لگا کر بھول جانے سے پودے سوکھ جاتے ہیں
رانا ندیم عباس

احسن ریاض پری کے نام

دلوں سے کھیلنے کا فن ہمیں بھی آتا ہے احسن
مگر جس کھیل میں کھلونا ٹوٹ جائے وہ مجھے اچھا نہیں لگتا
حماد ظفر بادی۔ گوجرہ

سب دوستوں کے نام

زندگی میں کبھی اتنا پیارا مت بننا
کہ کوئی پھول سمجھ کر توڑ لے
اور نہ ہی اتنا سخت بننا
کہ کوئی کانٹا سمجھ کر چھوڑ دے
ندیم عباس ڈھکو۔ ساہیوال

ایم کے نام

نہ ہم رہے دل لگانے کے قابل
نہ دل رہا غم اٹھانے کے قابل
تیری یاد نے دیئے ہیں اتنے زخم
چھوڑا نہ مسکرانے کے قابل
وسیم اکرم۔ پانڈو وال بالا

انی کے نام

مجھ سے نہ پوچھ میری محبت کی کہانی اے دوست
مرنے والے سے مرنے کی وجہ نہیں پوچھی جاتی
محمد عرفان۔ پانڈو وال بالا

محمد سرفراز ساقی کے نام
فریاد کر رہی ہیں تو سختی ہوئی
دیکھے ہوئے بہت دن گزر گئے
محمد سرفراز۔ گوندل۔ کھ سٹھڑال

محمد فیاض گوندل کے نام
اب کیا ہوا کہ تجھے مجھ سے محبت نہیں رہی
تیری طلب میں وہ پہلی سی حدت نہیں رہی
تو تیری اداؤں کا موسم بدل گیا
یا اب تجھے میری ضرورت نہیں رہی
محمد سرفراز گوندل

کنول کے نام
دل نے آنکھوں سے کی آنکھوں نے ان سے کہہ دی
بات چل نکلی ہے اب کہاں تک پہنچے دیکھیں
عثمان گلشن پور

طیب عثمان کے نام
چاند بھی میری طرح حسن کا شناسا نکلا
اس کی دیوار پہ حیران کھڑا ہے کب سے
طیب کنول لاہور

صبا سکھر کے نام
سالوں کے بعد رابطہ کرنا اچھی بات نہیں ہے
پاس ہو کر بھی اتنے دور ہو
نثار احمد سکھر

رانا عرفان کے نام
دل میں تعبیریں تھیں اپنی آنکھوں میں جاگتے کے خواب
خود کو ہی دھوکہ دیا
خود سے شرارت کی گئی
محمد رضوان آکاش۔ سلانوالی

آریو ر کے نام
وہ تجھے یاد کیوں نہیں کرتا
تو اسے بھول کیوں نہیں جاتا
مریز بشیر گوندل گوجرہ

محمد طالب حسین کے نام
تم تو رہ لو گے ساتھ کسی اور کے مگر
میں کیا کروں کہ مجھے رستہ بدلنا نہیں آتا
محمد ندیم عباس میوانی چوکی

مومل خان کے نام
بکھر رہی ہے میری ذات اسے کہنا
ملے تو میری یہ بات اسے کہنا
اسے کہنا کہ بن اس کے دن نہیں کٹتے
سسک سسک کے کٹتی ہے میری ہر رات اسے کہنا
خلیل احمد ملک۔ شیدانی شریف

صرف ایس کے نام
تمہارے پاس رہنے کے لیے جگہ نہیں کیا ایس
جو ہر وقت میری آنکھوں میں اتر آتے ہو
محمد سرفراز گوندل

محمد فیاض گوندل کے نام
وہ اور ہیں جو تیری ذات سے غرض رکھتے ہیں ایف
ہم جب بھی ملیں گے بے مطلب ملیں گے
محمد سرفراز ساقی گوندل۔

طیب کنول لاہور کے نام
روکتے روکتے آنکھ چھلک اٹھتی ہے
کیا کریں روگ پرانے دل کو لگ گئے
عثمان۔ گلشن پور

حفظ نور کے نام
رابطہ ضروری ہے اگر رشتے بچانے ہیں
لگا کر بھول جانے سے تو پودے بھی سوکھ جاتے ہیں
تنزیلہ حنیف۔

صدف شہزاد کے نام
خدا نہ کرے آپ کو غم ملے
بنسی خوشی آپ کو ہر دم ملے
جب بھی آئے کوئی بھی غم آپ کی طرف

دعا ہے کہ اس کو راستے میں ہم ملیں
اشرف زخمی دل۔ننکانہ

کشور کرن کے نام

تمہارے پاس رہنے کے لیے جگہ نہیں ہے کیا کرن
جو ہر رات میری آنکھوں میں اتر آتی ہو
نرگس ناز گھمر

جان کے نام

تیرے بنا وقت نہیں گزرتا
آج کہ ہم ایک ہو جائیں
ریاض احمد۔لاہور

اپنی شہزادی کے نام

اپنے آنچل پر ستاروں سے میرا نام نہ لکھو
جیسا ہمسفر ہوں تیرا اپنی آنکھوں میں بسائے رکھو
محمد محسن ساغر۔عارفوالا

اخلاق چاچا کے نام

دل کرتا ہے ہر پتھر پہ لکھو آئی مس یو
اور وہ سارے پتھر ماروں آپ کو
تاکہ آپ کو احساس ہو جائے
کہ آپ کی یاد کتنا درد دیتی ہے
بابا جان۔کراچی

اپنی جان کے نام

کوئی الزام لگا کر تو سزا دی ہوتی
پھر میری لاش سرعام جلا دی ہوتی
اتنی نفرت تھی تو پیار سے دیکھا کیوں تھا
مجھے پہلے ہی میری اوقات بتا دی ہوتی
اقبال احمد عباسی۔راولپنڈی

تمام مسلمانوں کے نام

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات
شفیق اقبال۔کرک

امین کے نام

میرے فراق کے لمحے شمار کرتے ہوئے
تھک چلے ہیں تیرا انتظار کرتے ہوئے
تمہیں خبر ہی نہیں ہے کہ کوئی ٹوٹ گیا
محبتوں کو بہت پائیدار کرتے ہوئے
عامر امتیاز باری۔کلر سیداں

طارق علی شاہ کے نام

فرصت ملے تو پوچھ بھی ان کا حال بھی
جو لوگ جی رہے ہیں تیرے پیار کے بغیر
اے۔کراچی

محمد یوسف کے نام

یہ کون سی منزل ہے یہ کون سا مقام ہے
آنکھوں میں کوئی چہرہ ہونٹوں پر کوئی نام ہے
نور احمد۔ملتان

اپنی جان کے نام

وہ رات درد اور ستم کی رات ہوگی
جس رات رخصت ان کی بارات ہوگی
اٹھ جاتے ہیں یہ سوچ کر ہم نیند سے اکثر
اک غیر کی بانہوں میں میری ساری کائنات ہوگی
سراج خان۔کرک

اسد شہزاد کے نام

یہ عشق نہیں آساں بس اتنا سمجھ لیجئے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے
رابعہ ارشد۔منڈی بہاؤالدین

کسی اپنے کے نام

اس جدائی کی خبر ہوتی تیرے پیار سے پہلے
میں مرنے کی دعا کرتا تیرے دیدار سے پہلے
محسن عزیز حلیم۔کوٹھ کلاں

کسی اپنے کے نام

شکوہ کریں تو کس سے بے وفائی کا
ٹھوکریں اپنوں سے غیروں سے گلہ کیا کریں
محمد اسحاق انجم۔کنگن پور

نماز کی فضیلت

حضرت عثمان سے نقل ہے جو شخص نماز کی حفاظت کرے اوقات کی پابندی کے ساتھ اس کا اہتمام کرے اللہ تعالیٰ نو چیزوں کے ساتھ اس کا اکرام فرماتے ہیں۔

اس کو خود محبوب رکھتے ہیں۔
فرشتے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔
اس کے گھر برکت عطا فرماتے ہیں۔
اس کے چہرے پر صلحا کے انوار ظاہر ہوتے ہیں۔
اس کا دل نرم فرماتے ہیں۔
پل صراط سے بجلی کی تیزی سے گزرے گا۔
جنت میں ایسے لوگوں کا پڑوس ہوگا جن کے بارے میں آیت ہے ترجمہ: قیامت کے دن نہ ان کو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

عمر خان عاجز۔ کھوئی بھارہ

خاموشی

☆ خاموشی محبت ہے بغیر پھل کے۔
☆ خاموشی ہیبت ہے بغیر سلطنت کے۔
☆ خاموشی قلعہ ہے بغیر ہتھیار کے۔
☆ خاموشی محل ہے مومنوں کا۔
☆ خاموشی شیوہ ہے عاجزوں کا۔
☆ خاموشی دبدبہ ہے حاکموں کا۔

رات کے خزانے

سرکار مدینہ سلطان باقرینہ ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت علیؓ سے ارشاد فرمایا کہ اے علیؓ رات کو روزانہ پانچ کام کر کے سویا کرو۔

☆ چار ہزار دینار صدقہ دے کر سویا کرو۔
☆ ایک قرآن شریف پڑھ کر سویا کرو۔
☆ جنت کی قیمت ادا کر کے سویا کرو۔
☆ دو لڑنے والوں میں صلح کرا کے سویا کرو۔
☆ ایک حج ادا کر کے سویا کرو۔

حضرت علیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میری جان آپ پر قربان ہو یا رسول اللہ یہ امر میرے لئے نہایت ہی محال ہے مجھ سے کب یہ کیا جا سکیں گے پھر حضور اقدسؐ نے فرمایا!

☆ چار مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھ کر سویا کرو اس کا ثواب چار ہزار دینار کے برابر ہے۔
☆ تین مرتبہ قل ھواللہ پڑھ کر سویا کرو اس کا ثواب ایک قرآن پاک کے برابر ہے۔
☆ دس مرتبہ استغفار پڑھ کر سویا کرو دو لڑنے والوں میں صلح کروانے کے برابر ہے۔
☆ دس مرتبہ درود شریف پڑھ کر سویا کرو جنت کی قیمت ادا ہوگی۔
☆ چار مرتبہ تیسرا کلمہ پڑھ کر سویا کرو ایک حج کا ثواب ملے گا۔

اس پر حضرت علیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اب تو میں روزانہ یہی عملیات کر کے سویا

کروں گا۔ قارئین آپ سے التماس ہے کہ آپ بھی یہی عمل رات کو سونے سے پہلے کیا کریں۔

عمران علی ہاشمی۔ لاہور

غیبت کرنیوالے کا انجام

آپؐ نے سفر معراج میں ایک قوم کو دیکھا۔ اس قوم کے ناخن تانبے کے تھے، اور اس قوم کے لوگ اپنے تانبے کے ناخنوں سے، اپنے چہروں اور سینوں کو چھیل رہے تھے۔ حضور اقدسؐ نے جبرائیل سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں تو جبرائیل نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو آدمیوں کا گوشت کھاتے یعنی ان کی غیبت کرتے، ان کی برائی بیان کرتے اور ان کی عزت پر انگلی اٹھاتے تھے۔

عمرخان عاجز مندزئی۔ کھونی بھارہ

حدیث

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے ایک شخص آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ کون سا شخص افضل ہے؟ آپ نے فرمایا، جہاد کرنے والا اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال سے۔ اس نے کہا پھر کون؟ آپ نے فرمایا پھر وہ آدمی جو کسی ایک گھاٹی میں اللہ کی عبادت کرتا ہے اور لوگوں کو اپنی برائی سے بچاتا ہے۔

عثمان غمگین۔ ملانت تمپ

اقوال زریں

☆ جو علم سے زندہ رہے گا وہ کبھی نہیں مرے گا۔

☆ علم وہ خزانہ ہے نہ چرایا جاتا ہے نہ لوٹا جاتا ہے۔

☆ دولت سے بہترین بستر خریدا جاسکتا ہے مگر نیند نہیں۔

☆ قائداعظم کا فرمان ہے کہ دولت مینار اور مسجد بنا سکتی ہے مگر ایمان نہیں۔

☆ دو دشمن زیادہ خطرناک نہیں ہوتے جتنا کہ دو دوست کیونکہ وہ ایک دوسرے کی کمزوری کو جانتے ہیں۔

☆ ہر چیز کا ایک راستہ ہے اور جنت کا راستہ علم ہے۔

☆ ناامیدی موت کا دوسرا نام ہے۔

عثمان غمگین۔ ملانت تمپ

رفتار جہاں

رفتار جہاں ہے تیز بہت ہر سانس ہے زہر آمیز بہت۔

☆ الزام ہے شر انگیز بہت شاہد بھی نئے مشہود نئے، طوفاں ہے قیامت خیز بہت ہے کفر کی آندھی تیز بہت۔

☆ ہے ذریت ابلیس تنی مردار نئے مردود نئے بھڑکائی گئی ہے آگ نئی بت توڑنے والوں کی خاطر۔

☆ بے سلک ابراہیم وہی آرزو یں وہی نمرود نئے اس خستہ مکاں کے سائے میں بیٹھے ہیں پرانے گدھ کتنے۔

☆ آتے ہیں نظر خوں خوار بہت گیدڑ ہیں یہاں موجود نئے توحید ہمارا ایمان ہے معبود ہمارا رحماں ہے۔

☆ اس ات دمنات کی دنیا میں موجود نئے معبود نئے عمر یہ ہے رفتار جہاں دنیا میں کہاں جائے اماں۔

☆ اک بحر کرم ہے آؤ یہاں، پاؤ گئے در مقصود نئے۔

عمر عاجز اینڈ سخی جان۔ کھونی بھارہ

اسلامی معلومات

☆ حضرت ابراہیمؑ نے 175 سال کی عمر پائی۔

☆ حضرت ابراہیمؑ نے تین عورتوں سے شادی کی، سارہ، ہاجرہ، قطورا۔

☆ حضرت لوطؑ کی اہلیہ کا نام والہلہ تھا۔

☆ حضرت یعقوبؑ کا عبرانی نام اسرائیل ہے۔

☆ اسرائیل کے معنی عبداللہ (اللہ کا بندہ) ہیں۔

☆ حضرت یعقوبؑ چوالیس برس مصر میں رہے۔

☆ حضرت موسیٰؑ کا قد رتیرا نیز لمبا تھا۔

☆ حضرت موسیٰؑ کی اہلیہ کا نام صفورا تھا۔

☆ حضرت موسیٰؑ کا مقابلہ ستر ہزار جادوگروں سے ہوا تھا۔

☆ حضرت موسیٰؑ نے ایک سو بیس سال کی عمر پائی۔

عمر خان، سخی جان۔ کھونی بھارہ

اقوال زریں

☆ اپنے آپ کو اتنا مخلص رکھو کہ تمہارا دشمن بھی تمہارا بننے کا خواہش مند ہو۔

☆ لوگوں کی برائیوں کو تلاش کرنے کی بجائے اپنی برائیاں تلاش کرو اور اگر وہ ملیں تو پھر انہیں دور کرنے کی کوشش کرو۔

☆ جو لوگ بات بات پر رونے لگتے ہیں وہ حساس نہیں بلکہ کمزور ہوتے ہیں۔

☆ اگر تمہیں کوئی گالی دے کر بات کرے تو اس کا جواب تم برابر سے نہ دو ورنہ تم میں اور اس میں فرق کیا رہ جائے گا۔

☆ چاہے کچھ بھی ہو جائے انسانیت کے افضل رتبے کو کبھی نہ گرنے دو۔

☆ جو لوگ وقت کی قدر نہیں کرتے وہ دراصل اپنے حال اور مستقبل کی قدر اور فکر نہیں کرتے۔

☆ بادشاہ کا پہلا قانون اپنی حفاظت ہوتا ہے۔

☆ کسی کے غصے میں کہے ہوئے کلام کو کبھی مت بھولو۔

☆ جس شخص کو اپنی جان کا خوف نہیں ہوتا وہ دوسرے کی جان کا مالک ہوتا ہے۔

عثمان چوھدری۔ ڈڈیال

تین دوست

علم، دولت، عزت رخصت ہونے لگے تو ان کے درمیان کچھ اس طرح گفتگو ہوئی علم کہنے لگا مجھے ملنا ہو تو عالموں کی صحبت اور کتابوں میں ملوں گا۔ دولت کہنے لگی مجھے ملنا ہو تو امیروں کے محلوں میں تلاش کرو۔ عزت چپ نہ بولی علم اور دولت نے پوچھا تم کیوں خاموش ہو؟ تو عزت افسوس سے بولی میں اگر ایک بار چلی جاتی ہوں تو دوبارہ نہیں ملتی۔

عباس کنول پرارہ۔ رکن پور

غزلیں نظمیں

غزل

جہاں تلک بھی یہ صحرا دکھائی دیتا ہے
میری طرح سے یہ اکیلا دکھائی دیتا ہے
نہ اتنی تیز چلے سر پھری ہوا سے کہو
شجر پہ ایک ہی پتا دکھائی دیتا ہے
برا نہ ماننے لوگوں کی عیب جوئی کا
انہیں تو دن کا بھی سایہ دکھائی دیتا ہے
یہ ایک ابر کا ٹکڑا کہاں کہاں برسے
تمام دشت ہی پیاسا دکھائی دیتا ہے
وہیں پہنچ کر گرائیں گے بادباں اب تو
وہ دور کوئی جزیرہ دکھائی دیتا ہے
وہ الوداع کا منظر وہ بھیگتی پلکیں
پس غبار بھی کیا کیا دکھائی دیتا ہے
سمٹ گئے آخر پہاڑ سے قد بھی
زمین سے ہر کوئی اونچا دکھائی دیتا ہے

عثمان چوہدری۔ آزاد کشمیر

غزل

ہم آج ہیں پھر ملول یارو
مرجھا گئے کھل کے پھول یارو
گزرے ہیں خزاں نصیب ادھر سے
پیڑوں پہ جمی ہے دھول یارو
تا حد خیاباں لالہ و گل
تا حد نظر ببول یارو
جب تک ہوس رہی گلوں کی
. بھی رہے قبول یارو
ہوا کوئی خطا نہیں ہمارا
ہوا ہم سے بھول ہوئی ہے یارو

قادر یار۔ آزاد کشمیر

غزل

آج پھر سے نگاہیں ملائیں گے ہم
دل پہ دانستہ پھر چوٹ کھائیں گے ہم
ان کی ہر اک جفا آزمائیں گے ہم
وہ ستم ڈھائیں گے مسکرائیں گے ہم
جانے والے ہمیں اس طرح چھوڑ کے
یاد رکھنا بہت یاد آئیں گے ہم
دل تمہارا ہے یا انجمن ہے کوئی
لو یہاں سے کہیں بھی نہ جائیں گے ہم
ہم وہ عثمان جسے تم سمجھ نہ سکے
وقت پہ دیکھنا کام آئیں گے ہم

عباس علی۔فیصل آباد

غزل

غیر کو درد سنانے کی ضرورت کیا ہے
اپنے جھگڑے میں زمانے کی ضرورت کیا ہے
تم مٹا سکتے نہیں دل سے میرا نام کبھی
پھر کتابوں سے مٹانے کی ضرورت کیا ہے
زندگی یونہی بہت کم ہے محبت کے لیے
روٹھ کر وقت گنوانے کی ضرورت کیا ہے
دل نہ مل پائیں تو پھر آنکھ بچا کر چل دو
بے سبب ہاتھ ملانے کی ضرورت کیا ہے

زبیر احمد۔ لاہور

غزل

میں یونہی گزار دیتا شب غم سنبھل سنبھل کے
تمہیں کیا ملا یہ وہ میری زندگی بدل کے
بڑے بے وقت ہیں آنسو سر بزم آج چھلکے
میری آرزو نے لوٹا میری چشم نم میں پل کے
کسی بے سہارا دل کو ستاؤ اس طرح سے
کہیں آہ کر نہ بیٹھے کوئی بدنصیب جل کے
میں اسی لئے کھچا ہوں کہ انہیں بھی آئے غصہ
وہ الٹ دے کاش پردہ میری بے رخی پہ جل کے

بلال احمد۔ ساہیوال

غزل

تیرے بغیر یہ دنیا اداس ہے میری
کہ جیسے جان بھی تیرے ہی پاس ہے میری
ہزار جام لٹا دوں ہزار پیمانے
کسی کے پھول سے ہونٹوں میں پیاس ہے میری
لگا ہے روگ محبت کا مجھ کو صدیوں سے
کسی کا پیار ہی جینے کی آس ہے میری
چلی ہے ایسی زمانے میں نفرتوں کی ہوا
کسی کا پیار، وفا بدحواس ہے میری
میرا جمال ہے پھیلا ہے چار سو عثمان
یہ ایک چیز ہی دنیا میں خاص ہے میری

محمد علی۔ خانیوال

غزل

محبت اک حقیقت ہے یہ افسانہ نہیں ہوتا
کبھی اپنی خوشی سے کوئی دیوانہ نہیں ہوتا
حسیں جلووں کا مرکز ہے جہاں تم سجدہ کرتے ہو
وہاں کعبہ نہیں ہوتا بت خانہ نہیں ہوتا
کرم ہے ان خیالوں کو جو دل بہلائے رکھتے ہیں
بھلا کس کے تصور میں صنم خانہ نہیں ہوتا
جو اہل ظرف ہوتے ہیں بقدر ظرف پیتے ہیں
چھلک جاتا ہے جو وہ ان کا پیمانہ نہیں ہوتا
نظر کا حسن بھی شامل ہو پیمانوں میں اے قادر
جہاں ساقی نہیں ہوتا وہ میخانہ نہیں ہوتا

عبدالقادر۔ میرپور

غزل

اپنے ماضی کے تصور سے ہراساں ہوں میں
اپنے گزرے ہوئے ایام سے نفرت ہے مجھے
اپنی بیکار تمناؤں سے شرمندہ ہوں میں
اپنی بے سود امیدوں پہ ندامت ہے مجھے
میرے ماضی کو اندھیروں میں دبا رہنے دو
میرا ماضی میری ذات کے سوا کچھ بھی نہیں
میری امیدوں کا حاصل میری کاوش کا صلہ
ایک بے نام اذیت کے سوا کچھ بھی نہیں

عارف چوہدری۔ نارووال

غزل

اس کی آنکھوں میں کوئی دکھ سا دبا ہے شاید
یا مجھے خود ہی کوئی وہم ہوا ہے شاید
میں نے پوچھا کہ بھول گئے ہو تم بچھڑا

موند کر آنکھیں مجھے اس نے کہا شاید
روٹھ جاتی تو بھلا کون مناتا مجھ کو
جو مناتا تھا وہ سب بھول گیا ہے شاید
اب کسی بات پہ بھی دل نہیں دکھتا میرا
میرے اندر میرا عشق مر گیا ہے شاید
بھولنا چاہوں بھی تو تجھ کو میں بھلا نہ سکوں
یاد رکھنے کا کوئی عہد کیا ہے شاید

اسحاق چوہدری ۔ لاہور

غزل

بنا کر اپنے نقشے رہ گئے ہیں
زمانے کتنے پیچھے رہ گئے ہیں
ابھی تک تتلیوں کے ان پروں میں
نہ جانے کتنے دھبے رہ گئے ہیں
گر سکا ہی نہیں دریا ادھر کو
بہت سے لوگ پیاسے رہ گئے ہیں

نائلہ اختر ۔ آزاد کشمیر

غزل

تیرے پیار دی ابتداء ویکھی بیٹھاں
خلوصاں بھری انتہاء ویکھی بیٹھاں
میرا جسم ہویا اے زخماں دا عادی
معالج تے دارالشفاء ویکھی بیٹھاں
جوانی دے روگاں دا ہویاں میں جانو
کرم اوس دے تے عطا ویکھی بیٹھاں
میری ہنڈزی بچ بھرے غم ای غم نیں
میں ونیا دے نیم رجا ویکھی بیٹھاں
میں عثمان محبت نوں جتھے وی ویکھاں
ستم یار دے بے بہا ویکھی بیٹھاں

عثمان چوہدری ۔ ڈڈیال

نظم

جیسے کانٹوں میں گل
شب کی تاریکی میں چاند ستارے
صحرا میں پانی، بارش کے نرم قطروں سے
سیپ میں موتی، سمندر میں جزیرے
کوہساروں میں جھرنے، سردیوں میں نرم دھوپ
حسن کسی کی میراث نہیں، یہ خدا کی عطا ہے
حسن کسی فقیر کی کٹیا میں، کسی غریب کے گھر میں
کسی امیر کے بنگلے میں، کسی بادشاہ کے محل میں
پیدا ہو سکتا ہے
حسن لاکھوں میں، سب سے جدا نظر آتا بھی ہے

نسیم اختر عادل ۔ بھکر

نظم

تو چلے تو تیرے سنگ میری پاکیزہ دعائیں رہیں
تیری راہوں میں، محبت کے حسیں پھول بچھیں
تیری پیشانی پہ خوشیاں، روشنی بن کے چمکیں
میری دعا ہے کہ خوشیاں مسکرائیں
یہ سلسلے چاہتوں کے یونہی تیرے سنگ رہیں

نائلہ عندلیب بٹ ۔ آزاد کشمیر

نظم

اسے کہنا، اداسی! تم اسے کہنا

ہوا کے ہاتھ کچھ نہیں ہے اور صدا ویران پھرتی ہے
تم اس سے کہنا،
تیرا بچھڑا ہوا اکثر جاگتا ہے سو پاتا نہیں
اور اداسی! تم اسے کہنا کسی کو علم کیا
جب رات ڈھلتی ہے، تو کتنے جسم جلتے ہیں
دعاؤں کے آرزوؤں کے وفاؤں کے
اداسی تم اسے کہنا تم ہی دکھ میں تنہا نہیں
یہاں پر بھی حسن کے ہاتھ میں، کچھ بھی نہیں ہے

سید حسن رضا شاہ۔ کوچھیر شریف

نظم

ناداں دل کو سمجھانا کیا،
ہے عشق تو پھر پچھتانا کیا
ہر سانس تو اس کے نام تھی،
پھر جینا کیا مر جانا کیا
وہ ہر دھڑکن میں رہتا ہے،
اسے کھونا کیا اور پانا کیا
کیا خوب وہ سب سے پوچھتے ہیں،
کہتا ہے یہ دیوانہ کیا
دل آنا تھا تم پر آیا،
اس جرم کا ہے ہرجانہ کیا
ہو جس کا جھوٹ بھی سچ جیسا،
اس جھوٹے کو جھٹلانا کیا
اے عثمان حقیقت جو بھی ہو،
بن جائے افسانہ کیا

عثمان چوہدری۔ ڈڈیال

نظم

اندھیروں سے اجالا مانگنا ہوگا،
خبر کیا تھی یہ دن بھی دیکھنا ہوگا
اگر خورشید ہے تو روشنی دے گا،
وہ سایہ ہے تو اس کو پھیلانا ہوگا
پرانی رسموں سے اب کچھ نہیں حاصل،
ہمیں سوچوں کا دھاوا موڑنا ہوگا
میں آسانی سے کیسے ڈوب سکتا ہوں،
سمندر کو بہت کچھ سوچنا ہوگا
رہا ہوں برسرِ پیکار ظلمت سے،
سحر کو اب میرا دکھ بانٹنا ہوگا
قادر اوروں کی خاطر زندہ رہتا ہے،
خوشی کا ہر لبادہ اوڑھنا ہوگا

قادر یار۔ ڈڈیال

نظم

محبت جوگ ٹھہرا ہے، دلوں کا روگ ٹھہرا ہے
وفا کچھ کر نہیں سکتی، دلوں کو شاد کرتا ہے
کبھی برباد کرتا ہے، یہ شکوہ کر نہیں سکتا
یہ ایک سنجوگ ٹھہرا ہے، سخن ہونا بھی چاہوں تو
زباں خاموش رہتی ہے
محبت جوگ ٹھہرا ہے، دلوں کا روگ ٹھہرا ہے

سعدیہ چوہدری۔ آزاد کشمیر

نظم

آنکھ ہی نہ روتی ہے،

ما بھی تیرے پیار میں رہا ہے
خوشیاں کا تو اب کام نہیں،
چاروں طرف تنہائی ہے
کل تک جو کہتی تھی اپنا،
یار وہ آج پرائی ہے
آنکھ ہی نہ روئی ہے،
دل بھی تیرے پیار میں رویا ہے

مریم ایس ایم ۔ آزاد کشمیر

نظم

کہا تھا یاد ہے تم کو،
میں ہوں چاند اور تم چاندنی میری!
مگر جب چاند چھپ جائے کہو
پھر چاندنی کیسی؟
کہا تھا یاد ہے تم نے،
میں ہوں پھول اور تم اس کی خوشبو!
مگر جب پھول مرجھائے کہو خوشبو بھلا کیسی؟
کہاں تھا یاد ہے تم نے،
میں ہوں دل، ہو تم دھڑکن!
مگر دل ٹوٹ جائے تو کہو پھر دھڑکن کیسی؟
کہا تھا یاد ہے تم کو،
میں ہوں آس اور تم زندگی میری!
مگر جب آس ٹوٹے تو،
کہو پھر زندگی کیسی؟

فیصل طیب ۔ احمد پور سیال

نظم

اے عشق! ایسا نہ کیا ہوتا تو نے
بن تیرے رونا نہ نصیب ہوتا
ہر لمحے خوشی کے قریب ہوتا
اچھا تھا، پیار میں غریب ہوتا
ارے عشق! ایسا نہ کیا ہوتا تو نے
پہلی نظر میں دل توڑا تو نے
ایک ہی پل میں مجھے چھوڑا تو نے
تو نے، میرے دل کو، توڑا تو نے
ارے عشق! ایسا نہ کیا ہوتا تو نے
بستر بستر شکن شکن
ٹوٹے میرا بدن بدن
تنہائی میں تن من
ارے عشق! ایسا نہ کیا ہوتا تو نے
دھڑکن سسکے، آہیں بھرے،
اشکوں سے نگاہیں بھرے
رسوائی سے بانہیں بھرے
ارے عشق! ایسا نہ کیا ہوتا تو نے
چپ چاپ سا ہے دل اب بھی
ہیں پیلے پیلے ہوئے لب بھی
ناراض مجھ سے میرا رب بھی
ارے عشق! ایسا نہ کیا ہوتا تو نے

اسحاق احمد ساقی ۔ سنجر پور

غزل

کل چودھویں کی رات تھی شب بھر رہا چرچا تیرا
کچھ نے کہا یہ چاند ہے کچھ نے کہا چہرہ تیرا
ہم بھی وہیں موجود تھے ہم سے بھی پوچھا
ہم ہنس دیے ہم چپ رہے منظور تھا پردہ تیرا

میرے لبوں میں سرخی سی تھی
میرے سپنوں میں رنگینیاں سی تھیں
دل کے مندر میں خوشیاں سی تھیں
مگر اب تیرے جانے کے بعد
یہ سب کچھ شاید مجھ سے روٹھ گئے

محمد بوٹا راھی - واں بھچراں

نظم

کل وہ لڑکی جو بچپن میں میرے بھائی سے کھیلا کرتی تھی
جانے تب کیا بات تھی اس میں مجھ سے بہت ڈرتی تھی
پھر کیا ہوا وہ کہاں گئی اب کون یہ جانتا ہے
کب اتنی دور سے کوئی شکلوں کو پہچانتا ہے
لیکن اب جو ملی ہے مجھ سے ایسا کبھی نہ دیکھا تھا
اس کو اتنی چاہ تھی میری میں نے کبھی نہ دیکھا تھا
پھر کہیں بچھڑ نہ جاؤں ایسے مجھ کو تکتی تھی
کوئی گہری بات تھی جی میں جسے وہ کہہ نہ سکتی تھی
ایسی چپ اور پاگل آنکھیں دمک رہی تھیں شدت سے
میں تو سچ مچ ڈرنے لگا تھا اس خاموش محبت سے

محمد بوٹا راھی - واں بھچراں

نظم

ایک دن باتوں باتوں میں کہا اس نے مجھ سے
جانے کیوں دنیا نے روگ بنایا ہے جدائی کو
میں نے کہا اس سے کیا تمہیں مجھ سے محبت ہے
تو کہنے لگا ہے تو مگر یہ روگ لگانے سے رہا
پھر ایسا پلٹ کر گیا کہ مجھے جدائی کا درد دے گیا
اب میرے دل سے پوچھے وہ کیا ہے اس کی محبت
اور کیا ہے، جدائی اس کی

شجر علی - میانوالی

نظم

جب تمہیں الوداع کہتا ہوں میرا ایک حصہ مر جاتا
ہے
آہستہ خرام موت جو دھیرے دھیرے
مسلسل اور یقین کے ساتھ
میری طرف بڑھ رہی تھی
تا کہ مجھے اپنے بازوؤں میں لے لے تب تک
مجھے نہیں معلوم کہ مجھے اور کتنی بار مرنا ہے

محمد ارشد - واں بھچراں

نظم

وہ شام، جب تو میرے ساتھ تھی
ہم کتنے خوش تھے
تم نے دھیرے سے مجھے کہا
جاناں میں تیرے بغیر نہیں رہ سکوں گی
میں خاموش کھڑا تھا
بس ایک نظر تمہیں دیکھا تھا
تیرے چہرے پر بھی جاناں
ڈوبتے سورج کا منظر تھا
وہ شام، جب تو میرے ساتھ تھی

محمد بوٹا راھی - واں بھچراں

نظم

تمہارے لئے ہم نے کیا کیا نہیں کیا تھا

زہر بھی ہم نے ہنس کے پیا تھا
کوئی شکوہ نہیں کوئی شکایت نہیں
جو بھی کیا تم نے اچھا کیا ہے
کچھ بھی یاد نہیں ہم کو
بے وفائی کا تم نے الزام جو دیا ہے
ہم نے تو وہ بھی چپ کر کے سہا ہے
اک بات کا ہم کو آپ سے گلہ ہے
دل ٹوٹنے کا ہم کو کوئی غم تو نہیں
پیار کا اس دنیا نے ہم کو کیا صلہ دیا ہے
جو عزت کرتی تھی پیسے میں تیری
تو نے کیسا مجھ سے انتقام لیا ہے
کیا بگاڑا تھا میں نے تیرا آخر
جو ہم کو بے وفائی کا تم نے الزام دیا ہے

صائمہ تبسم -

نظم

کل رات بھی ارمان جلے
وہ خواب جو ل کے دیکھے تھے
تجھ کو کسی اور کی باتیں کرتے سنا
تو میرا دل جلا، کاش ہم تک نہ ملتے تو اچھا تھا
تم کو تو کوئی غم نہیں ہے،
سنی تو مجھ کو جدائی ہے
خواب تو میرے ٹوٹے نہیں ہیں
تو ہم کو چھوڑ کر چلا گیا
آخر تنہا میں اپنے ہونٹ سی لوں گی
اور تیری جدائی سہہ لوں گی
مگر صرف اتنا بتا دے
کہ محبت کی یہی سزا ہے

صائمہ نبیہ [illegible] -

نظم

سنو جاناں! میں دور چلا جاؤں گا تم سے
بہت دور کسی جنگل میں یا اجڑے ہوئے کھیتوں میں
کسی درخت کو گلے لگا کر میں آنسو بہاؤں گا
اپنے دکھ بھی سناؤں گا مگر تجھے نہیں بھول پاؤں گا
جب آئے گی یاد تیری درد بھی دل سے اٹھے گا
تجھ کو ملنے کو ترسے گا جب کوئی پوچھے حال میرا
اسے کچھ نہ بتاؤں گا مگر تجھے نہیں بھول پاؤں گا
تجھے نہیں بھول پاؤں گا

عثمان چوہدری - ڈڈیال

نظم

میں اکثر خود سے کہتا ہوں،
بہت بے تاب رہتا ہوں
کبھی تجھ سے ملوں گا تو کہوں گا
اے میرے ہمدم میں تجھ بن نہ رہ سکا
مگر یہ کہہ نہیں سکتا
تیرا جادو میرے سر چڑھ کر ایسے بولتا ہے کیوں
میرا من ڈولتا کیوں ہے کہ جب تو سامنے ہوتا ہے
تو دھڑکن بڑھ جاتی ہے
میں تیری آنکھوں کے گہرے ساغر میں
ڈوب جاتا ہوں
میں ان جذبوں کو کوئی نام نہیں دے سکتا
میں اکثر بھول جاتا ہوں

قادر یار - آزاد کشمیر

اس شہر میں کس سے میں نام ہے تو چھونیں مخنلیر
ہر شخص تیرا نام لے ہر شخص دیوانہ ہے

ذیشان بلال ۔ اٹک

غزل

پاگل ہے یا بادل ہے وہ
میرے لئے ایک انجل ہے وہ
غیروں میں اک سپنا ہے وہ
لگتا ہے پھول اپنا ہے وہ
میری خزاں میں بہار ہے وہ
میرے دل کا قرار ہے وہ
میرا دل اور میری جان ہے وہ
میرا پہلا اور آخری پیار ہے وہ
سوچوں کی مہکار ہے وہ
چوڑی کی چھنکار ہے وہ
میری نگاہوں کا قرار ہے وہ
میرے لئے سب کچھ ہے وہ

قیصر جمیل پروانہ ۔ ماموکانجن

غزل

میرے وجود سے مجھ کو کسی نے چھینا ہے
بغیر روح کے پھر بھی ہمیں تو جینا ہے
تلاش زیست میں چلتا رہا تھی دامن
پھٹے گریباں کو ان وحشتوں نے سینا ہے
صدا بلند کروں امید کے سہارے پہ
بھنور کے بیچ میں الجھا ہوا سفینہ ہے
کوئی بسائے اسے رونقیں بحال کرے
میرے وجود کا ویران یہ مدینہ ہے
سب تمام ہے اب تو طلب ہے مزدوری
تمام جسم سے سوکھا ہوا پسینہ ہے
کیا ہے وقف تجھی پر تمام ہستی کو
یہی وفاؤں کا اول ترین زینہ ہے
ہمارے وصل کے لمحات ہیں تیرے ہاتھوں
تیرے ہی نام سے خلوت کا زہر پیا ہے
کہاں نصیب ہیں تیرے حسن کی مستی ہے
یہی ہے میکدہ وساغر تمام غیا ہے
بڑے کمال سے رستے بدل لئے نادر
میرے رقیب کا کیا حسین قرینہ ہے

رانی غلام نبی نادر فردوسی

نظم

بے رخی

وہ ہوئے مجھ سے خفا
کیوں بے سبب
میں کہ!
اپنی آگ میں جلتا رہا
میں نے پوچھا
بے رخی یوں
مجھ سے کیوں
وہ کہ
کہتے تھے زباں سے
انتظار ۔۔
بے رخی کا
میں نے جو
پوچھا جب
پھر وہ بولے
بے رخی سے

غزل

سر شام ہی میں نے ایک خواب دیکھا
اجڑے باغ میں کھلا ایک گلاب دیکھا
کانٹوں بھرے اس گلاب کی روح کو
اسے آج پہلی دفعہ بے نقاب دیکھا
تھے کانٹے بھی آبدیدہ اس پھول کے درد پر
یوں کانٹوں کی دنیا میں انقلاب دیکھا
میں منتظر تھا کہ اس کی مہک مجھ تک پہنچے
اس کی بے بسی پہ اپنا جواب دیکھا
پھر بیٹھ گیا اس اجڑے باغ کی دہلیز پہ
عمران آنسوؤں سے ہوتا اسے سیراب دیکھا۔

امیر گل خان۔ ٹیرہ غازی خان

پیار کے قابل

وہ میرے پیار کے قابل ہی نہ تھا
کیوں انتظار کیا وہ وفا کے قابل ہی نہ تھا
انجانے میں اسے وفا کا دیوتا سمجھ بیٹھے ہم
وہ انسان کہلانے کے قابل ہی نہ تھا
اس کی رفاقت کیلئے کیا کچھ نہیں کیا ہم نے
وہ تھا اک دھوکہ اعتبار کے قابل ہی نہ تھا
قدم قدم پہ اس نے اتنے جھوٹ بولے
وہ تھا اک جھوٹ سمجھنے کے قابل ہی نہ تھا
میری محبت کو پامال کیا اس نے عمران
وہ میرے دل میں رہنے کے قابل ہی نہ تھا

امیر گل خان۔ ڈی جی خان

غزل

تیرے ہونٹوں کی خاموشی مجھے اچھی نہیں لگتی
تیری معصوم آنکھوں میں نمی اچھی نہیں لگتی

یوں مدہوشی میں منہ سے پوچھے ہو کی اعت ہے
یہ سادگی تیری ہمیں اچھی نہیں لگتی
سجا کر آنکھ میں کاجل نہ دیکھیں آئینے کو یوں
ہمیں یہ بے نیازی بھی صنم اچھی نہیں لگتی
میری جان میرا سپنا بن کر آنکھوں میں اتر جانا
یہ دوری اور مجبوری ہمیں اچھی نہیں لگتی

ساجد رفیق ساجد۔ چک نمبر 75 ر ب

کبھی بے بسی نا تمام ہو

مجھے یہ دعا ہی دیا کرو
کبھی بے بسی نا تمام ہو
تمہیں بھولنا کہاں بس میں ہے
میں یہ چاہوں چاہو مجھے صنم
مجھے خود سے نہ تم جدا کرو
تیرے بن میں زندہ نہیں صنم
میرے جسم میں تم بسا کرو
مجھے لوٹ کے نہ موت دو
مجھے لمحہ بھر میں فنا کرو
میرا دکھ تیرا دکھ ہے نہ
مجھے دکھ ہی تم دیا کرو

ساجد رفیق ساجد۔ چک نمبر 75 ر ب

غزل

دل نہ بھاویں بول وے ایازی
تن اکھیاں دے کول وے ایازی
میں حاں پیاسی پیار تیرے دی
دل دا بوھا کھول وے ایازی
ویکھ وقت نہیں تولی جاندی
نہ پاہ اپنی جھول وے ایازی
میں آں جگ دا کھوٹا سکہ
توں ہیرا انمول وے ایازی
اپنی قربت میری چاہت

ٹکڑی اتے تول دے ایازی
اپنے چمن ڈھوے نوں انج توں
ککھاں وچ نہ رول دے ایازی

ایاز نعیم ایازی۔ چکوال

نظم

تیرے مرنے تک میں بچا
اپنا آپ سنبھال کے رکھدا
سدھراں ساریاں پال کے رکھدا
فیر آخر تے مرنا سی توں
ایتھوں تے کوچ کرنا سی توں
تیری قبر دے وچ جا بہندا
کجھ سندا کجھ اپنی کہندا
بیٹھ تیری رکھوالی کردا
جیویں پھلاں دی مالی کردا
تیری خاطر بھانال مردا
مرنا چیندا تے میں مردا
ہر ویلے کھپ پائی رکھدا
تے تیرا دل لائی رکھدا
او تے گھر وساندے اپنا
چیندے اپنا کھاندے اپنا
بس توں میرے نال ای ہوندا
تیرا سبھ کجھ میں ای ہوندا
اک پل ایتھوں دور نہ ہوندا
ویکھدا ایتھوں اٹھدا بہندا
ہر ویلے تیرے سر تے رہندا
جیویں سر دا لیڑا ہوندا
کاش میں قبر دا کیڑا ہوندا

ایاز نعیم ایازی۔ چکوال

تیری یاد میں

تیرے بعد یہ اے بے وفا قرار ہو مجھ کو
جو کبھی ختم نہ ہو دے گیا عذاب وہ مجھ کو
ہوا ہوں کرچی کرچی میں تیری جدائی میں
ہزار ٹکڑوں میں بکھر گیا ہوں سمیٹ لو مجھ کو
سر شام وہ تیری یاد میں سب سسکتے ہیں
چمٹ گئے ہیں بنا تیرے دکھ جو مجھ کو
نزع کے عالم میں یاد ہے منظر تیری جدائی کا
قسم ہے تمہیں میری جاں اور نہ دکھ دو مجھ کو

ثاقب بشیر۔ لاہور

نظم

اک کڑی نال اوندے جاندے
تانکا جھانکا ہوندا سی
او وی پیر رجاندی سی
مینوں خاں دل سناندی سی
جگ ظالم توں لک کے دوویں ایازی
پکیاں قسماں کھاندے رہے
اک دوجے دا ساتھ نہیں چھڈنا
اک دوجے نوں آکھندے رہے
رسماں دی فیر ہنیری جھل گئی
کیتے سارے وعدے بھل گئی
ور کے مینوں سوری کہہ گئی
ہور کسے دی ڈولی بہہ گئی
اک دن ایہہ انہونی ہوئی
مینوں نیت نہ چھیتا کوئی
بچہ اک پیا دوڑا آوے
ماموں ماموں آکھ بلاوے
جد میں پچھاں نظر دوڑائی
کڑی اوہوای نظریں آئی

ایاز نعیم ایازی۔ ملکوال

اول اکھاں گلاب وانگوں

کمال چہرہ کتاب وانگوں
حسن اوھدا سوال جاپے
اوھدا ویکھں جواب وانگوں
تک سنگویں کمان جیویں
چال اوہدی شراب وانگوں
دید اوھدی سکون بخشے
ہجر اوھدا عذاب وانگوں
شہد اوس دی زبان ایازی
روپ سارا ثواب وانگوں

اعجاز نعیم ایازی۔ ملکوال

غزل

جب مر گیا میں تو تم جشن منا دو
اگر تیش میں آیا تو تم میری میت کو جلا دو
اگر تجھے میرے مرنے کا پتہ نہ چلا
تو بعد میں میرے کفن کے ٹکڑے چن کر جلا دو
اگر تجھے میرے کفن کے ٹکڑے بھی نہ ملے
تو تم اس کے بعد میری قبر میں آ کر میری قبر کے پردے کو
جلا دو
اس کے بعد تم اپنے گھر جا کر
میرے پرانے خطوں کو جلا دو
اگر ابھی میں تیرے خوابوں میں آؤں
تو تم مجھے خوابوں میں جلا دو
اگر کوئی تم سے یہ پوچھے بخش اسیر کون تھا جو مر گیا
تو تم اس کو بھی میری طرح جلا دو
اگر تمہیں پھر بھی چین نہ آئے تو تم
کاغذوں پہ میرا نام لکھ لکھ کے جلا دو

رسول بخش اسیر۔ اٹک

خود کلامی

اس نے اب کے بھی نئے چاند کو دیکھا ہو گا
اٹھا کے ہاتھ پھر رب سے مجھے مانگا ہو گا
سنی ہو گی جب دعا چاند ہنس دیا ہو گا
خدا نے اس کی دعا سن لی ہو گی فوراً ہی
خوشی خوشی سبھی یاروں کو بتایا ہو گا
پر کوئی وہم بھی اس کے دل میں سمایا ہو گا
ان کہے خوف نے جی بھر کے ستایا ہو گا

ساجد رفیق ساجد۔ چک نمبر 75ر ب

ہاں ایسی کام محبت

اک لڑکی پیاری پیاری سی
مجھ کو آنکھوں سے پوچھتی ہے
کیوں یاد مجھے تم آتے ہو
جب یاد مجھے تم آتے ہو
آنکھیں ساون برساتی ہیں
من میرا وہ ترساتی ہیں
مجھے اتنا کیوں ستاتے ہو
کیوں یاد مجھے تم آتے ہو
جب تم کو دیکھ نہ پاؤں میں
بے چین سا دل آنکھیں بھیگی
پائل بے کل کاجل سونا
بس ایک ملن کی آس رہے
کیوں مجھے اتنا رلاتے ہو
کیوں یاد مجھے تم آتے ہو
کیا عجیب سی میری حالت ہے
کیا اسی کا نام محبت ہے
کیا اسی کا نام محبت ہے
ہاں اسی کا نام محبت ہے

ساجد رفیق ساجد۔ چک نمبر 75ر ب

خطوط کو فناک

اسلام علیکم۔ امید ہے کہ سب سٹاف خوفناک اور قارئین رائٹرز اینڈ ریڈرز خیریت سے ہوں گے ماشاءاللہ بہت اچھا سلسلہ چل رہا ہے اور سب قارئین بہت جوش و جذبے سے اپنے کام کو انجام دے رہے ہیں میں سٹاف خوفناک سے کہنا چاہتی ہوں کہ پلیز خطوط کے جوابات کا سلسلہ بھی شروع کریں اور ہر خط کے ساتھ اس کا جواب دیا کریں اس سے قارئین کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور وہ بہت خوشی سے لکھتے ہیں امید ہے اس بات پر غور فرمائیں گے باقی قارئین ماہ رمضان کی آمد آمد ہے اور سب قارئین کو مبارکباد پیش کرتی ہوں اس دعا کے ساتھ کہ اللہ رب العزت سب مسلمانوں کو اس ماہ رمضان کے روزے رکھنے کی توفیق عطا فرمائے قارئین میں انشاءاللہ بہت جلد آپ سب میں شامل ہونے والی ہوں بس تھوڑا سا مسئلہ یہ ہے کہ میری مصروفیات بہت ہیں اور میرے پاس ٹائم بہت ہی کم ہوتا ہے یوں تو شاید آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ اب میری کہانیاں اور غزلیں بہت کم ہیں یہ سب ٹائم کی کمی کی وجہ سے ہو رہا ہے اور انشاءاللہ یہ محفل نہ تو چھوڑنے والی ہے اور نہ ہی چھوڑیں گے اس سے ہمارا تعلق ہمیشہ ہی رہے گا اور اللہ سے دعا کرتی ہوں کہ اسے ہمیشہ شاد و آباد رکھنا آمین سب کو میری طرف سے اسلام۔ اور خوفناک دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے آمین۔

۔۔۔۔۔۔۔۔ کشور کرن چوکی

میڈم کشور کرن صاحبہ آپ کی درخواست ہمیں مل گئی ہے اور ہم انشاءاللہ اب ہر ماہ خطوط کا جواب دیا کریں گے اور آپ سب کو ساتھ لے کر چلیں گے شکریہ۔۔۔ مینجر خوفناک ڈائجسٹ۔

اسلام علیکم۔ سب خوفناک کے سب تعاریوں کو میرا اسلام۔ سب کہانیاں ہی بہت اچھی ہوتی ہیں صرف ایک ریاض انکل ہی مجھے کم لگتے ہیں یوں تو ڈائجسٹ ابھی پڑھنا شروع کیا ہے زیادہ وقت نہیں ہوا جب ریاض انکل کی خونی ناگن کہانی پرنٹ ہوئی تھی وہ میرا پہلا ڈائجسٹ تھا تب سے پڑھنا شروع کیا ہے اور اب بہت ہوئی ہے اپریل کے شمارے کی۔۔۔ پراسرار موری تھینک یو بہت اچھی کہانی ہے پڑھ کر مزہ آگیا اور آخر بھی اچھا تھا۔۔۔ جو خوبصورت چڑیل معدو یہ جنید وقو۔۔۔ واہ کیا سٹوری ہے بہت اچھی ڈائنہ بھی ایک طرف بیچارے ہوتے ہیں۔۔۔ بے قرار خرم شہزاد آپ کی کہانی بھی زبردست تھی۔۔۔ کاشف عبید آپ کی کہانی بھی زبردست تھی۔۔۔ محترم محرم امتیاز احمد آپ کی تو دو کہانیاں اکٹھی ہی پرنٹ ہوئی دونوں ہی اچھی تھیں۔۔۔ طلسمی جادو۔ بہت اچھی کہانی تھی اگلے شمارے کا انتظار رہے گا۔۔۔ وفی چاند رضا میری شام پر اچھی ہے اینڈ مہ اللہ رکھا جو یہ شکریہ آپ و میری محنت پسند آئی ہے بے انتہا

شکریہ۔۔۔ پراسرار قیدی بھی اچھی ہے۔۔۔ بزدل مرد کی قسط وارث آصف شاہ آپ نے بالکل ٹھیک بنا ئے مالک مکان بہت ہی بدتمیز ہوتے ہیں آپ کی پہلی کہانی مزے کی تھی دوسری قسط کا انتظار رہے گا۔۔ ۔پاگل ہو۔ محمد شفیق آپ کی کہانی بہت اچھی ہے کسی کو تنگ نہیں کرنا چاہئے ہمارے محلے میں ایک عورت ہے اسے سب بہت تنگ کرتے ہیں اور وہ گالیاں بھی نکالتی ہے لیکن اب وہ بہت بیمار ہے اس لیے کوئی تنگ کرنے کے بجائے سلام لیتا ہے تو وہ بہت خوش ہوتی ہے اور دعائیں دیتی ہے۔ راجہ ارشد کے شعر ہوتے ہیں مزے کے اور ہاں لقمان حسن کے شعر۔ اُف! یہ لگتا ہے کسی نے دل کو مروڑ کے توڑا ہے۔ بہت اچھے میرے پسند کے لکھتے ہیں آخر میں میری طرف سے سب کو خدا حافظ اور ماہنامہ خوفناک دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے آمین۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کائنات عامر وسلہ

اسلام علیکم۔ سب سے پہلے خوفناک ڈائجسٹ کی پوری ٹیم کو سلام۔ ہمارا یہ کسی بھی رسالے میں پہلا خط ہے اور ہم نے ایک کہانی اور چھ اور چیزیں بھی بھیجی ہیں اور امید ہے کہ آپ انہیں شائع ضرور کریں گے اور ہماری حوصلہ افزائی ضرور کریں گے اور ہمیں ناامید نہیں کریں گے پلیز پلیز بھائی ریاض احمد تو شائع کر دیں آپ کی جو بھی رائے ہو ضرور بتانا اور ہماری دل سے حوصلہ افزائی کریں اس رسالے خوفناک کے لیے اور باقی پوری ٹیم کے لیے دعا ہے کہ یہ رسالہ دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے پلیز ہمیں ناراض مت کرنا ضرور شائع کرنا یہ ہمارا جان سے بھی پیارا رسالہ ہے خدا حافظ۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔رمشہ ناز اینڈ شمل سحر۔

میڈم رمشہ آپ کا خط پڑھ لیا ہے اور آپ لکھتی جائیں اور ہم ضرور شائع کرتے جائیں گے اور ہاں کچھ مت سوچو اور لکھتے جاؤ بس آپ کی ہر تحریر شائع کریں گے اور ہر تحریر پر غور کریں گے آپ فکر نہ کریں۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔منتظم خوفناک ڈائجسٹ

اسلام علیکم۔ کیسے ہیں آپ سب امید ہے خیریت سے ہوں گے سب سے پہلے تو میں شکریہ ادا کرتی ہوں شاہین بھائی اور سب والوں کا جنہوں نے مجھے اپنے درمیان میں تھوڑی سی جگہ دی زیادہ میں خود بتا لوں کی اس کے بعد خوفناک والوں کا جس نے میرا خط شائع کر کے مجھے ایک موقع لکھنے کا فراہم کیا میں اپنے منت دو مرول تک پہنچا سکوں سب سے پہلے۔۔۔ پیاری مریم میواتی آپ کا شکریہ کہ آپ نے مجھے یاد رکھا کیوں نہیں پہنچا شاہین بھائی دونوں کا شوق کسی میں لکھنے پہ مجبور ہو گئی ہوں بہت شور کرتے ہیں میری طرف سے پیار بھرا اسلام قبول کریں امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے اقرا اینڈ راشدہ تحسین اور زندہ باد ہوں تو دل بھی زندہ اور سٹوری اچھی ہو تو تبصرہ بھی اچھا ہوتا ہے اب آتے ہیں سٹوریوں کی طرف لکھتے تو سب ہی اچھا ہیں پر وارث آصف کی سٹوری بزدل مرد نے چاٹ پہ مصالحے کا کام کیا ہے اب پلیز اس کو جلدی شائع کرتے رہیں۔ ایسا نہ ہو ایک قسط شائع کرنے کے بعد ہم چار چار ماہ ویٹ کرتے رہیں اور سٹوری ہی غائب ہو اب میں مدد دینا چاہوں گی اپنے بڑے ہی بھائی ندیم کو ایسے کیا پڑھ رہے ہو مرلے بھائی کیا یہ میں ہی ہوں اپنی تمام تر شان و شوکت کے ساتھ خوفناک کی

میں حاضری ہوئی تو پڑھ اور اپنے شاہین گروپ کے ممبرز نادر شاہ، انم شہزادی اور مصباح کریم میوانی کے خطوط نہ دیکھ کر دلی دکھ ہوا۔ انکل خیریت اتنا غصہ ہم کی محبت اور نام نکال کر لکھتے ہیں اور آپ ہمیں اگنور کر رہے ہیں یہ اچھی بات نہیں ہے کیونکہ کسی بھی رائٹرز یا قارئین کے ساتھ ایسا کیا جائے گا اس کا دل کٹ کر رہ جاتا ہے اور اس میں مزید لکھنے کا حوصلہ ختم ہو جاتا ہے۔ پلیز آئندہ خیال رکھئے گا۔ لیکن شکر ہے بھائی ندیم عباس میوانی کا خط شائع ہوا۔ آپ نے پچھلے ماہ سے خطوط کے جواب دینے کا سلسلہ شروع کیا تھا جو کہ مثبت قدم تھا جس سے بہت سے قارئین متفق اور خوش تھے یہ سلسلہ زیادہ دیر آپ نے چلایا نہیں تھا۔ پلیز یہ سلسلہ پھر سے شروع کریں۔ اگر اس قدم سے کسی کو کوئی اعتراض ہے تو وہ عقل کر رہے تاکہ ہمیں بھی تو پتہ چلے اور کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہے تو اسے بند کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اب ذرا آپ پر بات ہو جائے تو جناب اس دفعہ رسالہ کافی ہٹ کر لیکن زبردست تھا مطلب شمارے میں صرف مردہ خوفنات کی سٹوریاں تھیں اگر یہ کام مستقل ہو جائے تو مزہ آ جائے گا کہانیوں میں سب سے پہلے بھائی عثمان غنی بھوچی کی سٹوری وادی اسرار کا سفر پڑھی زبردست لکھا بھائی ہمیشہ خوش رہو آپ کی کہانی واقعی اس قابل تھی کہ پرچہ آپ کے نام کر دیا جائے۔ اس کے بعد حامد سرور کی جادوئی محل اور امیر اعوان کی طلسمی جادوگر اور خرم شہزاد صاحب کی بے قرار بھی عمدہ تھی سٹوریاں تھیں شہزادی راز دو تین دفعہ شائع ہو چکی ہے پلیز اس کی جگہ نیو رائٹر کو موقع دیں اشعار بھی بہار تھی ندیم عباس بھائی کوئی نئی سٹوری لے کر آئیں شدت سے انتظار کر رہے ہیں

محمد ابو ہریرہ بلوچ۔ بہاولنگر۔

بھائی صاحب ہم کوشش کرتے ہیں کہ جس کو جواب دینا ہو تو اس کو جواب دے دیتے ہیں ورنہ ہم آپ کی تمام شکایات کو پڑھ لیتے ہیں اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اب کوشش کریں کہ جو جو بھی قارئین جواب مانگے گا ہم اس کو جواب دیں۔ تبصرہ ریاض احمد۔

امید کرتا ہوں کہ خوفناک کی پوری ٹیم خیریت سے ہوگی۔ میرا دوسرا لیٹر شائع کرنے پر بہت ہی خوش ہوں بھائی ریاض صاحب کا بہت بہت شکریہ۔ مئی کا خوفناک مجھے کتاب گھر سے خریدا سب سے پہلے اسلامی صفحہ پڑھا سب سے اچھا لگا اس کے بعد کہانیوں میں مردہ شیش دو انجیل ناموں کا بچن بے قرار خرم شہزاد مغل، سرار وحید کا امتیاز احمد کراچی کی چاند رات میری شام پر خولیہ حاتم سرور طلسمی پتلا آصف علی جتنی جادوئی محل محمد حامد سرور راز اسد شہزاد کی کہانیوں میں مزہ نہیں تھا کیونکہ ان میں سے خبر پوری نہیں تھیں جیسے کہ خوفناک میں ہونا چاہیے۔ اگر میری بات کسی رائٹر کو بری لگی ہو تو معذرت خواہ ہوں آپ کی شہزاد کی خوفناک میں سٹوری کیوں نہیں لکھتی ہیں آپ کی سٹوری کو ڈھونڈتا رہتا ہوں اور نہ ملنے پر اداس ہو جاتا ہوں مہربانی کر کے جواب ضرور دے۔ بعد اس میں پتہ نہ چلے کرنے بھائی شاہد رفیق صاحب خوفناک میں دو آپ کی کوئی سٹوری نہ پا کر دکھ ہوا ہے۔ باقی تمام کام بھی بہت اچھے تھے سب کو میری طرف سے سلام۔